

خطباتِ عبدالغنی

خطباتِ عبدالغنیؒ

دروسِ طریقت

صفیرا آصف

PRISM
PUBLICATIONS(PVT)LIMITED

کتاب	:	خطباتِ عبدالغنیؒ (دروسِ طریقت)
تحریر وترتیب	:	صفیرا آصف
ناشر	:	پرزم پبلیکیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، لاہور/اسلام آباد
طابع	:	ماؤنٹین ڈیو کمیونیکیشن، لاہور
تزئین و آرائش	:	خالد مسعود، دانیال کمپیوٹر سینٹر، لاہور
تعداد	:	1000
سالِ اشاعت	:	دسمبر 2015

PRISM
PUBLICATIONS(PVT)LIMITED

Lahore Office:
442-Kamran Block, Allama Iqbal Town, Lahore.
Tel: +92 42 35423050, +92 321 4553050

Islamabad Office:
41-East Circular Road, Pakistan Town Phase-I,
Islamabad. Tel: +92 300 9145796

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ٥

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ٥

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى

سَيِّدِنَا مُحَمَّدِ النَّبِيِّ

الْكَرِيْمِ الرَّؤُوْفِ الرَّحِيْمِ ٥

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰه،

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا حَبِيْبَ اَللّٰه ٥

انتساب

حضرت حبیب الرحمن

المعروف

پیر پیران صاحب مدظلہ العالی

کے نام

فہرست

حرفِ آغاز

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم
نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

میں اللہ تعالیٰ کی بے حد شکر گزار ہوں، اس نے مجھے توفیق بخشی کہ میں پروفیسر ڈاکٹر عبدالغنیؒ کے خطبات کو صفحۂ قرطاس پر منتقل کر سکوں۔ زیرِ نظر کتاب ۱۹۹۱ء سے ۱۹۹۳ء تک کے ان خطبات کا مجموعہ ہے جو آپ نے سالکین کی ہدایت و راہنمائی کے لیے اپنی ہفت روزہ محافل میں ارشاد فرمائے۔ آپ کے خطبات علومِ ظاہری اور علومِ باطنی کا ایک گراں قدر خزانہ ہیں۔ میں بصد فخر و انبساط یہ کتاب آپ کی خدمت میں پیش کر رہی ہوں۔ مقصد صرف یہ ہے کہ علم و نور کے اس سمندر تک آپ سب کی بھی رسائی ہو۔ وہ نسخۂ اکسیرِ اعظم آپ کو بھی میسر ہو جس نے ہماری زندگی کو شادمانی و کامرانی سے عبارت کر دیا۔ الحمدللہ!

ڈاکٹر صاحب کے شب و روز حبِ الٰہی، زہد و تقویٰ اور عشقِ مصطفیٰ ﷺ سے منور تھے اور یہ نور آپ کے چہرے سے ہویدا تھا۔ آپ نے ہمیشہ غیر مشروط محبت، غیر مشروط معافی اور غیر مشروط خدمت کا درس دیا اور ان اصولوں پر خود بھی عمل پیرا رہے۔ اکتسابِ علوم۔ دینی، روحانی اور جدید عصری آپ کا طرۂ امتیاز ہے اور ان علوم کی روشنی میں ساتھیوں کی راہنمائی اور تربیت آپ کی زندگی کا مقصد تھا۔ کتابیں آپ کا سرمایۂ حیات تھیں۔ آپ نے تحقیق و تدقیق اور تجسسِ علم میں عمر گزاری۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کمال ذہانت و فطانت سے نوازا۔ آپ خود بتایا کرتے تھے کہ جماعت ششم میں مثنوی مولانا روم آپ کو ازبر تھی اور صرف و نحو کا ابتدائی کورس مکمل کر چکے تھے۔ اس بے مثل ابتداء کے ساتھ باقی عمر آپ کے اکتساب کا اندازہ آپ کے حاصل کردہ علوم کی فہرست سے ہوتا ہے۔ اسی تحقیق و تدقیق

کا ثمر بزمِ اقبال کی طرف سے 'اقبال ایوارڈ' اور اپنے مرشد کریم کی طرف سے 'جامع الکمالات' کا لقب تھا۔ تادمِ وصال کلامِ اقبال کو انگریزی زبان میں ترجمہ کرنے میں مصروف تھے۔ مجھے اپنی بے بضاعتی کا احساس ہے، اس لیے آپ کے تبحرِ علمی کو بیان کرنے کے لیے آپ کے استادِ محترم جناب پروفیسر ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار صاحب کے الفاظ کا سہارا لینا چاہتی ہوں جو انہوں نے آپ کی کتاب

An Evaluation of the English Translations of Iqbal's Poetry

کے دیباچہ میں اظہارِ خیال کرتے ہوئے لکھے ہیں:

''ڈاکٹر عبدالغنی نے ۱۹۰۰ء سے ۱۹۹۹ء تک یعنی پوری ایک صدی کے انگریزی تراجم کا بے لاگ جائزہ لے کر فکرِ اقبال کے انگریزی خواں قارئین کی راہنمائی کا فریضہ انجام دیا ہے۔ یہ ایک بہت دشوار کام تھا۔ ذوالسانی بلکہ سہ لسانی مشکلات کو سر کرنے کے علاوہ فکرِ اقبال کی صحیح ترجمانی کے لیے ان سب زبانوں پر ''ماہرانہ دسترس'' کی از بس ضرورت تھی اور ڈاکٹر عبدالغنی ماشاءاللہ اردو، فارسی، عربی اور انگریزی زبانوں پر عبور کے ساتھ ساتھ علم العروض (شرقی و غربی) کے بھی رمز شناس ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس مشکل ترین مرحلے میں کامیابی و کامرانی سے گزر سکے۔ میں اس کامیابی پر انھیں ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں۔''

ناظم بزم اقبال ۷ اپریل ۲۰۰۳ء

پروفیسر ڈاکٹر عبدالغنیؒ کا شمار ان ہستیوں میں ہوتا ہے جو علومِ ظاہری اور باطنی سے بہرہ ور ہو کر راسخ فی العلم ہو جاتی ہیں۔ یہی وہ ہستیاں ہیں جو دین کے لیے حصار کا کام کرتی ہیں۔ آپ کی شخصیت طریقت کے چہار پہلو کا حسین امتزاج تھی۔ آپ نے اپنے مرشد جناب پیر پیران صاحبؒ سے امرِ رشد و ہدایت پانے کے بعد، عرصہ تیئیس سال تک راہ صفا کے مسافروں کی راہنمائی کے لیے بلاتعطل خطبات کا ابلاغ کیا۔ جن میں اسرار و رموزِ روحانیت کو آسان پیرائے میں، جدید

سائنسی تحقیق و اصطلاحات کی روشنی میں پیش کر کے آپ تصوف و روحانیت کی دنیا میں ایک نئے باب کا آغاز کرنے کے ساتھ ساتھ تعمیرِ فکرِ انسانی کا فریضہ سرانجام دیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ سادہ الفاظ میں تصوف و روحانیت کو آپ نے عام مسلمان کی زندگی سے ہم آہنگ کر دیا۔ آپ فرمایا کرتے کہ یہ اسلام کی سچی تعلیمات ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر ہم اسلام کی اصلی حقیقتوں کا ادراک حاصل کر سکتے ہیں۔ میری آپ سے گزارش یہ ہے کہ مسلکی و مشربی اختلافات سے بالاتر ہو کر اس کتاب کا مطالعہ کیجیے گا تا کہ ان رازہائے سربستہ تک آپ کی رسائی ہو سکے جن کی تلاش میں انسان ہمیشہ سے سرگرداں ہے کیونکہ یہ صرف عقلی دلائل نہیں ہیں، بقول ڈاکٹر عبدالغنیؒ ''حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف لائی ہوئی وحی، وجدان کے ذریعے سے جب ہم پر وارد ہوتی ہے اور ہم اس کو عقل اور تجربے کی روشنی میں پرکھتے ہیں تو یہ علمِ طریقت قرار پاتا ہے۔''

آپ کے خطبات تدریسی نوعیت کے ہیں۔ آپ کو اللہ رب العزت نے خوش آوازی کی نعمت سے نوازا اور شیریں سخن بنایا۔ آپ کے بیان میں وہ مٹھاس اور حلاوت ہے کہ سننے والے پر ایک سرور کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ بقول اقبال

نطق کو سو ناز ہیں تیرے لبِ اعجاز پر
محوِ حیرت ہے ثریا رفعتِ پرواز پر

انداز بیاں کی شستگی، الفاظ کا بے مثل چناؤ، کلمات کی شاندار ادائیگی اور آواز کا متناسب زیر و بم گفتگو کو تحریر کرنے میں بے حد مددگار ثابت ہوا۔ میں نے پوری کوشش کی ہے کہ حضرت جی (احباب و مریدین میں آپ اسی لقب سے مشہور تھے) کی گفتگو کو من و عن پیش کر دیا جائے۔ ہمیشہ گفتگو کا آغاز ثنائے باری تعالیٰ اور صلوٰۃ و سلام سے ہوتا اور اختتام پہ دعا فرماتے۔ یہ کتاب اسی نمونے کے پیشِ نظر ترتیب دی گئی ہے۔ خطباتِ عبدالغنیؒ کے سلسلے کا یہ پہلا مجموعہ ۲۷ دروس طریقت پر مشتمل ہے۔ ایک گفتگو بطور دیباچہ شامل ہے باقی مختلف عنوانات کے تحت ترتیب وار رقم

ہیں۔ عنوانات میں نے اپنی سہولت کے لیے قائم کیے ہیں۔

میں اللہ تعالیٰ کی بے حد شکر گزار ہوں جس نے یہ خدمت میرے نصیب میں لکھی۔ یہاں میں ان سب لوگوں کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گی جن کی مدد اور حوصلہ افزائی نے مجھے اس قابل کیا کہ آج یہ کتاب آپ کے ہاتھ میں ہے۔ میں بڑی محبت کے ساتھ شکریہ ادا کرتی ہوں اپنی بھانجی سیدہ عروسہ محسن کا جس نے اپنی انتھک محنت سے اس کتاب کا دو تہائی حصہ Compose کیا۔ ان کی لگن کی وجہ سے یہ کام بروقت پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ Composing کا باقی کام میرے ان عزیزوں کی محنت کا نتیجہ ہے: تحریم حسن، زرتاشہ گل، ہما مہروش، ابتسامہ قدوس، ایمن قدوس، حرا مریم، محمد زین العابدین اور عمران ظہور۔ کتاب کا ٹائٹل تحریم حسن نے ڈیزائن کیا۔ میں ان سب کی شکر گزار ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان نوجوانوں کو ہمیشہ اپنے دین کی خدمت پر کاربند رکھے، آمین۔

Proof Reading اور Editing مشکل اور نازک مرحلہ زرتاشہ گل کی عمدہ Technical support سے طے ہوا۔ وہ MSCS گولڈ میڈلسٹ ہیں اور میرے اس کام میں بہت مددگار ثابت ہوئی ہیں۔ یہاں میں خصوصی طور پر ذکر کرنا چاہوں گی اپنے شوہر آصف محمود قاضی کا جن کی ہمہ وقت راہنمائی، محبت اور حوصلہ افزائی نے مجھے اس قابل کیا، حضرت جی کا فیضان مجھے انہی کے توسط سے ملا ہے اور میں شکریہ ادا کرنا چاہوں گی برادرم اسد محمود قاضی کا جن کی سرپرستی اور تعاون مجھے ہمیشہ حاصل رہا۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر دے آمین۔

صفیرا آصف

ابو ظہبی

ایک تعارف

خطۂ پوٹھوار ایک مردم خیز خطہ ہے جو اپنے دامن میں نابغہ روزگار ہستیاں لیے ہوئے ہے۔ جہاں اس کا دامن جیالے سپاہیوں سے بھرپور ہے وہاں صوفیائے کرام نے بھی اس خطے کو اپنا مرکزِ فیض بنایا۔ انہی بزرگوں کے فیضانِ نظر کے سبب اس علاقے میں تعلیم و تربیت کے ایسے مراکز قائم ہوئے جہاں سے ایسے درخشاں ستارے تعلیمی افق پر نمایاں ہوئے جن کے سبب اس خطے میں نہ صرف تعلیم کا معیار بلند ہوا بلکہ وہ اس علاقے کا سرمایۂ افتخار قرار پائے۔ انہی ذی وقار شخصیات میں سے ایک عظیم شخصیت پروفیسر ڈاکٹر عبدالغنی ؒ ہیں جو اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ ان کی ہمہ جہت شخصیت انگریزی، فارسی، اردو، عربی، پنجابی زبان و ادب اور بالخصوص قرآن، حدیث، فقہ، تصوف اور مطالعۂ اقبال میں مستند تسلیم کی جاتی ہے۔ آپ اپنی تخلیقی ذہنی صلاحیت کی وجہ سے دوسروں سے ممتاز تصور کیے جاتے تھے۔ آپ نے تعلیمی، مذہبی اور روحانی میدانوں میں قابلِ ستائش کامیابیاں حاصل کیں جن کی وجہ سے آپ کو مختلف اعزازات سے بھی نوازا گیا۔ ان تعلیمی نمایاں کامیابیوں کی ایک جھلک یہ ہے کہ آپ نے ایم اے کی چھ ڈگریاں Distinction کے ساتھ حاصل کیں جو ایم اے انگریزی (ادبیات)، ایم اے تدریس انگریزی بطور زبانِ خارجی (TEFL)، ایم اے فارسی، ایم اے اردو، ایم اے تاریخ ایم اے عربی پر مشتمل ہیں۔ مزید برآں آپ نے ایم فل اقبالیات، پی ایچ ڈی اقبالیات اور Post Doctorate Research میں کولمبو یونیورسٹی کی اسناد بھی حاصل کیں۔

ڈاکٹر صاحب کا ایک منفرد اعزاز یہ بھی ہے کہ آپ نے 1986ء میں CSS میں نمایاں کامیابی کے باوجود شعبۂ تعلیم میں درس و تدریس کو ترجیح دی اور راولپنڈی کے مختلف کالجز

میں بطور پروفیسر انگریزی زبان وادب تین عشروں تک خدمات سرانجام دیں۔

ڈاکٹر صاحب کی اوائل عمری میں ہی آپ کے والد گرامی مولانا محمد صادقؒ نے ایک کہنہ مشق استاد کی حیثیت سے آپ کے روز وشب نظم وضبط سے مزین کر دیے تھے۔ عشق مصطفیٰ ﷺ اور ذوقِ عبادت وریاضت آپ کے والد صاحب کا فیضان نظر اور ان کی عمدہ تربیت کا نتیجہ تھا۔

۱۹۷۴ء میں آستانہ عالیہ موہڑہ شریف سے وابستہ ہوئے اور سولہ برس تک اکتسابِ فیض کیا۔ جون ۱۹۸۹ء کی ایک شام آپ کی ملاقات سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ ہاشمیہ شریف کے مایہ ناز بزرگ حضرت حبیب الرحمان دامن برکاۃ العالیہ المعروف پیر پیران صاحب سے ہوئی اور چند نشستوں میں ہی مُریدِ باصفا سے اپنے مرشد کی مراد بننے کی منزل پالی اور سلاسلِ اربعہ میں خلافت حاصل کی۔

ذہانت، ذکاوت، نکتہ شناسی، وسعت قلب ونظر کے ساتھ ساتھ پرتاثیر زباں بھی فیاض قدرت نے عطاء کی۔ ڈاکٹر صاحب نے نوجوان نسل کی تربیت کو اپنی زندگی کا مقصد بنا رکھا تھا۔ جدید اور قدیم روحانی علوم بھی ڈاکٹر صاحب کا خصوصی موضوعِ مطالعہ تھے۔ آپ کے قیمتی خطابات کا مجموعہ آڈیو اور ویڈیو کیسٹس میں دستیاب ہے جو کہ اب تحریری شکل میں بھی پیش کیے جا رہے ہیں۔ آپ کی ذاتی لائبریری میں 100,000 سے زائد کتب موجود ہیں جن کو آپ ذاتی مطالعہ کے علاوہ مختلف تحقیقات میں بروئے کار لاتے تھے۔

ڈاکٹر صاحب کی دوسری پی ایچ ڈی (P H D) کے تحقیقی مقالے Usui Reiki and Islamic Concepts of Spiritual Healing - A Comparative Study نے پوری دنیا میں روحانیت پر تعلیم وتحقیق کے میدان

میں بحث و مباحثے کی نئی راہیں کھول دی ہیں۔ یونیورسٹی آف کولمبو نے ڈاکٹر صاحب کو اس مقالے پر گولڈ میڈل سے نوازا۔ اس طرح آپ نے ڈبل پی ایچ ڈی کا اعزاز حاصل کیا۔ ڈاکٹر صاحب کی پہلی پی ایچ ڈی جس پر علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی نے انہیں اقبال ایوارڈ سے نوازا An Evaluation of the English Translations of Iqbal's Poetry اقبال شناسوں کے لیے ڈاکٹر صاحب کا یہ تحقیقی کام تعلیم و تحقیق کے میدان میں نئی راہیں متعین کرتا ہے۔

ڈاکٹر عبدالغنیؒ انگریزی، اردو، فارسی اور پنجابی کے ایک نامور شاعر بھی تھے۔ آپ کا بیشتر کلام عشقِ رسول ﷺ اور خدمتِ اسلام کے جذبہ سے معمور ہے۔ آپ کی زندگی کا سب سے بڑا اور منفرد پہلو یہ تھا کہ آپ ایک Spiritualist تھے اور آپ ہمیشہ روحانیت کے عملی پہلوؤں کو ترجیح دیتے تھے اور اپنے پیروکاروں، شاگردوں اور علم کے متلاشیوں کے لیے باقاعدہ طور پر عملی تعلیم کے کورسز conduct کراتے، جن میں روحانی طریقہ علاج Reiki بہت ہی اہم ہے جو یورپ میں بھی مقبول ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے اسلامی طریقہ علاج پر بھی اپنے شاگردوں کو جو ہزاروں کی تعداد میں ہیں، مکمل تربیت دی۔ آپ پابندِ شریعت باصفا صوفی تھے۔ آپ روحانی سلاسل طریقت نقشبندیہ، چشتیہ، قادریہ اور سہروردیہ میں اجازت یافتہ تھے اور مریدین کو ان سلاسلِ اربعہ میں سلوکِ طریقت کی تکمیل کراتے۔ روحانیت کے میدان میں ڈاکٹر صاحب زبردست روحانی قوت کے حامل تھے جن میں نمایاں طور پر مراقبہ (Meditation)، روحانی طریقہ علاج (Reiki)، Hypnosis، Advanced Hypnosis، Telepathy، Yoga اور Astral Travel شامل تھے۔ آپ نے ہزاروں مریدین کو ان شعبہ جات میں عملی

تربیت دی اور انسانیت کی خدمت کے لیے تیار کیا۔ اللہ تعالیٰ حضرت جی کے درجات بلند فرمائے اور ہمیں آپ کے مشن کو آگے بڑھانے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین

اسد محمود قاضی

اسلام آباد

دیباچہ

گزشتہ دنوں میں میرے پاس دو ایسے Scholars آئے جن میں سے ایک کا تعلق ہسپانیہ سے تھا اور ایک کا تعلق امریکہ سے تھا اور دونوں ہی نومسلم سکالر تھے۔ یہاں انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد میں پڑھنے کے لیے تشریف لائے تھے۔ اب وہ واپس چلے گئے ہیں، ایک امریکہ اور ایک ارجنٹائن۔ ایک دن ہمارے حافظ صاحب کے ساتھ تشریف لائے تو انہوں نے آکر مجھے بتایا کہ میں پہلے عیسائی تھا اور میرے ذہن میں ایک خیال پیدا ہوا کہ میں ساری دنیا کے جو نظام ہیں، روحانیت کے ان کا مطالعہ کروں۔ کہتے ہیں میں نے عیسائیوں کا نظامِ روحانیت پڑھا، میں نے یہودیوں کا نظامِ روحانیت پڑھا، میں نے چینیوں کا روحانیت کا نظام پڑھا، میں نے انڈینز کا یوگا پڑھا، زرتشت Zorastarians کا نظامِ روحانیت پڑھا اور اس کے بعد میں نے جب اسلام کو پڑھا تو یوں لگا کہ جیسے چاند کے سامنے ستارے ماند پڑ جائیں، اس طریقے سے اسلام کی روحانیت کے سامنے ان کی روحانیتیں گم ہو کر رہ گئیں لیکن ساتھ ہی انہوں نے ایک دلچسپ بات یہ بتائی، کہتے ہیں کہ جب میں پاکستان آیا تو مجھے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ دین کے دعوے کرنے والے بڑے بڑے ٹھیکیدار، اسلام کی ان ہستیوں سے واقف نہیں جنہوں نے اصل اسلام کو پھیلایا۔ فرمانے لگے کہ میں نے جب آکر اسلامک یونیورسٹی کے پروفیسروں سے بات کی کہ آپ نے رومیؒ کو پڑھا ہے تو یہ جان کر بڑی حیرت ہوئی کہ ان کو رومی کے بارے میں کچھ علم نہیں۔ میں نے جب ان سے پوچھا کہ آپ نے منصور حلاّج کو پڑھا ہے؟ تو یہ

جان کر بڑی حیرت ہوئی کہ ان کو منصور حلاج کے بارے میں کوئی علم نہیں۔ کہتے ہیں میں نے ان سے پوچھا کہ آپ نے حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی کو پڑھا ہے تو مجھے یہ جان کر بڑی حیرت ہوئی کہ سرکار غوث اعظم کے بارے میں بھی ان کے پاس کوئی Knowledge نہیں ہے۔ کہتے ہیں کہ پھر میں نے امام غزالی کے بارے میں لوگوں سے پوچھا کہ امامِ غزالی؛ فلسفی ہونا ان کا ایک بڑا منصب ہے لیکن فلسفی سے بڑھ کر وہ صوفی تھے، کو آپ نے اس حوالے سے دیکھا ہے؟ تو کہتے ہیں کہ میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ وہ لوگ جو غزالی پڑھانے کا دعویٰ رکھتے تھے، غزالی کے تصوف سے بالکل نابلد اور ناآشنا تھے۔ کہتے ہیں میں نے حضرت داتا صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی کشف المحجوب پڑھی تو مجھے یوں لگا کہ جیسے اسلام کا نور اس سے کرنوں کی طرح سے پھوٹ رہا ہو۔ کہتے ہیں کہ میں اولیاء اللہ کے مزاروں پر گیا اور پھر میں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ دین اسلام سچا دین ہے!

یہ اللہ کا کرم تھا کہ جس جس کتاب کا نام وہ ساتھی لیتے گئے وہ اس ناچیز کے مطالعے سے گزر چکی تھے اور آخر میں ہمارے سلسلۂ عالیہ میں شامل ہو کر، بیعت ہو کر، سبق لے کر یہاں سے تشریف لے گئے اور یہ وعدہ کر کے گئے کہ انشاء اللہ العزیز پاکستان میں واپس آیا کروں گا اور اپنے سلوک کے اسباق مکمل کروں گا اور ہسپانیہ کی اس سرزمین میں جہاں مدتوں اسلام کی حکومت رہی ہے، میں انشاء اللہ اسلام کے چراغ روشن کروں گا۔ چند دنوں کے بعد ایک اور ساتھی کو لے آئے اور مجھے بتانے لگے کہ میں نے آپ کی جو مطالعاتی وسعت: اللہ نے جو عطاء کی ہے میں اللہ تعالیٰ کا ناچیز بندہ ہوں، یہ ان کے الفاظ عرض کر رہا ہوں، ورنہ میں کوئی چیز نہیں ہوں، میرے ساتھی مجھ سے ہزار گنا بہتر ہیں لیکن انہوں نے

میرے حوالے سے جو گفتگو کی، مطالعاتی وسعت کا ذکر کیا تو دوسرے دوست تھے وہ بھی تشریف لے آئے۔ حافظ صاحب دوسری محفل میں بھی اتفاق سے موجود تھے، انہوں نے دونوں محفلیں دیکھی ہیں۔ دوسرے ساتھی امریکہ سے تعلق رکھتے تھے وہ تشریف لائے اور انہوں نے آکر بڑی دلچسپ بات کی: ہم کسی کو برا تو نہیں کہتے لیکن کم از کم یہ تو کہنا ہمارا حق ہے ناں کہ اپنے مولویوں کی کتابوں کا ذرا جائزہ لے لیا کریں لوگ کہ وہ دوسروں پر کیا اثرات مرتب کر رہی ہیں، کہتے ہیں کہ یہاں پر وہ لوگ جو حنفی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں جب امریکہ جاتے ہیں تو ان کو پتا بھی نہیں ہوتا کہ ہم حنفی ہیں یا کیا شے ہیں۔ یہاں سے لوگ بڑے بڑے بستر اٹھا کر جاتے ہیں اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ بڑے سکالر ہیں، جب ان کو دیکھتے ہیں تو ان کو کچھ بھی پتا نہیں ہوتا۔ کہتے ہیں یہاں سے لوگ دین کے مبلغ بن کر امریکہ میں تبلیغِ دین کی خاطر جاتے ہیں اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ بڑے اعلیٰ قسم کے مبلغ ہوں گے لیکن جب ہم ان کے پاس بیٹھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کو دین کی الف، ب کا بھی علم نہیں اور وہ مجھے فرمانے لگے کہ خدا کے لیے آپ کچھ لکھیں۔ یہاں سے وہ لوگ جو اسلام کی نمائندگی کرنے امریکہ اور یورپ میں جاتے ہیں، خدا کی قسم اسلام کو شرمندہ کر رہے ہیں اور فرمانے لگے کہ ایک طبقہ ایسا بھی ہے بلکہ انہوں نے براہِ راست ایک مذہبی وسیاسی جماعت کا نام لیا اور کہنے لگے کہ جب یہ لوگ جاتے ہیں اور یہ امامِ اعظم ابوحنیفہ جیسے آئمہ پر تنقید کرتے ہیں تو ہم حیران ہو جاتے ہیں کہ یہ کیسے لوگ ہیں جو امامِ اعظم ابوحنیفہؒ جیسی ہستی کی عظمت کے قائل نہیں اور پھر فرمانے لگے کہ جب ہم پاکستان آئے تو یہاں آنے کے بعد میں چونکہ اسلامی تصوف کا بہت قائل ہوں، میں چونکہ اسلام کے اولیاء اللہ سے بڑی محبت کرتا ہوں

اور Saints سے بہت محبت کرتا ہوں تو میرے ذہن میں خیال آیا کہ حضرت بری امام کے دربار پر جاؤں۔ یہ میں آپ کو American Scholar کی بات سنا رہا ہوں کسی عام آدمی کی بات نہیں بلکہ پورے امریکہ، یورپ سے جو یہاں پر select ہو کر آیا، اس کی بات کر رہا ہوں۔ فرمانے لگے کہ میں حضرت بری سرکارؒ کے مزار پر گیا۔ کچھ مسلمان مجھ پر ہنسنے لگے اور کہنے لگے کہ یہ شرک ہے۔ کہتے ہیں پھر میں حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑویؒ کے مزار شریف پر گیا، وہاں بھی مجھے دیکھ کر کہنے لگے کہ یہ شرک ہے۔ پھر میں لاہور گیا، میرے ساتھ تھے تو میں داتا صاحب علی ہجویریؒ کے دربار پر جانے لگا تو وہ کہنے لگے کہ یہ شرک ہے۔ میں نے کہا، 'آپ کس طرح کے مسلم ہیں کہ اپنے محسنوں کے پاس جانے کو شرک کہتے ہیں'۔ کاش ان کو سمجھ آجاتی کہ ایک نومسلم ان کو اسلام سمجھا رہا ہے اور یہ جو پیدائشی مسلمان بنے پھرتے ہیں ان کو شرم نہیں آتی۔ اس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے گھر میں ایک بینر banner لگا رکھا ہے، ایک sign board لگا رکھا ہے جس پر لکھا ہوا ہے 'یارسول اللہ ﷺ'۔ کہتے ہیں بعض مسلم جا کر اس کو پیار اور محبت سے چومتے ہیں اور یوں لگتا ہے جیسے ان کے چہرے پہ عجیب وغریب بشاشت اور خوشی کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے اس آقا کے عاشق یہی ہیں اور کچھ ایسے بھی آتے ہیں کہ جو اس کو دیکھ کر کہتے ہیں، "This is shirkk" اور کہتے ہیں ان کو دیکھ کر مجھے ان سے اتنی نفرت پیدا ہوتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ کاش ان کو خیال آجائے کہ ان کو اسلام سکھانے والی ہستی یہی تھی، جن کو یارسول اللہ کہا جاتا ہے، یہی آقا تھے جن کی وجہ سے سب کو اسلام ملا ہے۔

تو عرض کرنے کا مقصد یہ تھا کہ دو نومسلم سکالرز جو ہمارے سلسلے میں شامل ہوئے

ہیں میں ان کی بات اس لئے آپ کو سنا رہا ہوں کہ اگر ہم کچھ عرصہ دین اسلام پر علمی اعتبار سے محنت نہ کرتے تو ممکن تھا کہ یہ شخصیات ہمارے پاس نہ آتیں۔ ابھی دو تین دن بعد پہلے اخبار میں، غالباً اسلام آباد کے کوئی ساتھی ہیں، انہوں نے ایک مراسلہ لکھا اور اس مراسلے میں انہوں نے لکھا کہ پیری اور مریدی نے اس دور میں اتنا اودھم مچا رکھا ہے کہ لوگ بڑے شوق سے، بڑے پیار سے، بڑی محبت کے ساتھ پیروں کے پاس جاتے ہیں کہ وہ شاید کچھ حاصل کر سکیں لیکن سوائے چند practices کے انہیں کچھ نہیں سکھایا جاتا اور چند ایک اعمال و وظائف ہیں جو دے دئے جاتے ہیں۔ کچھ پیر تو ایسے ہیں جو وظیفے بتا دیتے ہیں اور کچھ پیر ایسے ہیں جو صرف گردن ہلانے کی training دے دیتے ہیں۔ پاسِ انفاس سکھا دیا یا ایک لطیفہ قلبی پر توجہ کرنا سکھا دی اور بس۔ ان کی ساری کی ساری کائنات بس یہیں تک ہوتی ہے۔

کسی پڑھے لکھے نوجوان کو مطمئن کرنا، اہلِ علم کو درجۂ اطمینان تک پہنچانا یہ ہمارے فرائض میں سے ایک ضروری فرض ہے۔ اہلِ طریقت کو آج کا پیغام یہ ہے کہ ان چاروں پہلوؤں پر: اپنے کام میں دیانت اور اخلاص، محبت کی انتہا، اشغال طریقت میں پوری تندہی اور پوری سرگرمی اور علم کے اعتبار سے خوب محنت۔ یہ چاروں یوں کہنا چاہیے کہ ہمارے wings ہیں ان چاروں fields پر آپ کو محنت کرنا ہے جو کام دیا گیا ہے دل لگا کے کریں، دل میں محبت کا نور ہر وقت زندہ رکھیں، اسباقِ طریقت جس طرح میں نے پہلے بھی کہا تھا اگر ہو سکے تو ہر لطیفے پر دو ہزار مرتبہ اسم ذات پڑھنا چاہیے تاکہ ساتوں لطائف پر اتنی محنت ہو کہ وہ جگمگا اٹھیں اور اپنے مؤردِ فیض کی طرف رجوع کریں اور پھر علمی اعتبارات سے خاص طور پر مکتوباتِ حضرت امام ربانیؒ کا مطالعہ ضرور کریں۔ اکثر دوستوں کو میں

recommend کرتا ہوں کہ مکتوبات شریف گھر میں لا کر رکھیں اور مطالعہ کریں اور جہاں جہاں سوالات پیدا ہوں آپ بڑی خوشی سے یہاں سوالات کیا کریں۔سوال کرنا منع نہیں ہے سوال ضرور کریں۔جو کچھ آتا ہے اس ناچیز کو میں پیش کروں گا اور جو نہیں آتا ہم تحقیق کریں گے۔خوشی ہوتی ہے اس وقت جب کوئی ساتھی سوال کرتا ہے تو محسوس ہوتا ہے کہ ساتھی محنت کر کے آئے ہیں۔

چند دن پہلے اسلام آباد کے اخبار میں کسی نوجوان نے آرٹیکل لکھا۔اس آرٹیکل سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے ذہن میں ایک تجسس ہے،کوئی نوجوان روحانیت کی تلاش میں نکلا ہے لیکن نادان پیروں نے اس کو پریشان کر کے رکھ دیا ہے۔وہ رستہ تلاش کرتا ہے لیکن رستہ مل نہیں رہا۔اس کی کیا وجہ ہے کہ نوجوانوں کو مطمئن نہیں کیا جا رہا، بزرگوں کو مطمئن نہیں کیا جا رہا۔اس محفل میں تشریف لانے والے ہمارے بزرگ ساتھی بعض اوقات بڑے دکھ کے ساتھ کہتے ہیں کہ ہم فلاں فلاں آستانوں پر گئے،فلاں فلاں بزرگ کے پاس گئے؛ ہمارا مقصد کسی بزرگ کی توہین نہیں ہے،ہرگز کہیں کوئی یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ کسی بزرگ کے خلاف بات ہو رہی ہے۔نہیں! بزرگ بہرحال بزرگ ہیں۔بزرگوں کے سلسلے چلتے رہنا چاہئیں، بزرگوں کا نظام جاری و ساری رہنا چاہیئے۔بزرگوں کے خدام کو چاہیئے کہ مطالعہ اتنا زیادہ کریں،محنت اتنی زیادہ کریں کہ وہ نور جو اُن بزرگوں کے پاس تھا وہ آگے کو چلے اور آگے پھیلتا چلا جائے۔یہی ہمارا مشن ہے۔اللہ کریم ہمیں اس مشن پر زندہ رکھے اور ہمیں ثابت قدم رکھے۔آمین۔

پروفیسر ڈاکٹر عبدالغنی

راولپنڈی ۱۹۹۱ء

تصوف وطریقت

جب کوئی راہِ سلوک پر چلتا ہے تو کچھ سوال ایسے ہوتے ہیں جو اس کی اپنی طبیعت سے اٹھتے ہیں اور کچھ سوال ایسے ہوتے ہیں جو معاشرے کی طرف سے اٹھتے ہیں اور پھر معاشرے کی طرف سے اٹھنے والے سوالوں کی بھی دو قسمیں، دو جہتیں، دو اطراف ہوتی ہیں۔ ایک تو وہ لوگ سوال کرتے ہیں کہ جو منکر ہوتے ہیں اور ان کا سوال، سوال کی بجائے اعتراض کہلائے تو زیادہ مناسب ہے اور دوسری قسم کے سوال ان دوستوں کی طرف سے ہوتے ہیں جو خود طالبِ حقیقت ہوتے ہیں اور ان کو حقیقت کی تلاش رہتی ہے اور کوشش کرتے ہیں کہ کسی رستے سے حقیقت کا ادراک حاصل ہو اور اسلام کی اصلی حقیقتوں کو سمجھیں۔ آپ یقین کیجئے کہ خود اس ناچیز پر بھی اتنے مرحلے آئے، اتنے ادوار آئے اتنی stages آئیں کہ بعض اوقات انسان سخت پریشان ہو جاتا ہے کہ مولا کہاں جاؤں لیکن ہدایت کا معنی یہی ہے کہ جب آگے سارے رستے بند نظر آئیں تو ایک رستہ خدا کھول دے کہ یہ رستہ سچا ہے اور اسی کا نام بابِ ہدایت ہے۔ یعنی یوں سمجھیں کہ ایک شخص جنگل میں جا رہا ہے اچانک بدلیاں چھا جائیں اور گھٹائیں ہوں، بیابان جنگل ہو، ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دے۔ اچانک بجلی چمکے اور دور تک رستہ نظر آجائے۔ وہاں تک پہنچے پھر سوچے آگے کہاں جاؤں، پھر بجلی چمکے پھر آگے کا رستہ نظر آجائے، پھر آگے چلے اور پھر بجلی چمکے اور پھر آگے کا رستہ نظر آجائے، اس کو ہدایت کہتے ہیں۔ ہدایت کے لغوی معنی ہیں راہ دکھانا۔ تو بے شمار ایسے سوالات ہیں جو اپنی طبیعت میں اٹھتے ہیں، بے شمار ایسے سوالات ہیں جو معترض کرتا

ہے اور بے شمار ایسے سوالات ہیں جو طالب کرتا ہے۔ اب ایک سوال میں نے پچھلی دفعہ آپ کی خدمت میں عرض کیا تھا، اخبار کے حوالے سے کہ کوئی صاحب ہیں انہوں نے لکھا کہ پیری مریدی عجیب وغریب چیز ہے۔ کچھ سمجھ نہیں آتی کہ کون ٹھیک ہے، کون غلط ہے۔ جبہ و دستار اتنے عام ہو چکے ہیں کہ ان میں تلاشِ حقیقت کا بہت فقدان ہو گیا ہے۔ اس مقصد کے لیے میں نے آپ سے عرض کی تھی کہ آپ کوشش کریں کہ ان بنیادی نظریات اور نکات کو سمجھیں کہ جن پر تصوفِ اسلامیہ کی ساری بنیاد کھڑی ہے مثلاً میں آپ کو ایک حدیث کی طرف اشارہ کرتا ہوں کہ اس حدیث کو حدیثِ جبریل کہتے ہیں۔ جب کوئی آپ سے سوال کرے کہ یہ طریقت کیا ہے؟ یہ تصوف کیا ہے؟ یہ روحانیت کیا ہے؟ آپ اس کے آگے یہ حدیث رکھ دیں اور وہ خود سوچنے پر مجبور ہو جائے گا کہ واقعی جو کچھ اس حدیث میں بیان ہوا ہے یہی عین اسلام ہے، یہی عین ایمان ہے، یہی عین تصوف و روحانیت ہے۔ حدیث کا نام ہے حدیثِ جبریل، مشہور و معروف اور راوی ہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور مشہورِ زمانہ حدیث ہے جس کے متعلق ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی کہے کہ مجھے یورپ میں جا کر اسلام کا خلاصہ پیش کرنا ہے یا کسی اور ملک میں جا کر میں نے اسلام پیش کرنا ہے اس کے لیے میرے پاس صرف پانچ منٹ ہیں، مجھے اسلام کا خلاصہ دے دیں تا کہ میں جا کر اسلام کی پکچر پیش کر سکوں کہ یہ اسلام ہے۔ اب اگر پانچ منٹ کے اندر اندر سارا اسلام بیان کرنا ہو تو یہ حدیث کافی ہے۔

حدیث پاک کیا ہے؟ حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہِ اقدس میں بیٹھے ہوئے تھے اور ایک شخص آیا اس نے

آ کر کچھ سوال کیے۔ اس شخص کے بال سیاہ تھے، بدن کے کپڑے سفید تھے اور اس پر سفر کے کوئی آثار نہیں تھے لا یُریٰ علیہ آثارُ سفر یعنی یوں لگتا تھا کہ یہیں قریب سے اٹھ کے آ گیا ہو۔ اس نے آ کر حضور شہنشاہِ دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی بارگاہ میں نشست اختیار کی، آ کر حضورؐ کی بارگاہ میں بیٹھ گیا اور بیٹھا بھی اس طرح جس طرح شاگرد بیٹھتے ہیں اور اس نے چند سوالات کیے۔ ایک سوال یہ تھا کہ اے محمد ﷺ اسلام کیا ہے؟ اَخبِرنِي عَلَى الاسلام کہ مجھے اسلام کے بارے میں بتایئے کہ اسلام کیا ہے؟ سرکار نے فرمایا اسلام یہ ہے کہ تو نماز پڑھے، تو روزہ رکھے، تو زکوٰۃ دے اور تو حج کرے یہ اسلام ہے۔ اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ نے صحیح فرمایا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ میں بڑا حیران ہوا اور ہم سارے حیران ہوئے کہ سوال بھی خود کر رہے ہیں اور جواب کی تصدیق بھی خود ہی کر رہے ہیں عجیب سوال کرنے والا ہے۔ بہر حال پھر دوسرا سوال اس نے یہ کیا کہ یا رسول اللہؐ ایمان کیا ہے؟ تو سرکارؐ نے فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ تو اللہ پر ایمان لائے، تو یہ کہے کہ اللہ ایک ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، تو اس کے نبیوں اور رسولوں پر ایمان لائے، تو ملائکہ پر ایمان لائے، تو قدرِ خیر و شر پہ ایمان لائے اور تو یومِ قیامت پہ ایمان لائے، یہ ایمان ہے۔ اس نے کہا یا رسول اللہؐ آپ نے سچ فرمایا ہے۔ پھر حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ عجیب بات ہے سوال کرنے والا سوال بھی خود ہی کرتا ہے اور جواب کی تصدیق بھی خود ہی کرتا ہے مثلاً مجھ سے اگر ظہیر صاحب سوال کرتے ہیں کہ کہوٹہ کہاں ہے؟ تو میں کہوں جانب مشرق پنڈی سے چوبیس میل کے فاصلے پر جو بستی آباد ہے جو پنڈی کی تحصیل ہے اس کو کہوٹہ کہتے ہیں تو ظہیر صاحب کہیں ہاں آپ نے ٹھیک

کہاہے۔اس کا مطلب ہے کہ یہ پہلے سے جانتے ہیں کہ کہو نہ کہاں ہے۔ان سوالوں سے یہ واضح ہو رہا ہے کہ سوال کرنے والا جانتا تھا کہ اس کا صحیح جواب کیا ہے۔سوال اس لیے کر رہا ہے کہ اوروں کو سمجھ آئے اور تصدیق اس لیے کر رہا ہے کہ یہ سچ ہے اور تیسرا سوال اس نے جو کیا، وہ ہمارے مقصد کے لیے بہت ہی اہم ہے کہ احسان کیا ہے؟ تو احسان کے متعلق سرکارؐ نے فرمایا **اَلاِحسَانُ اَن تَعبُدَ اللہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ وَاِن لَم تَکُن تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ** کہ احسان یہ ہے کہ تو اس طرح رب کی عبادت کرے کہ جیسے تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر یہ کیفیت حاصل نہ ہو تو کم از کم وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔اس کے بعد اس نے آثار قیامت کے بارے میں تھوڑے سے سوال کیے اور سرکارؐ نے اس کے جواب دیے۔تو یہ تین stages اسلام، ایمان اور احسان۔یہ جو احسان کا لفظ ہے، یہ تصوف کا اصل نعم البدل ہے جو قرآن عظیم میں ملتا ہے۔کوئی پوچھے کہ تصوف کیا ہے تو آپ اس سے پوچھیں کہ احسان کیا ہے۔جب وہ احسان کی تعریف کرے گا تو آپ تصوف کی stage پر پہنچیں گے اور جب کوئی تصوف کی تعریف کرے گا تو آپ احسان کی stage پر پہنچیں گے۔یوں کہنا چاہیے کہ کوئی کہے کہ ہاتھ کیا ہے تو آپ یہ (اشارہ کرتے ہوئے) دکھادیں، کوئی کہے hand کیا ہے تو یہ ہاتھ دکھادیں، کوئی کہے دست کیا ہے تو یہی ہاتھ دکھادیں،نتیجہ ایک ہی نکلے گا۔ تصوف کی تعریف احسان پر پہنچائے گی۔احسان کی تعریف تصوف پر پہنچائے گی۔اب لوگوں کا یہ کہنا کہ یہ لطائف، یہ مراقبات، یہ جذب وسلوک یہ تو سرکار کے دور میں نہیں تھا تو اس کا مطلب سمجھنے کے لیے ایک نکتہ عرض کرتا ہوں کہ حضور شہنشاہ دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے ایک لاکھ اور چوبیس ہزار کم وبیش انبیائے کرام جو گزرے ہیں ان میں سے ہر نبی

ایک خاص وقت کے لیے مبعوث فرمائے گئے اور ایک خاص جگہ کے لیے مبعوث فرمائے گئے یعنی یوں سمجھ لیں کہ اگر ایک ہی وقت میں دو نبی موجود ہیں جس طرح حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت ہارون علیہ السلام موجود تھے تو ان کی jurisdiction، ان کا دائرہ اختیار رکھا گیا کہ اے فلاں نبی! آپ کا یہ دائرہ اختیار ہے۔ ایک وقت میں دو نبی بھی رہے یہ ثابت ہے تین بھی ہو سکتے ہیں۔ ہر قوم میں ایک نبی بھیجا گیا اور ہر زمانے میں ایک نبی بھیجا گیا۔ جس علاقے میں جس چیز کی ضرورت تھی اس نبی کو وہ معجزہ دے کر بھیجا گیا۔ جس وقت میں جو چیز عروج پر تھی اس عروج کا جتنا انتہائی کمال تھا، اس سے بڑھ کر کمال اس نبی کو دیا گیا تا کہ وہ نبی یہ ثابت کر سکے کہ انسانی کمال کہیں بھی پہنچے، نبی کا کمال اس سے کہیں اوپر ہے مثلاً حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دور ہے تو اس وقت اقتدار کی بہت بڑی پوجا ہوتی تھی۔ اقتدار کی بڑی value تھی، اقتدار کا بڑا مقام تھا اور اس وقت کے بادشاہ اپنے کرّ وفر پر اپنے شاہی تمکنت پر بہت نازاں تھے تو حضرت سلیمان علیہ السلام کو یہ قوت عطا کر دی گئی کہ آپ کا تخت فضاؤں میں اُڑتا تھا کہ کوئی بادشاہ ہے تو اپنا تخت فضاؤں میں اڑا کر دکھائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دور ہے اور جادو عروج پر ہے۔ جادوگر آتے ہیں، اپنی لاٹھیاں زمین پر پھینکتے ہیں تو سانپ بن جاتے ہیں۔ کوئی کون سا جادو کا کرتب دکھا رہا ہے تو کوئی کون سا کرتب دکھا رہا ہے تو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس جادو کے توڑ کے لیے وہ معجزے عطا کر دیے گئے کہ آپ نے لاٹھی کو پھینکا، سانپ بن گئی اور ان کے سارے سانپوں کو کھا گئی۔ قارون کی وجہ سے علمِ اکسیر یعنی سونا اور چاندی بنانے کا علم اتنا عام ہو گیا تھا کہ اتنا عروج پر چلا گیا تھا کہ قارون پوری دنیا کے خزانوں پر چھا گیا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وہ اکسیری بوٹیاں بتا دی گئیں کہ یہ بوٹیاں استعمال کرو گے تو تم پہاڑ کو سونا بنا سکتے ہو تو یہ وہ کمال نبوت تھا جو قارون سے بڑھ کر دیا گیا تھا۔ یہ کمالِ نبوت تھا جو جادوگروں سے بڑھ کر دیا گیا تھا۔ یہ کمالِ نبوت تھا کہ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تختِ شاہی فضا میں پرواز کرتا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دور تھا اور یونانیوں کی تہذیب اپنے عروج پر پہنچی ہوئی تھی اور اس وقت علم طب کے یہ یہ معجزے تھے کہ Metamorphosis تک کی قوتیں حاصل ہوگئی تھیں۔ Metamorphosis کہتے ہیں تبدیلیٔ ہیئت کو یعنی انسان اگر چاہے تو پرندہ بن کے اڑنے لگے یا کوئی انسان اگر چاہے تو جانور کی صورت اختیار کر لے۔ بعض اولیائے کرام نے یہ کرامتیں دکھائی ہیں کہ مکھی بن جانا اور کسی کی ناک پر بیٹھ جانا اور اس کو پتا ہی نہ چلے کدھر چلا گیا ہے۔ یہ Metamorphosis کے کمالات میں سے ایک ہے۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وہ کمال دیا گیا کہ باقی Metamorphosis کریں، تبدیلی ہیئت کریں یا کچھ کریں لیکن یہ تو نہیں کر سکتے کہ مردے ہی کو زندہ کر دیں۔ ہم آپ کو وہ کمال دیتے ہیں کہ اگر آپ چاہیں تو تبدیلیٔ ہیئت تو کجا، آپ مردہ کے بدن پر ہاتھ رکھیں تو اس کو زندہ کر چھوڑیں تو یہ کمال حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا کیا گیا یعنی ہر دور کے اعلیٰ ترین کمالات سے اعلیٰ کمال اس نبی کو عطا کیا گیا تا کہ کوئی اس نبی کو beat کرنے کا دعویٰ نہ کر سکے۔ نبی سے سبقت لے جانے کا دعویٰ کوئی نہ کر سکے۔

اب یہ کمالات جو اس زمانے کے کمالات سے بڑھ کر اور اس زمانے کے کمالات پر فائق تھے، یہ معجزے کہلاتے ہیں۔ اب ایک region کا نبی اور ایک وقت کا نبی، اپنے

وقت کا، اپنے زون کا معجزہ لے کے آیا۔ان کا ذرا اندازہ کیجئے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ تصوف حضورؐ کے دور میں نہیں تھا تو ان بیچاروں کو تو یہ بھی تو پتا ہونا چاہئے کہ حضور ﷺ کا دور ہے کون سا؟ اب کس کا دور ہے؟ سوچنے کی بات ہے، حضور ﷺ کا! یہ ساری کائنات پر حکمرانی کس کی ہے؟ ہمارے حضور ﷺ کی! اب یہ نکتہ ذہن میں رکھئے کہ سرکارؐ کے تشریف لے آنے کے بعد تا قیامت نہ کوئی نبی آئے گا نہ آ سکتا ہے۔ ہر زمانہ حضورؐ کا ہے۔ ہر جگہ حضورؐ کی ہے۔لہٰذا جس طرح پہلے دور میں کسی علاقے میں ظاہر ہونے والے نبی کا معجزہ اس علاقے کے نبی کی نبوت کا اظہار ہوتا تھا اور اس وقت میں ظاہر ہونے والا معجزہ اس وقت کے نبی کی نبوت کا اظہار ہوتا تھا اسی طرح سرکارؐ کی تشریف آوری سے لے کر قیامت تک ہونے والی ہر عجیب چیز ہمارے آقا کا معجزہ ہے اور پوری روئے زمین پر اسلام کا جو کمال ظاہر ہوگا وہ ہمارے آقا کا معجزہ ہے! اب ذرا غور کیجئے گا کہ ہمارے آقا کے معجزے! یہ ضروری نہیں ہے کہ جو پہلے ظاہر ہوئے وہی اب ظاہر ہوں، یہ ایک نکتہ ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ سرکارؐ نے پہلے چاند پھاڑا تھا اب بھی چاند ہی پھٹے، نہیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہمارے آقا اگر چاہیں تو سورج کو پھاڑ دیں اور اب بھی سورج پھٹے تو معجزہ ہمارے حضورؐ کا ہے۔

غور اس بات پر کیجئے کہ اس دور کے نبی جو معجزہ دکھاتے تھے وہ اس دور کے کمال سے بڑھ کر کمال دکھاتے تھے۔اب اس دور کا کمال ہے Spiritualism پر ریسرچ۔اس دور کا کمال ہے یہاں پر بیٹھ کے ٹیلی وژن پر ساری دنیا دکھا دینا۔اس دور کا کمال ہے کہ مواصلاتی سیارے کے ذریعے سے پوری دنیا کے انچ انچ کی خبر دینا۔اس دور کے کمالات میں سائنس اس قدر عروج پر پہنچ چکی ہے کہ لیزر شعاعوں کے ذریعے سے پوری دنیا کے اوپر

حکمرانیاں کی جا رہی ہیں۔ ہائیڈروجن بم بنا کر پوری دنیا اپنی زد میں لائی گئی ہے۔ اس دور کے کمالات میں سے ٹیلی پرنٹر ہے۔ اس دور کے کمالات میں سے ٹیلی وژن ہے۔ اس دور کے کمالات میں سے فوٹو پرنٹرز ہیں۔ وہ چیزیں جو پہلے دنیا نے سوچی ہی نہیں تھیں آج اس دور کے کمالات میں سے ہیں۔ اب ان کمالات کو beat کرنے کے لیے نبی کا کمال چاہئے۔ پہلے دور میں جب انسان سادہ تھا، اس کی عبادت سادہ تھی۔ اس کی زندگی میں اتنی رنگینیاں نہیں تھیں۔ اس کی زندگی میں اتنی چاشنیاں نہیں پیدا ہوئی تھیں جو آج کل ہیں۔ آج کل اخبارات فحاشی پھیلا رہے ہیں۔ آج کل ریڈیو فحاشی پھیلا رہا ہے۔ آج کل کا ٹی وی فحاشی پھیلا رہا ہے۔ آج کا تمام mass media باطل کے لیے ایک قوت فراہم کر رہا ہے۔ عریانی، گناہ، لذتِ گناہ اتنی عام ہو چکی ہے، اتنی سستی ہو چکی ہے کہ کسی کا بھی اس سے بچنا بہت مشکل ہو گیا ہے۔ اب ضرورت ہے کہ کمال نبوت کو ظاہر کیا جائے۔ بات سمجھیں! ضرورت اس بات کی ہے کہ کوئی ایسی روشنی ایجاد ہو جو ان روشنیوں سے بڑھ کر ہو۔ کوئی ایسی دلکشی ایجاد ہو جو ان دلکشیوں سے بڑھ کر ہو۔ کوئی ایسی لذت ایجاد ہو جو ان لذتوں سے بڑھ کر ہو۔ اب اگر انسانی روح کے کمالات میں سے کوئی ظاہر ہو گا تو ہمارے آقا کا معجزہ ہو گا۔ اب اگر حضرت شیخ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا سر سجدے میں رکھ کے اللہ کے حضور میں یہ دعا کی کہ مولا کریم! رزقِ حلال کے اندر کمی واقع ہو گئی ہے۔ عبادات کی محنتوں کے اندر کمی واقع ہو گئی ہے، اخلاص میں کمی واقع ہو رہی ہے، دنیا کی چاشنیاں بڑھتی جا رہی ہیں، ایسا کوئی طریقہ عطاء کر دے کہ جو ہمارے اسلام کے ماننے والوں کے ایمان کو مستحکم رکھ سکے۔ پندرہ دن کی آہ وزاری کے بعد سلسلۂ نقشبندیہ شریف عطا کیا گیا، ظاہر کیا گیا۔ موجود تھا لیکن ظاہر اس معنی

میں نہیں تھا۔اب یہ لطائف کا ظاہر ہو جانا نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزوں میں سے ایک معجزہ ہے اور جس نے اس کا انکار کیا اس نے سرکارؐ کے معجزے کا انکار کیا کیونکہ زمانہ وہ بھی حضورؐ کا تھا زمانہ یہ بھی حضورؐ کا ہے اور جگہیں اس وقت بھی حضورؐ کی تھیں، آج بھی حضورؐ کی ہیں کیونکہ اور نبی نہ کوئی آیا ہے، حضورؐ کے بعد نہ کوئی آ سکتا ہے، نہ کسی کو جرأت ہے کہ نبوت کا دعویٰ کرے اور اگر کرے گا تو کذاب ہوگا!

یادرکھیں! زمانے کے ساتھ، زمانے کی چاشنیوں سے بڑھ کر چاشنی provide کرنا زمانے کی لذتوں سے بڑھ کر لذتیں provide کرنا زمانے کے نوروں سے بڑھ کر انوار provide کرنا۔ زمانے کی پروازوں سے بڑھ کر پرواز provide کرنا۔ زمانے کی عظمتوں سے بڑھ کر عظمت provide کرنا۔ اگر یہ آج کل کا معاشرہ ہے تو سیارہ یہاں سے دس پندرہ ہزار میل اوپر جا کے سفر کرتا ہے یا آج کا راکٹ چاند پر جاتا ہے تو آج کا سالک سدرۃ المنتہیٰ تک جاتا ہے۔ لوگ تو کہتے ہیں کہ میں چاند پر گیا ہوں، اس محفل میں جو ساتھی بیٹھے ہوئے ہیں وہ سدرۃ المنتہیٰ تک گئے ہیں۔ یہ معجزہ ہے ہمارے حضور ﷺ کا! آج سالک چاند پر جانے والے سے کہہ سکتا ہے کہ تم صرف چاند تک گئے ہو اور میں سدرۃ المنتہیٰ کی سرحدوں تک پہنچا ہوں۔ یہ بات ذہن میں رکھئے کہ کوئی کمال ظاہر ہو، کوئی عظمت ظاہر ہو، کوئی بلندی ظاہر ہو، کوئی روحانی علوِ مرتبت ظاہر ہو، یہ سب ہمارے آقا کا معجزہ ہوگا لہٰذا جس نے روحانیت کی ان عظمتوں کا انکار کیا اس نے آقا کے معجزے کا انکار کیا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان معارف کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وما علینا الا البلاغ المبین

علمِ وحی و وِجدان اور لطائف

یہ دور سائنسی نوعیت کا ہے اور ہم اپنی زندگی سے سائنس کو جُدا نہیں کر سکتے۔ سائنس نے انسانی دماغوں کو ایک خاص انداز سے سوچنے پر مجبور کر دیا ہے یوں کہہ لیں کہ سائنسی اندازِ فکر لیکن سائنسی اندازِ فکر سے میری مراد وہ اندازِ فکر نہیں ہے جس میں بعض پہلو کُفر کی طرف جا نکلتے ہوں۔ سائنسی اندازِ فکر سے میری مُراد یہ ہے کہ انسان کی فطرت، طبیعت، انسان کے میلانات اور رُجحانات کچھ اس نوعیت کے ہو گئے ہیں کہ انسان چاہتا ہے کہ جو چیز میں اپناؤں زندگی میں اس کو تجربے کی کسوٹی پر پرکھ کر اپناؤں۔ اب وہ دور نہیں رہا کہ کوئی کہہ دے کہ جن ہے تو لوگ مان لیں جن ہے۔ لوگ کہیں گے کہ اگر جن ہے تو کوئی ایسا طریقہ وضع کرو کہ اس کو ایک سے زیادہ آدمی دیکھ کے تصدیق کر سکیں کہ واقعی جن ہے۔ علیٰ ھذا القیاس انسان فطرتاً تجسس پسند واقع ہوا ہے اور تجسس کی وجہ سے انسانی تہذیب ترقی کرتے کرتے سائنس کی سرحدوں سے جا ملی ہے تو سائنسی اندازِ فکر نے روحانیت کے لیے بھی بڑا چیلنج پیدا کر دیا ہے لیکن یہ چیلنج ان کے لیے ہوگا جن کے پاس روحانیت کے علوم کی کمی ہوگی۔ ہمارے مجدد رحمتہ اللہ علیہ کے گھر میں علوم کی بھی کوئی کمی نہیں ہے اور اب الحمدللہ سائنسی علوم میں سے ایک علم ہے Biology، انگریزی زبان میں Bio کہتے ہیں حیات کو، زندگی کو، life کو۔ logy کے معنیٰ ہیں to study یا مطالعہ کرنا۔ اب Biology کا مطلب ہوگا زندگی کا مطالعہ کرنا۔ عربی زبان میں جو اس کا ترجمہ کیا گیا ہے وہ ہے حیاتیات اور آج کل یہ علم ہر سطح پر پڑھایا جا رہا ہے۔ میٹرک میں سائنس کی سطح پر بھی پڑھایا جا رہا ہے۔

F.Sc. میں بھی ہے۔ B.Sc. اور M.Sc. کی سطح پر بھی ہے اور الحمدللہ بہت سارے لوگ اب اس میں ڈاکٹریٹ بھی کر رہے ہیں۔ اس علم نے ایک دلچسپ branch وضع کی ہے جس نے ہماری روحانیت کے جھنڈے بلند کر دیے ہیں۔

جب کسی چیز کی تصدیق تمام انسانی تجربات کر دیں اور پھر وحی بھی اس بات کی تصدیق کر رہی ہو اور الہام بھی اسی کی بات کر رہا ہو تو اس کے سچا ہونے میں کوئی شک نہیں۔ کیونکہ انسانی علم کے ذرائع تین ہیں: ایک وحی؛ یاد رکھیے کہ میں نے گفتگو کا آغاز سائنسی طرزِ فکر سے کر کے آپ کو یہ بتانا چاہا ہے کہ آج کل کے دور کا مزاج کیا ہے؟ ورنہ مزاجِ نبوت سے بڑھ مزاج کوئی نہیں، وحی سے بڑھ کر صداقت کوئی نہیں اور الہامی کتابوں اور سب سے بڑھ کر قرآنِ عظیم سے سچی کتاب کوئی نہیں۔ ہمارے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بڑا نہ کوئی علم میں ہے، نہ کوئی عقل میں ہے، نہ کوئی شعور میں ہے، نہ کوئی نبوت میں ہے، نہ کوئی رسالت میں ہے نہ دین میں ہے، نہ دنیا میں ہے۔ پوری کائنات کے اندر چشمِ فلک نے وہ نظارہ آج تک نہیں دیکھا جو سرکارؐ نے پیدا کیا ہے اور جو نظارہ سرکار کے غلام بنا سکتے ہیں چشمِ فلک نے وہ نظارے کسی اور کی بارگاہ میں نہیں دیکھے۔ تو اس لیے جب میں علوم کی تین حیثیتوں سے بات کر رہا ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ انسانی علم حاصل کرنے کے تینوں ذرائع کو سامنے رکھیں جب تینوں اس کی تصدیق کر دیں تو پھر آپ یقیناً کہہ سکیں گے کہ جس چیز کی تصدیق اور تائید تینوں ذرائع کر رہے ہوں، اس کے سچا ہونے میں کیا شک ہے۔

پہلا ذریعہ ہے وحی۔ رب نے جب کائنات بنائی تو کائنات بنانے کے بعد اس کائنات کے اندر نظام چلا دیے اور ہر چیز کا ایک اپنا نظام ہے اور وہ سارے نظام مل کر ایک

بڑے نظام میں گم ہو رہے ہیں۔ عجیب بات ہے کہ ہر چیز دائروں میں سفر کرتی جا رہی ہے اور دوسرے دائروں میں گم ہوتی چلی جا رہی ہے چونکہ کائنات اتنی وسیع و عریض تھی اور اتنی پھیلی ہوئی تھی کہ اس کی وسعتوں کا اندازہ ایک انسان نہیں کر سکتا نہ اس کے بس کی بات ہے ہر کوئی اپنی سمجھ اور شعور کے مطابق اس کو سمجھنے کی کوشش کر رہا ہے لیکن سب سے عظیم بات وہی ہے کہ اللہ کریم نے فرمایا کہ تم میری ہی عطاء کی ہوئی ایک محدود سی عقل کے رستوں سے میری کائنات کو سمجھنے کی کوشش تو کرو گے کیونکہ یہ قوت میں نے تمہیں دی ہے اور یہ میرا تم پر انعام ہے لیکن یاد رکھو جب تک میں نہ سمجھانا چاہوں تم کبھی بھی سمجھ نہیں سکتے۔ اس لیے اللہ رب العزت نے فرمایا کائنات بھی میری، نظام بھی میرے اور تخلیق کا عمل بھی میرا تو ظاہر ہے کہ میں رب ہو کے جتنا سمجھتا ہوں، تم بندے ہو کے اتنا نہیں سمجھ سکتے۔ لہٰذا میں تمہیں اپنی طرف سے خاص خاص ہستیاں دیتا ہوں جن ہستیوں سے میں براہِ راست باتیں بھی کیا کروں گا، براہِ راست جن کو اپنا کلام عطا کروں گا اور براہ راست یہ میری باتیں مجھ سے وصول کر کے تم تک پہنچائیں گے۔ وہ باتیں اتنی سچی ہوں گی کہ تم اپنے تجربوں سے ان کی تصدیق کرتے رہنا۔

چنانچہ اللہ رب العزت نے رسالت اور نبوت کے سلسلے چلائے اور سچے نبیوں اور سچے رسولوں کو سچے پیغامات مخلوق تک پہنچانے کے لیے مامور فرمایا اور ہمیں سب سے سچے عطا کر دیے اور ہمیں سب سے سچے عطا کر دیے۔ ہمارے حضور ﷺ سب سے عظیم ہیں۔ ہمارے آقا سب سے بڑے ہیں اور ہمارے آقا کی نبوت و رسالت ایک ایسی نبوت اور ایسی رسالت ہے کہ نبوتوں کو وہاں سے فیض ملتا ہے، رسالت کو وہاں سے فیض ملتا ہے۔

لا و رب العرش جس کو جو ملا اُن سے ملا

بٹتی ہے کونین میں نعمت رسولؐ اللہ کی

اب اللہ رب العزت نے نبوت اور رسالت کے یہ سلسلے چلانے کے بعد جب نبوت کا سلسلہ ہمارے حضورؐ کے بعد بند فرما دیا، ہمارے حضورؐ کے بعد کوئی نبی آ ہی نہیں سکتا کیونکہ ہمارے حضورؐ ہر زمانے کے رسول ہیں، ہر چیز کے رسول ہیں، ہر جگہ کے رسول ہیں کائنات کے ذرے ذرے کے رسول ہیں جس طرح حضورؐ خود ارشاد فرماتے ہیں کہ

لاحبَّةَ فِی الارضِ و لا فی السماءِ اِلّا یَعلمُو اَنیّ رُسُول اللہ

ترجمہ: کائنات کے اندر زمین و آسمان کے اندر کوئی ایک ذرہ بھی ایسا نہیں جو یہ نہ جانتا ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔

اس لیے جب ہمارے حضورؐ کے بعد سلسلۂ نبوت و رسالت منقطع کر دیا گیا تو پھر یہ سلسلہ وجدان کے علم کے ذریعے سے القاء ہوتا رہا۔ وجدان ایک ایسا ذریعہ ہے جس کو آپ الہام کا نام بھی دے سکتے ہیں جس کو آپ عرفان بھی کہہ سکتے ہیں۔ یوں کہہ لیں کہ میں آپ کو تین کلیدی الفاظ دے رہا ہوں۔ پہلا لفظ میں نے وحی پیش کیا۔ آپ اس پر غور کریں گے تو نبیوں اور سچے رسولوں اور سب سے بڑھ کر شہنشاہِ انبیاء، شہنشاہِ مرسلین ﷺ کا علم وحی مراد ہے۔ ان ہستیوں کی صداقت کے بعد پھر ان کے فیض سے جاری ہونے والے سلسلے جو ہیں وہ الہام کی بنیاد پر چلے ہیں۔ اس کا دوسرا نام آپ وجدان رکھ لیں۔ اس کا تیسرا نام عرفان رکھ لیں۔ عرفان کا لفظ استعمال کریں گے تو پھر بھی معنی یہی ہوگا۔ اگر وجدان کا لفظ استعمال کریں گے تو بھی معنی یہی ہوگا اور الہام کا لفظ استعمال کریں گے تو بھی معنی یہی ہوگا۔

اب اس کے بعد تیسرا مرحلہ جو ہے وہ انسانی علوم کے سلسلوں کا زینہ آجاتا ہے کہ انسان نے جب اس دنیا کے اندر اپنے تجربات شروع کیے تو ان تجربات میں اس نے تجربیت کی بنیاد رکھی جس کو انگریزی زبان میں کہتے ہیں Empiricism یعنی فلسفۂ تجربیت یعنی جس کو تجربہ سچ ثابت کردے وہ صحیح ہے، جس کو تجربہ سچ ثابت نہ کر سکے اس کو وہ غلط کہہ دیتے لیکن الحمدللہ الکریم ہمارے حضرت مجدّد پاک رحمتہ اللہ علیہ نے ہمارے شہنشاہِ بخارہ خواجہ بہاؤ الدین نقشبند بخاری رحمتہ اللہ علیہ اور ہمارے تمام اولیائے کرام نے، حضور غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، حضور داتا صاحبؒ، حضور خواجہ خواجگان خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ، ان تمام ہستیوں نے ان تمام باتوں کو جن کا ذکر ہمارے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا عالمِ کشف میں دیکھ کر، عالمِ روحانیت میں دیکھ کر، مشاہدہ کر کے فرمایا جو ہمارے حضورؐ فرما گئے ہیں، وہ سچ ہے! اور پھر ہمارے محسنوں نے کمال یہ کیا کہ ہمیں ایسا فارمولا دے دیا اس دور کی اصطلاح میں سائنسی فارمولا دے دیا کہ جو اس فارمولے پر عمل کرے گا انشاءاللہ العزیز ان مقامات کو ضرور مشاہدہ کرے گا جو ہمارے حضورؐ نے ارشاد فرمائے۔ اب ہمارے خواجہ خواجگان خواجہ بہاؤ الدین نقشبند رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت مجدّد پاک رحمتہ اللہ علیہ، ان ہستیوں کے بتائے ہوئے طریقوں پر ہمارے ساتھی جس طرح آج کل ذکر کرتے ہیں اور وجد و حال کی یہ لہریں اور یہ کیفیتیں جو کہیں نظر نہیں آتیں، یہاں اس کے دریا بہہ رہے ہیں، اس کی وجہ وہ فارمولا ہے کہ جو اللہ کریم نے اپنے محبوبوں کے سینوں میں رکھا ہوا ہے۔ جب زمانے کے لوگوں نے اپنے علوم سامنے رکھنے شروع کر دیے تو ہمارے مشائخ نے فرمایا، میاں! یہ نہیں ہو سکتا کہ تمہارے علوم ہمارے علم

کی سرحدوں کو پاسکیں۔تم جو رکھتے ہو ہم اس سے بالا بالا ہی ہیں۔

میں ایک انگریز مصنفہ کی کتاب پڑھ رہا تھا اس نے لطائف پر پی ایچ ڈی کی ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ہمارے بعض ناقص قسم کے پیر بڑی زیادتی اُس وقت کرتے ہیں جب کہتے ہیں کہ یہ لطائف وغیرہ ہیں ہی کوئی نہیں اور بڑے مزے سے کہتے ہیں، ''ہم نقشبندی ہیں''۔ ہم کسی کی غیبت نہیں کر رہے میں یہ بتا رہا ہوں کہ یہ اپنے ہی بزرگوں کو گالیاں دینے والی بات ہے اپنے ہی بزرگوں کی نافرمانی کی بات ہے جب کوئی کہے کہ یہ لطائف وغیرہ کوئی نہیں ہیں لیکن ہم نقشبندی ہیں، لطائف وغیرہ کوئی نہیں لیکن ہم قادری ہیں یا ہم چشتی ہیں تو یہ تمام مشائخ کے ساتھ بڑی زیادتی ہے۔کوئی چشتی ایسا نہیں گزرا جس کو لطائف نہ کرائے گئے ہوں۔کوئی نقشبندی ولی ایسے نہیں گزرے جن کو لطائف نہ کرائے گئے ہوں۔کوئی قادری ولی اللہ ایسے نہیں گزرے جن کو لطائف نہ کرائے گئے ہوں۔اس لیے الحمدللہ ان سارے دریاؤں کا فیض حضرت مجدد پاکؒ کے گھر سے ہو کر پوری دنیا میں جاری اور ساری ہے۔ان لطائف کا جو فارمولا اللہ کریم نے آپ کو عطا کیا ہے اس فارمولے کی بنیاد اب تجربے نے ثابت کر دی ہے۔

اور میں آپ کو بتا یہ رہا تھا کہ امریکہ کی ایک خاتون ہیں جو عیسائیوں کے پادری گروپ سے تعلق رکھتی ہیں جنہیں آپ Nuns کہتے ہیں انہوں نے Ph.D کی ہے ان لطائف پر، اس میں وہ لکھتی ہیں:

The greatest secret of the world at last revealed.

کہ دنیا کا سب سے بڑا راز آخر ظاہر کر دیا اور میں نے کیا ہے۔تو میں اس کی کتاب پڑھ کے

بس رہا تھا کہ کاش اسے پتا چل جائے کہ ہمارے مجدد پاک رحمتہ اللہ علیہ کے گھر جھاڑو دینے والا بھی یہ جانتا ہے۔ جس کو تم، ''دنیا کا سب سے بڑا راز'' کہہ کے بات کر رہی ہو اور جس کے متعلق یہ کہتی ہو کہ میں نے راز ظاہر کیا ہے۔ آؤ ہمارے گھروں میں تمہیں پتا چلے کہ یہ ہمارے مجدد پاک رحمتہ اللہ علیہ کے نام لینے والے جس نے صرف مجدد پاک رحمتہ اللہ علیہ کا نام لیا ہے اس کو بھی اللہ کریم نے یہ علوم عطا کر دیے ہیں بلکہ اہلِ روحانیت کا ایک تجربہ ہے اور خدا کے فضل سے اپنے دوستوں کا بھی یہ تجربہ ہے کہ حضرت مجدد پاک رحمتہ اللہ علیہ جس کو خواب میں بھی مل جائیں اس کے ساتوں کے ساتوں لطائف جاری کر دیتے ہیں۔ یہ ربّ کا کرم ہے۔ تو آج آپ کو جو باتیں عرض کی گئی ہیں اس کا مقصد یہی ہے کہ آپ کا ذہن، آپ کی سوچ، آپ کا علم اس معیار پر جا پہنچے کہ جب کوئی ہمارے سلسلے کی طرف آئے اور سوال کرے کہ آپ کا سلسلہ کیا ہے تو آپ کے پاس اس کی روحانی ضیافت کے لیے سامان موجود ہونا چاہیئے۔ آپ اس مہمان کی خدمت کریں وہ سوال کرے آپ کے پاس جواب موجود ہوں کیونکہ دوستوں کی محبت اور ایثار دیکھ کر میں اندازہ لگا رہا ہوں کہ یہ قافلہ بڑی دور جائے گا اور یہ سلسلہ آسمانوں کی بلندیوں کو چھوئے گا۔ وہ وقت آنے والا ہے، انشاءاللہ۔

جو ٹوٹی پھوٹی معلومات آپ کی خدمت میں پیش کروں فکری سامان جو عرض کروں اس کو گھر جا کر cassettes میں سنیں پھر کوئی سوال پیدا ہو تو سوال لکھ کر لائیں مجھے بڑی خوشی ہوگی۔ خاص طور پر سب سے پہلے لطائف کا سوال ضرور ہوتا ہے تو لطائف کے بارے میں آپ simple جواب دے دیا کریں کہ اسلام کا اگر ہم تجزیہ کریں تو وہ

حصوں میں تقسیم ہوسکتا ہے، عقائد کا حصہ اور معاملات کا حصہ۔ عقائد میں اللہ پر ایمان، نبیوں
اور رسولوں پر ایمان، کتاب ہائے آسمانی پر ایمان، فرشتوں پر ایمان، قیامت پر ایمان اور
تقدیر پر ایمان، یہ ہے اسلام کا اعتقادی حصہ۔ اسلام کا دوسرا جزو ہے معاملات کا پہلو جس
میں نماز ہے، روزہ ہے، زکوٰۃ ہے، حج ہے اور حسنِ خلق ہے، حقوقِ خلق خدا ہے، لوگوں
سے ملنا جلنا ہے تو اس اعتبار سے اگر اسلام کا پہلا حصہ کسی کو نصیب نہ ہو یعنی کسی کا عقیدہ
ٹھیک نہ ہو تو اس کا دوسرا حصہ مردود ہے۔ کتنا بھی بڑا وہ صاحبِ عمل ہو لیکن اس کا عقیدہ ٹھیک
نہ ہو تو وہ ہمارے نزدیک جہنمی ہے۔ اس لیے کہ اسلام کی اصل بنیاد عقائد پر ہے۔ توحید کے
بارے میں صحیح سوچنا، نبوت ورسالت کے بارے میں صحیح سوچنا، فرشتوں کے بارے میں صحیح
سوچنا، الہامی کتابوں کے بارے میں صحیح سوچنا، قیامت کے بارے میں صحیح سوچنا اور تقدیر
کے بارے میں صحیح سوچنا یہ اسلام کی اصل بنیادیں ہیں۔

اب اللہ رب العزت کو کسی نے دیکھا نہیں، انوارِ توحید کو سمجھ نہیں سکتا۔
نبوت ورسالت کے انوارات کو سمجھ نہیں سکتا۔ ملائکہ کو دیکھ نہیں سکتا۔ تقدیر لوحِ محفوظ پر کیا
لکھی ہے یا لکھی جا رہی ہے کسی کو نہیں پتا۔ قیامت کا علم نہیں دیا گیا تو ان ساری چیزوں سے
ایک تعلق جوڑنے کے لیے جو حواس استعمال ہوتے ہیں ان حواس کا نام لطائف ہے۔ جس
طرح ظاہری دنیا کو دیکھنے کے لیے آنکھیں استعمال ہوتی ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کے
انوارِ توحید کو دیکھنے کے لیے جو آنکھیں استعمال ہوتی ہیں ان کا نام لطائف ہے۔ فرمانِ
خدا، الہامِ خدا اور انبیاء و مرسلین کی باتیں اور عالمِ غیب کی باتیں سننے کے لیے جو کان استعمال
ہوتے ہیں ان کا نام لطائف ہے۔ اُن ساری چیزوں کو محسوس کرنے کے لیے جو حواس ہم

نے استعمال کیے ہیں اور زمانۂ نبوت سے لے کر آج تک اولیائے کرام جو حواس استعمال کر رہے ہیں ان اندرونی اور باطنی حواس کا نام لطائف ہے۔ آپ یوں کہہ سکتے ہیں کہ باہر کی دنیا کو دیکھنے کے لیے پانچ حواس موجود ہیں: دیکھنا، سننا، سونگھنا، چھونا اور چکھنا اسی طریقے سے عالمِ غیب کو دیکھنے کے لیے سات حواس موجود ہیں: قلبی، روحی، سرّی، خفّی، اخفاء، نفسی اور قالبی۔ یوں کہہ لیں کہ پہلے پانچ اور بعد کے سات پورے ایک درجن حواس سے مل کر مکمل انسان بنتا ہے۔ اللہ پاک ہمیں ان باتوں کو سمجھنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

وما علینا الا البلاغ المبین

علومِ باطنی

یاد رکھیں! بے علم فقیر کسی کام کا نہیں۔ وہ شریعت نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غلط تعبیر کر کے ملت کو گمراہ کرے گا اس لیے ہمارے سلسلے کا امتیاز علم ہے۔ علمِ ظاہری اور علمِ باطنی بہت ضروری ہیں۔ میں دوستوں سے بارہا کہوں گا کہ ایک ہزار سال کی عبادت ایک طرف اور فقہ کا ایک مسئلہ سیکھ لینا ایک طرف۔ حضرت امام مجدد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کاش آج بھی مجھے کوئی 'توضیح وتلویح' پڑھائے اور میں اس کی محفل میں بیٹھ کر اس کو پڑھوں، یہ سیدالاولیاء ارشاد فرما رہے ہیں۔ سرکارِ غوثِ اعظم قرآن وحدیث کا درس دینے والی شخصیت تھے اس لیے علوم کی طرف راغب ہوں لیکن صرف ظاہری علوم کی طرف نہیں بلکہ علومِ باطنی کی طرف بھی جب انسان ظاہری اور باطنی دونوں علوم کی طرف متوجہ رہتا ہے تو وہ راسخ فی العلم ہو جاتا ہے اور یہی وہ ہستیاں ہیں جو دین کے لیے حصار کا کام کرتی ہیں۔ دین کے لیے حصن حصین کا کام کرتی ہیں۔ دین کے لیے قلعہ بندیاں کرتی ہیں۔ الحمدللہ! اللہ کا کرم ہے میرے عزیزوں میں بہت پڑھے لکھے لوگ موجود ہیں، انتہائی قیمتی شخصیات موجود ہیں بس صرف منظم ہونے کی ضرورت ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ولایت بھی علم کی قسموں میں سے ایک ہے۔ طریقت کے باقاعدہ اسباق ہیں۔ جب ایک طالبعلم پہلی جماعت میں داخلہ لیتا ہے تو دس سال کے بعد میٹرک کرتا ہے۔ پھر مزید چھ سال بعد ایم اے کرتا ہے۔ Law کرے تو بی اے کے بعد دو سال Law پر لگانے پڑتے ہیں۔ CSS کرنا چاہے تو

آٹھ دس سال study کرنا پڑتی ہے۔جج بننا چاہے تو اس کو بڑا عرصہ Law پڑھنا پڑتا ہے۔وکیل بننا چاہے تو بہت عرصہ محنت کرنا پڑتی ہے۔ایک ولی ہی ایسی چیز ہے جو تین دن میں بن جائے، بڑی زیادتی ہے۔اس لیے یاد رکھیں! جس طرح ظاہری شریعت پڑھنے کے لیے محنت کرنا پڑتی ہے اسی طرح باطنی شریعت کے لیے بھی محنت درکار ہے، باطنی بھی شریعت ہی ہے۔طریقت شریعت سے جدا کوئی چیز نہیں ہے۔بڑا ظرف چاہئے،

سفینہ چاہیے اس بحرِ بے کراں کے لیے!

وہ اصول ہائے طریقت جو میں اس محفل میں عرض کرتا رہتا ہوں ان میں سے ایک اصول کو آج سمجھنے کی کوشش کیجیے کہ حضور نبی پاک ﷺ کی بارگاہِ اقدس سے جس ہستی نے سب سے زیادہ فیض اٹھایا وہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ ہیں جو اس سلسلے کے پیشوائے اعظم ہیں۔ آپ سے ایک دفعہ سوال کیا گیا، خود سرکار علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے سوال فرمایا کہ صدیق تمہیں کائنات میں سب سے زیادہ کون سی چیز پسند ہے؟ تو آپ نے فرمایا: **اَلنظرُ عَلیٰ وَجهِهٖ رَسُولِ اللّٰه** ﷺ کہ مجھے پوری کائنات میں سرکار کا چہرہ دیکھنا زیادہ عزیز ہے۔تو اس سے ہمارے بزرگوں نے، سلسلے نے ایک اصول وضع کیا ہے کہ باقی مشائخ تو فرماتے ہیں قلب کی طرف متوجہ رہو، ہم تمام مشائخ کے غلام ہیں یاد رکھیے ہم کسی سلسلے کے باغی نہیں ہیں۔سلسلہ نقشبندیہ شریف ہمارا ہے، قادریہ شریف ہمارا ہے، سہروردیہ شریف ہمارا ہے، چشتیہ شریف ہمارا ہے، شاذلیہ شریف ہمارا ہے، تمام سلاسل ہمارے ہیں۔ہم تمام اولیاء اللہ کے غلام ہیں بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ جب اولیاء اللہ کی محفلوں میں بیٹھو تو اپنے دل کی طرف متوجہ رہو اور دل کی طرف یا دیگر لطائف کی طرف انوارات کا آنا وصول کرو لیکن ہمارے سلسلے کی

ایک کلیدی چیز اور Basic Formula ہے، وہ یہ ہے کہ:

انظرُ علیٰ وَجھِہِ رسول اللہ ﷺ

کہ سرکار ﷺ کے چہرۂ مبارک کی طرف متوجہ رہنا۔ اور جو سالک آپ کو درس دے رہے ہیں جو آپ کے شیخ ہیں، آپ کے استاد، جو بزرگ آپ پر توجہ کر رہے ہیں ان کی طرف دیکھنا لہٰذا جب آپ کی طرف توجہ کی جائے تو متوجہ ہو کر دیکھیں اور انشاء اللہ العزیز آپ دیکھیں گے کہ انوارات آپ کی طرف آ رہے ہیں۔ یہ ہمارے سلسلۂ عالیہ کا ایک بڑا کلیدی اصول ہے جس کو سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ دوسری بات کہ ابھی آپ نے دیکھا نئے ساتھی تشریف لا رہے ہیں۔ ان کے ذہنوں میں سوال اٹھتے ہیں یہ کیا وجہ ہے کہ ہم توجہ کر رہے ہیں اور دیکھ بھی رہے ہیں اور ساتھ ساتھ ہم ہاتھوں کے اشارے بھی کر رہے ہیں؟ الحمدللہ جب مجھ پر یہ سوال کیا گیا تو قدرتی سی بات ہے کہ سوال اٹھتا ہے تو جواب یوں ملتا ہے جیسے لکھا ہوا کہیں پر موجود ہو اور دکھا دیا گیا ہو تو حضرت ابو ہریرہؓ کی وہ حدیث سامنے آ گئی۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی: یارسول اللہ فِدَائک اُمّیِ وَاَبیِ! میرا حافظہ کام نہیں کرتا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا چادر بچھاؤ۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں میں نے چادر بچھائی تو سرکارؐ نے اس طرح فضا میں ہاتھ یوں کیے اور یوں ڈالے پھر ایسے کیے، یوں ڈالے پھر ایسے کیے، یوں ڈالے، کہتے ہیں کہ سرکار ﷺ نے پتا نہیں اس چادر میں کیا ڈال دیا تھا کہ پھر میں ساری زندگی کوئی چیز بھولا ہی نہیں۔ تو یہ حدیث بتاتی ہے کہ سرکارؐ یوں ہاتھ بلند کرتے تو کچھ لاتے تھے اور ہمارے کشف والے ساتھی یہ بات جانتے ہیں کہ جب توجہ کرنے والا ساتھی اس طرح

ہاتھ کرتا ہے تو وہ ہاتھ خالی نہیں ہوتا۔

میرے مطالعے میں ایک بڑی اچھی کتاب آئی، الحمدللہ! اس کا نام ہے Psychic Discoveries Behind the Iron Curtain یعنی لوہے کے پردے کے پیچھے جو روحانی چیزیں پوشیدہ تھیں وہ ہم نے ظاہر کردی ہیں۔ان بے چاروں کو یہ نہیں پتا کہ یہ باتیں حضرت مجددؒ کے جھاڑو کش بھی جانتے ہیں۔اس میں ایک سروے کیا گیا کہ انسان کا جو aura ہے، aura، نسما، etherial body، جسمِ لطیف، جسمِ مثالی، astral body، ہمزاد، کئی نام ہیں اس کے۔انسان کی روح کا وہ حصہ جسے آپ روحِ سیلانی کہہ سکتے ہیں۔ sensitive کیمرے کے ذریعے جب اس کی تصویر کشی کی گئی ،اس کے photos لیے گئے پھر اس کا وزن بھی کیا گیا ۵۶ گرام، یعنی چھٹانک کے برابر ہے تقریباً۔انتہائی sensitive cameras کے ذریعے جو تصاویر لی گئیں ان میں سے ایک ہاتھ کی تصویر ہے، کئی ہاتھوں کی تصاویر ہیں، ان ہاتھوں کے اندر سے شعاعیں (rays) نکل رہی ہیں۔اس بات کو آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ انسانی ذہن سے ہر وقت، جب انسان شعوری حالت میں ہوتا ہے تو اس سے Beta rays نکلتی ہیں، میں پڑھے لکھے نوجوانوں کو دعوتِ فکر دے رہا ہو:B-rays، ان کا اپنا ایک اثر ہے لیکن جب ہم اپنے تحت الشعور کی طرف راجع ہوتے ہیں تو B-rays کی بجائے ہماری Alpha rays کام کرنا شروع کر دیتی ہیں۔ان کا رنگ سفید ہے اور جب کسی ساتھی پر جذب کی کیفیت طاری ہوتی ہے تو اس وقت صاحب کشف دیکھتے ہیں کہ A-rays زیادہ ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ایک صاحب نے کتاب لکھی ہے The Greatest Power in the Universe، میں جتنی

کتب کا حوالہ دے رہا ہوں میرے کتب خانے میں موجود ہیں ،کوئی بھی ساتھی references دیکھ سکتے ہیں، تسلی کر سکتے ہیں، اپنے لیے بھی اور دوسروں کے لیے بھی۔ یہ message ہے دوسرے ساتھیوں کے لیے۔ یہ کاروانِ رحمت آنے والے دوستوں کے لیے مینارۂ نور کی حیثیت رکھتا ہے۔ جو باتیں اور تحقیق عرض کر رہا ہوں یہ میرے برسوں کے مطالعے کا حاصل ہیں ان کو ضائع نہیں کرنا اور آنے والے دوستوں تک یہ پیغامات پہنچانے ہیں۔ بات کر رہا تھا The Greatest Power والے ساتھی کی کہ انسانی بدن سے جو شعاعیں نکلتی ہیں وہ کس طرح زیادہ ہو سکتی ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ ان شعاعوں کو زیادہ کرنا ہے تو اس کو vibrate کراؤ۔ Vibration کہتے ہیں ارتعاش کو۔ جس ساتھی پر جذب طاری ہوتا ہے تو اس کے بدن پر ارتعاش کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ vibration کی حالت میں Alpha rays پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہیں اور جتنی Alpha rays زیادہ ہوں گی اتنا کشف زیادہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ ان محفلوں میں بیٹھ کر لوگوں نے کعبہ شریف دیکھا ہے۔ اسی محفل میں ساتھی بیٹھے ہوئے ہیں ان سے پوچھیں ایک محفل میں آدھا حج، دوسری محفل میں پورا حج۔ یہ اس لیے ہوا کہ انسانی بدن کے اندر وہ نور موجود ہے جس کو انسان ایک خاص روحانی کیف سے بڑھا سکے تو وہ انسان کو بہت بلندیوں پر لے جاتا ہے۔

ذکر کرنے والے ساتھی یاد رکھیں کہ جب اسم ذات پاک کا ذکر ہو تو پہلے لطیفہ قلبی پر پھر روحی پر، پھر سری پر، پھر خفی پر، پھر اخفاء پر، پھر نفسی پر، پھر قالبی پر یعنی یاد رکھیں ایک ہے عوام کا ذکر، عوام سارا دن ذکر کرتے رہتے ہیں، چونکہ حضور داتا صاحب نے اپنی کتاب

کشف المحجوب میں ایک بڑی خوبصورت مثال دی ہے کہ بے علم فقیر کی مثال خرِ خراس کی سی ہے، خراس کہتے ہیں رہٹ والے کنوئیں کو اور خرِ خراس جو اس کنوئیں کے گرد گدھا پھرتا ہے۔ اس کی آنکھوں کے آگے پٹی بندھی ہوتی ہے اور وہ چلتا رہتا ہے سارا دن چلتا رہتا ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں ہزاروں میل کا فاصلہ طے کر آیا ہوں، اور بہت دور آ نکلا ہوں لیکن بیچارے کو پتا نہیں ہوتا کہ میں اسی مقام پر پھر رہا ہوں جہاں پہلے تھا۔ بے علم آدمی کی مثال جس کو علمِ طریقت نہ ہو، حضور داتا صاحبؒ نے خرِ خراس سے دی ہے۔ اس لیے ذکر عوام الناس اور چیز ہے اور سالکین کا ذکر اور چیز ہے۔ لہٰذا جب بھی آپ ذکر شروع کریں ایک منٹ قلبی پر کریں، ایک منٹ روحی پر کریں، ایک منٹ سرّی پر، ایک منٹ خفی پر، ایک منٹ اخفاء پر، ایک منٹ نفسی پر اور اس سے زیادہ ٹائم قالبی پر کریں۔ اب یہ اصطلاحات میں چونکہ بارہا محفل میں تشریح کر چکا ہوں اور اب ارادہ ہے کہ میں انشاء اللہ اس پر جب کتاب لکھوں گا تفصیلی تو ہمارے ساتھیوں کی یہ دشواری حل ہو جائے گی۔ جو نئے ساتھی آتے ہیں میری آرزو ہوتی ہے کہ میں ہر چیز ان کے لیے explain کر سکوں لیکن افسوس یہ ہے کہ time نہیں ہوتا تو وہ چیزیں انشاء اللہ العزیز کتابوں میں لکھی ہوئی ان کے سامنے ہوں گی۔

آج کی محفل کی دو کلیدی باتیں جن کی حیثیت چابی کی سی ہے ایک یہ کہ توجہ حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ **اَلنَّظرُ علیٰ وَجهِهٖ رُسول اللہ ﷺ**۔ باقی اکثر مشائخ فرماتے ہیں کہ قلب کی طرف متوجہ ہوں لیکن یاد رکھیں ہمارے مشائخ فرماتے ہیں کہ جو ساتھی توجہ کر رہے ہوں اس کی طرف دیکھیں نگاہوں سے فیض جلدی حاصل ہوتا ہے اور پھر نگاہوں سے آپ فیض کو قلب میں پہنچاتے رہیں، روح میں پہنچائیں، سرّ میں پہنچائیں،

خفی میں پہنچائیں، اخفاء میں پہنچائیں۔فیض لیتے جائیں ان لطائف میں جمع کرتے جائیں۔لطائف میں boxes ہیں، چھوٹے چھوٹے صندوق ہیں، آپ ان میں فیض کو جمع کرتے جائیں پھر آپ دیکھیں گے کہ نور کا کتنا بڑا سمندر آپ کے اندر سما چکا ہے۔

دوسری کلیدی بات جو میں نے عرض کی ، یہ ہے کہ محفل میں بعض اوقات کشفی کیفیات جو پیدا ہوتی ہیں تو جس ساتھی کی طرف سے جو بھی نور وصول ہو رہا ہو اس کو حاصل کر لیں اور دیکھیں کہ اس وقت محفل میں کس کیفیت کا غلبہ ہے مثلاً آپ دیکھتے ہیں کہ محفل میں سبز رنگ زیادہ آ گیا ہے، اب یہ باتیں عوام الناس کی تو نہیں ہیں نہ عوام الناس ان باتوں کو سمجھ سکتے ہیں لیکن آپ دیکھتے ہیں کہ ہمارے کشفی ساتھی ہیں ماشاء اللہ بڑے بڑے، میں نے ان سے سوال کیا کہ آج کون سا نور زیادہ تھا تو اشتیاق بھائی فرما رہے ہیں کہ آج آفتابی رنگ زیادہ تھا، آفتابی رنگ قالبی کا ہے یاد رکھیے! مثلاً اشتیاق بھائی ہیں تو ان ساتھیوں کی وجہ سے آج محفل پر بہت آفتابی رنگ کی کیفیت رہی تو جب کبھی کسی محفل میں کسی خاص لطیفے کے رنگ کی کیفیت آ جائے تو یاد رکھیں کہ اس وقت اس لطیفہ پر ذکر کریں اور فوری فوری اخذِ فیض کریں۔اللہ کریم جو کچھ میں نے عرض کیا ہے اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے، آپ کی حاضری کو بھی قبول فرمائے آمین۔الحمدللہ فقیر نے ایک سلسلہ شروع کیا ہے آپ دعا کریں کہ بہت جلد ہمارا ایک سنٹر بن جائے تو پھر میرا ارادہ ہے ملکی سطح کے علماء، سکالرز، Ph.Ds، Intellectuals کو مقالات لکھنے کی دعوت دوں گا انشاء اللہ العزیز اور اپنے عزیزوں میں سے ایک بہت بڑا کاروان تیار کرنے کا ارادہ ہے جو تصوف پر تحقیق کرے اور احیائے طریقت کی کوئی بنیاد رکھی جائے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

روح کی قوت اور ذکر و فکر

الحمدللہ العزیز الکریم کہ ہماری یہ محفل اللہ کے فضل سے آج بھی کچھ خصوصی انوارات کی حامل ہے۔ کچھ باتیں مشاہدے کی ہوتی ہیں اور کچھ زبان سے ادا کرنے کی ہوتی ہیں۔ مشاہدے والے ساتھی دیکھ لیتے ہیں کہ محفل میں کیا ہورہا ہے لیکن اصل بات یہ ہے کہ آپ اسرارِ ذکر کو سمجھیں اور جس طریقے سے ذکر دیا جائے اس طریقے سے ذکر کریں گے تو پھر وہ منکشفات، وہ کیفیات اور وہ حالات آئیں گے جو عام صورت میں نہیں آسکتے اس لیے جن دوستوں کو لطیفہ قلبی کا ذکر ملا ہے وہ قلبی پر توجہ مکمل مرتکز کریں۔ جن کو روحی کا ملا ہے وہ روحی پر مرتکز کریں۔ جن کو سرّی کا ملا ہے وہ سرّی پر، جن کو خفی کا ملا ہے وہ خفی پر۔ جن کو اخفاء کا ملا ہے وہ اخفاء پر...اور جن ساتھیوں کو مراقبات ملے ہوئے ہیں وہ ساتھی ساتھ ساتھ مراقبات کی طرف بھی متوجہ رہا کریں۔ لیکن آج ایک عزیر نے بڑا خوبصورت سوال کیا ہے کہ یہ مراقبہ کیا ہوتا ہے؟ چونکہ وہ ساتھی نو وارد ہیں اس لیے ان کی اس بات کا جواب اس لحاظ سے بھی بڑا مفید ہے کہ دوسرے دوستوں کو مراقبہ کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔

یہ یاد رکھیئے! کہ دینِ اسلام تفکر اور تدبّر یعنی غور و فکر کا اس قدر دیتا ہے کہ سرکار کی حدیثِ پاک کے مطابق ہزار سال کی بندگی سے ایک لمحے کا تفکر بہتر ہے۔ اس تفکر کا کہ جو ہزار سال کی بندگی سے بہتر ہے، نام مراقبہ ہے۔ تفکر کے لیے، تدبر کے لیے جو الفاظ آتے ہیں اسی معنیٰ میں لفظ مراقبہ بھی بزرگوں نے اور مشائخ نے استعمال کیا ہے۔

مراقبہ کا مادہ ہے رَقَبَ جس کا مطلب ہوتا ہے نگہبانی کرنا، حفاظت کرنا۔ اس

معنی میں مراقبہ کا مطلب ہے کہ اپنے اندر ایک ایسے خیال کو جا گزیں کر لینا، ایک ایسے خیال کو راسخ کر لینا کہ کوئی اور خیال اس کو disturb نہ کر سکے۔ دوسرے لفظوں میں کسی ایک خیال سے اس طرح وابستہ ہو جانا کہ باقی تمام خیالات کی رَو کا سلسلہ منقطع ہو جائے۔ یہ تو ایک عمومی سی بات ہے جو ہر کتاب میں آپ کو لکھی ہوئی نظر آئے گی لیکن میں جس چیز کی طرف آپ کو لے جانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ عبادت کا مقصد، ریاضت کا مقصد، اذکار کا مقصد، اشغال کا مقصد؛ یہ جو ہم لطائف کرتے ہیں نا یہ کیا ہیں؟ اشغال ہیں، ہم جو سلطان الاذکار کرتے ہیں یہ اشغال میں سے ہے۔ نقشبندیہ شریف کے اپنے اشغال ہیں۔ قادریہ شریف کے اپنے اشغال ہیں اور سہروردیہ شریف کے اپنے اشغال ہیں اور یہاں میں ضمناً ذکر ان مشائخ کا ضرور کروں گا جن کے نام کے ساتھ غوث اور قطب تو لکھا ہوتا ہے لیکن اشغالِ طریقت کی الف ب سے واقف نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان سے محفوظ رکھے۔ اس دور میں، میں ایسے سینکڑوں لوگوں سے ملا ہوں، نام نقشبندی رکھا ہوا ہے اور نقشبندیت کے نام و نشاں کا کچھ پتا نہیں۔ نام قادری رکھا ہوا ہے، سہروردی رکھا ہے، چشتی رکھا ہوا ہے لیکن آپ یقین مانیں جب اُن کے پردے اُٹھا کر دیکھا تو اندر خول ہی خول تھے۔

الحمدللہ الکریم کہ ہمارے پاس، ہمارے دوستوں اور ہمارے بزرگوں کے پاس چاروں سلاسل کے مکمل اشغال موجود ہیں اور اس محفل میں انتہائی اسباق کے ساتھی بھی موجود ہیں مثلاً ناظر صاحب ہیں اِن کو چشتیہ کا انتہائی درجے کا سبق میں نے دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو توفیق بخشے، نقشبندیہ شریف مکمل کر چکے ہیں اور چشتیہ شریف کے آخری اسباق کو چھو رہے ہیں۔ اب یہ جو ذکر و فکر ہے، یہ جو اشغالِ طریقت ہیں، اس کا مقصد کیا ہے؟ مقصد یہ

ہے کہ انسان کے بدن کا ذرہ ذرہ ذاکر ہو جائے۔ آپ دیکھتے ہیں، الحمدللہ اس محفل میں اتنے ساتھی موجود ہیں جن کے بدن کا ایک ایک ذرہ ذکر کرتا ہے۔ انسانی بدن cells سے بنا ہے آپ نے Science میں پڑھا ہوگا Cellular basis of life یعنی ہماری زندگی خلیے سے بنتی ہے۔ ہزاروں لاکھوں خلیے مل کر ایک بدن بناتے ہیں اور ہر خلیہ اپنے مقام پر ایک مستقل بدن ہے۔ ہمارے مشائخ، ہمارے بزرگ ہمیں جو طریقے بتاتے ہیں ذکر کے، اس کے ذریعے سے ہمارے بدن کا ہر خلیہ ذاکر ہو جاتا ہے۔ جب ہمارے بدن کا ہر خلیہ ذاکر ہو جاتا ہے تو آپ دیکھتے ہیں کہ بدن تڑپتا ہے، بدن پر ایک کپکپی طاری ہو جاتی ہے۔ کیا وجہ ہے کہ لوگوں کی محفلوں میں ایسا نہیں ہوتا اور ہماری محفل میں اتنا ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو انسان کنٹرول نہیں کر سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے بزرگوں کا ذکر سچا ہے، ہمارے ساتھی اخلاص سے، محبت سے ذکر کرتے ہیں۔ اب جبکہ ہم نے غور وفکر اور ذکر وفکر اور تدبر اور تفکر کا ایک شعار اور ایک عادت بنالی تو اس کا مقصد ہے اسلام کی ان حقیقتوں کو سمجھنا کہ جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے یا حدیثِ پاک میں۔ ہمارے مشائخ اور بزرگوں نے یہ کام کیا ہے کہ ہم ذکرِ لسانی کرتے ہیں، جس کو تہلیل لسانی کہتے ہیں اور ذکرِ لسانی کے بعد آپ پھر اشغال کرتے ہیں تو اشغال کے نتیجے میں بدن پر ایک خاص کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اس کیفیت میں ہم اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ، زیادہ سے زیادہ، زیادہ سے زیادہ پر سکون کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ پرسکون ہو جانے کا نام تفکر ہے اور یہی چیز مراقبہ ہے۔

انسان جس کے اندر اللہ رب العزت نے اپنی روح میں سے یعنی اپنی روح کے

وَنَفَخۡتُ فِيهِ مِن رُّوحِ فیض سے پھونکا یا وَ اللہ اَعلَم ۔اللہ کی ذات بہتر جانتی ہے
کے الفاظ ہیں کہ اپنی روح میں سے پھونکا، جب انسان کا رابطہ اس روح سے ہو جاتا ہے تو
انسان کو وہ قوتیں حاصل ہو جاتی ہیں جو ملائکہ سے بڑھ کر ہیں۔اب یہاں سے بڑی قیمتی
گفتگو کا آغاز ہو رہا ہے؛ روحِ انسانی میں یہ کمال موجود ہے کہ یہ جس چیز پر اپنی توجہ مرتکز کر
لے اس چیز کو لا کر سامنے کھڑا کر دیتی ہے۔کیا کہہ رہا ہوں، روحِ انسانی میں یہ کمال موجود
ہے کہ جس چیز کی طرف متوجہ ہو جائے یا وہاں پہنچ جاتی ہے یا وہ چیز یہاں آ جاتی ہے۔یہ اللہ
کریم کی بارگاہ سے ملے ہوئے اس تحفے کا نام ہے جس کو ہم روح کہتے ہیں۔جس کے
کمالات میں سے ایک کمال یہ ہے کہ جس جگہ پر مرتکز ہو جائے یا خود وہاں پہنچ جاتی ہے یا
اس جگہ کو یہاں لے آتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ جب ذکر اور اشغال آپ کرتے ہیں تو یا خود
مدینہ شریف چلے جاتے ہیں یا سرکار اُدھر کرم فرما دیتے ہیں۔تو کمالاتِ روح میں سے یہ
پہلا کمال ہے جس کا میں آپ کی خدمت میں ذکر کر رہا ہوں اور مزے کی بات کہ ہر شخص اس
چیز کو ہر روز مشاہدہ بھی کرتا ہے۔ابھی میں آپ کے سامنے جب مدینہ طیبہ شریف کا ذکر کر
رہا ہوں تو کیا آپ کے سامنے سبز گنبد نہیں آیا۔ابھی میں آپ کے سامنے فیصل مسجد کا ذکر کر
رہا ہوں تو عالمِ اسلام کی ایک خوبصورت مسجد سامنے نہیں آئی۔آئی۔کہاں آئی ہے ذہن کی
اس سکرین پر جو اللہ کریم نے ہمیں عطا کی ہے۔تو ذہن کی یہ سکرین جو چیزوں کی تصویریں
فوراً بنا لیتی ہے جب یہ زیادہ سے زیادہ صاف ہو جائے، جب یہ خوب، خوب، خوب پاک
ہو جائے تو پھر فاصلے مٹا دیتی ہے۔قربتیں بڑھ جاتی ہیں اور یا خود وہاں پہنچ جاتی ہیں یا وہ چیز
یا وہ جگہ یہاں آ جاتی ہے۔یہ ان کمالات میں سے پہلا کمال ہے جو اللہ کریم نے روحِ انسانی

کو عطا کیے ہیں، اس بات کو سمجھئے۔

پہلی بات جو میں نے بیان کی اس کو کہتے ہیں قوتِ تجسیم یعنی Visualization کی قوت۔ کسی چیز کا جسم بنالینا۔ یہ جو آپ کا تصورِ شیخ ہے ناں کہ میں نے اپنے شیخ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا؛ میں نے دیکھا، میرے شیخ سامنے کھڑے تھے، عبادت کر رہا تھا اور میری نگرانی فرمارہے تھے۔، میں چلتا ہوں، میرے شیخ میرے ساتھ ساتھ چلتے ہیں، یہ اس پہلی قوت کا سرچشمہ ہے۔ جب یہ بڑھتی ہے تو قوتِ سریان تک پہنچ جاتی ہے یعنی ایک بدن کو ہزاروں حصوں میں تقسیم کرلینا، یہ بڑی لمبی بحثیں ہیں۔ ایک ایک کرکے عرض کیا کروں گا۔

دوسری قوت ہے Time Travel وقت میں سفر کرنا: روحِ انسانی کے اندر جو دوسری قوت موجود ہے اس کا نام ہےTime Travel۔ ہماری روح اگر چاہے تو ہزاروں سال پیچھے چلی جائے۔ اگر چاہے تو ہزاروں سال آگے چلی جائے۔ جس طرح پیرِ روم فرماتے ہیں: جو ساٹھ سال میں ہونے والا ہے، اللہ کا بندہ ایک نگاہ میں دیکھ کر پتا کرلیتا ہے کہ یہ ہونے والا ہے۔

یہ دوسری صفت ہے انسانی روح کی کہ ماضی میں سفر کرتی ہے اور مستقبل میں سفر کرسکتی ہے۔ انسان ماضی کے دھندلکوں میں جھانک سکتا ہے اور مستقبل کے آئینوں میں دیکھ سکتا ہے۔ تو جب ہم اشغال یعنی ذکر وفکر کرتے ہیں تو پہلی قوت یعنی قوتِ تجسیم، وہ بھی بیدار ہوتی ہے اور پھر دوسری قوت یعنی سفر در وقت بھی بیدار ہوتی ہے اور بعض لوگوں نے اسے بیدار کرکے سرکارؐ کا زمانہ دیکھا ہے۔ میرے ایک استاد نے اسی قوت کو استعمال کر

کے جب محمد بن قاسم یہاں تشریف لائے تھے ۷۱۲ء میں اس وقت، ان کے ساتھ جو مجاہد آئے تھے ان کے انٹرویو لیے ہیں۔

روحِ انسانی کی ایک تیسری قوت بھی ہے جس کو آپ قوتِ رابطہ کہہ لیں مثلاً میں یہاں بیٹھا ہوا ہوں میرے شیخ اس وقت افغانستان میں ہیں تو میں یہاں سے چاہوں تو ان سے رابطہ قائم کرکے پیغام وصول کرلوں۔ ہم یہاں بیٹھے ہیں، ہمارے سرکارؐ مدینہ طیبہ شریف میں آرام فرما ہیں تو ہم یہاں سے سرکار کی ذاتِ اقدس سے رابطہ کرکے عرض کریں یا رسولؐ اللہ! فلاں مسئلے میں کیا حکم ہے؟ اس قوت کی مدد سے انسان مسافتوں کو چشم زدن میں عبور کر کے ہزار ہا میل کے فاصلے پہ، اپنے منبر پہ بیٹھے ہوئے کہہ سکتا ہے، ''یا ساریۃ الجبل''۔ Modern Sciences نے اسے Telepathy کا نام دیا ہے لیکن بے چاروں کو پتا کچھ نہیں اس لیے کہ یہ قوت حاصل کرنے کے لیے سب سے پہلے پاک اور صاف ہونا ضروری ہے اور دلچسپ بات ہے کہ Telepathy کے ادارے کھولنے والوں کو بھی اتفاق سے طہارت کرنا بھی نصیب نہیں ہوتی۔ اشتہار لکھا ہوتا ہے ''ٹیلی پیتھی سیکھئے''۔ ان اشتہار بازوں سے بچیئے، ان کے پاس کچھ بھی نہیں ہے! یہ قوت صرف اور صرف اولیائے کرام کے پاس ہے۔

روحِ انسانی کی چوتھی قوت: قوتِ شفا بخشی ہے۔ جب انسان غور وفکر، تدبر و تفکر کے ساتھ اپنے اشغال بھی کرتا ہے تو پھر اس کے اندر قوتِ شفا بخشی بیدار ہوتی ہے۔ کسی کو مرض ہوا، ہاتھ رکھا تو شفا دے دی۔ پھونک ماری تو شفا دے دی۔ ہمارے انبیاء کے معجزے بھی اس بات کو ثابت کررہے ہیں اور ہمارے اولیاء کی کرامتیں بھی اس کو ثابت کررہی ہیں

اور روزانہ کے معمولات میں ، ہمارے بے شمار بزرگ ہیں جو اس قوت کا مظاہرہ کرتے رہتے ہیں۔

گویا ہم نے آج کی اس گفتگو میں روحِ انسانی کی چار قوتوں کا تذکرہ کیا ہے۔ ویسے میری جو ذاتی تحقیق ہے اس کے مطابق میں نے روح کی اکتالیس قوتیں trace کی ہیں۔ جن میں سے آپ کو صرف چار بتا رہا ہوں کیونکہ اگر میں وہ ساری discuss کرنا شروع کر دوں تو آپ حیران رہ جائیں کہ یا اللہ ہم کیا چیز ہیں۔ بہر حال وقت کے ساتھ ساتھ انشاء اللہ وہ گفتگو ہوگی۔

یہ چار صفتیں بیدار کیسے ہوتی ہیں۔ پہلے ذکر سے، ذکرِ لسانی سے لیکن ہمارے ہاں ذکرِ خفی کو ترجیح حاصل ہے۔ تو ذکرِ خفی کے ساتھ ذکرِ لسانی اور پھر اس کے ساتھ سلطان الاذکار سے، بدن کا ذرہ ذرہ، خلیہ خلیہ ذاکر ہو جائے پھر اس کے بعد جب انسان مراقبہ کرتا ہے تو یہ چاروں کی چاروں صفتیں پھر بیدار ہوتی ہیں۔ گویا یوں کہہ لیں پہلے ذکر۔ ذکرِ خفی، ذکرِ لسانی، اس کے بعد سلطان الاذکار، پورے بدن کو ذاکر بنانا اور پھر تیسری stage پر مراقبہ اور مراقبے کے نتیجے میں جب ساری صفتیں بیدار ہو جائیں تو پھر کیا ہوتا ہے۔ ہم نے اللہ رب العزت کا نام سنا ہے، اس کی تجلیات کو نہیں دیکھا جب انسان سلطان الاذکار کر کے مراقبے کرتا ہے تو مراقبے میں انسان اللہ کی تجلیات کا مشاہدہ کرتا ہے۔ ہم نے فرشتوں کا نام سنا ہے فرشتوں کو دیکھا نہیں لیکن جب انسان مراقبہ کرتا ہے تو مراقبے میں فرشتوں سے ملاقات ہوتی ہے۔ میرے پیر و مرشد فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دن سجدے میں سر رکھا، تین تسبیحات عالم ظاہر میں پڑھیں اور فرشتوں میں دو ہفتے گزار آیا۔ یہ وہ چیز ہے جو آپ کو مراقبے میں حاصل

ہوتی ہے۔ انبیائے کرام کو ہم نے دیکھا نہیں مثلاً جب میں کہتا ہوں پہلا لطیفہ قلب زیرِ قدم حضرت آدم علیہ السلام تو آپ نے حضرت آدمؑ کو دیکھا تو نہیں لیکن جس کا لطیفہ قلب جاری ہو جائے وہ حضرت آدم علیہ السلام سے ملے گا۔ میں نے الحمدللہ! لطیفۂ قلب کے دوران حضرت آدمؑ کو دیکھا ہے اور آپ یقین کریں کہ اتنی دلکش صورت کہ میرے پاس وہ الفاظ نہیں ہیں باوجود اس کے کہ میں ادب کا طالبعلم ہوں لیکن میرے پاس وہ الفاظ نہیں ہیں کہ میں اس گندم گوں رنگ کے حسن کو بیان کرسکوں۔

الحمدللہ العزیز الکریم! کہ جتنے انبیائے کرام کے لطائف میں نام آتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام، ہاں حضرت نوح علیہ السلام کی زیارت مجھے یاد نہیں آرہا کہ کبھی ہوئی ہے لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور اپنے سرکار علیہ الصلوٰۃ السلام کی تو خیر بات ہی کیا ہے۔ الکریم، ابن الکریم، ابن الکریم، ابن الکریم، حضور ﷺ کی تو خیر بات ہی کیا ہے! حضورؐ تو سراپا کرم ہی کرم ہیں، رحمت ہی رحمت ہیں، وفا ہی وفا ہیں، شفقت ہی شفقت ہیں، حضورؐ کی تو بات ہی کیا! لیکن باقی انبیاءِ کرام کی میں عرض کررہا ہوں کہ انہوں نے بھی مشرف فرمایا ہے۔ جو ساتھی ان لطائف پر محنت کریں گے؛ اللہ رب العزت ان کو اس شرف سے نوازیں گے۔ یہ شرف امتِ محمدؐیہ کو حاصل ہے۔ ہمارے حضورؐ کے ہر امتی کو حاصل ہے کہ جس نبی سے چاہیں رابطہ کر سکتے ہیں۔ جس کیفیت کو چاہیں دیکھ سکتے ہیں۔ ایک ساتھی کو جس دن میں نے سرّی کا سبق دیا، تیسرا سبق جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہے تو جا کر گھر سوئے تو خواب میں ایک قبر دیکھتے ہیں۔ قبر کھلی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام باہر تشریف لائے کچھ نصیحتیں کیں دوبارہ قبر میں تشریف

لے گئے اور قبر بند ہوگئی۔ آپ میں سے اکثر ساتھی ایسے ہیں جن پر یہ کیفیات گزری ہیں۔ اللہ رب العزت کے انوارات، صفات، فرشتے، جنت و دوزخ، رسالت کے انوارات، تقدیر اور قرآن کے انوارات اس وقت مشاہدے میں آتے ہیں جب انسان کو مراقبے کے اندر وہ کمال حاصل ہو جائے کہ جو اصل مقصود ہے ہمارا۔ یاد رکھیئے! مراقبہ تصرف کی انتہائی اہم اور Important stage ہے لہٰذا جن ساتھیوں کو میں مراقبہ تعلیم کرتا ہوں مراقبے میں کم از کم پندرہ منٹ ضرور بیٹھنا ہے اور زیادہ جتنا ہو سکے اور اس کی آئیڈیل جو stage ہے، وہ ہے تین گھنٹے۔ دو گھنٹے سے لے کر تین گھنٹے تک۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں میں نے مراقبہ ایک بلی سے سیکھا جو ایک چوہے کے تعاقب میں، جو ایک بل سے نکلنے والا تھا، بیٹھی ہوئی تھی اور آہستہ آہستہ اس کی طرف تاک لگائے بیٹھی تھی کہ جوں ہی نکلے گا میں اس کو دبوچ لوں گی۔ آپ جانتے ہیں کہ بلی ویسے بھی کتنی دبے پاؤں چلتی ہے اور عین اس وقت جبکہ چوہے کے شکار میں ہو۔

اگر میرے دور میں حضرت جنیدؒ ہوتے تو خدا کی قسم میں ان کی بارگاہ میں حاضر ہو جاتا اور عرض کرتا حضور! آپ کی statement پر میں قربان جاؤں، آپ ہمارے بزرگ ہیں لیکن آقا کی یہ حدیث بھی تو ہے؛ اب اس کا مطلب ہرگز، ہرگز حضرت جنید بغدادیؒ کی ذات اقدس پر اعتراض نہیں ہے؛ شائد آپ کی توجہ اس طرف نہ گئی ہو لیکن میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ ہمیں مراقبہ اس طرح کرنا چاہیئے کہ سرکارؐ کی محفل میں صحابہؓ اس طرح بیٹھے ہوتے تھے کہ جس طرح ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں ذرا سر ہلایا تو اڑ جائیں گے۔ تو آپ نے تصور یہ رکھنا ہے کہ ہم سرکار کی محفل میں بیٹھے ہیں، ہمارے تمام مشائخ تشریف

فرما ہیں، سرکارؐ کے تمام ملازم صحابہؓ تشریف فرما ہیں اور ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں، ذرا سر ہلایا تو اڑ جائیں گے۔ یہ اصل مراقبہ ہے! آپ نے جو مراقبہ کرنا ہے اس کیفیت کے ساتھ کرنا ہے۔

میرا خیال ہے آج کی یہ گفتگو سبقاً یعنی بہ اعتبار سبق بہت معنی خیز بھی ہے اور آپ کے لیے اس میں بہت سی قیمتی باتیں بھی ہیں۔ یہاں اس محفل میں جو کچھ آپ ملاحظہ کرتے ہیں یہ باقی عوام الناس کی محفلوں سے بہت ہٹ کر ہے اور اہلِ محبت کو اللہ کریم مشاہدہ بھی کراتے ہیں۔

وما علینا الا البلاغ المبین

روحانیت کی ابجد

ہر محفل میں، میں پہلے تمہیداً عرض کرتا ہوں کہ اس محفل میں آنے والا ہر دوست اپنے آپ کو بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ میں بیٹھا ہوا تصور کرے۔ ہم سب اپنی زندگی کا سارا سلسلہ مدینہ طیبہ شریف سے وابستہ رکھتے ہیں، اس کے لیے میں نے آپ کو اپنے دوست کا ایک بڑا خوبصورت شعر بطورِ ضابطہ، بطورِ قانون عرض کیا ہوا ہے کہ

زندگی کا ہر اک ہے سلسلہ مدینے سے
دھڑکنوں کا سانسوں کا رابطہ مدینے سے

ایک چیز جو ہر سالک کے لیے جاننا بہت ضروری ہے وہ یہ ہے کہ تصوف کا سلسلہ وہاں سے شروع ہوتا ہے جہاں اہلِ دنیا کی سوچ کی حدیں ختم ہو جاتی ہیں، وہاں سے اہلِ صفا اپنے سفر کا آغاز کرتے ہیں۔ روحانیت کی الف، ب کیا ہے؟ آج میں آپ کو یہ سمجھانے لگا ہوں۔ انسان اگر چاہے کہ

حج کعبہ کا بھی ہو، گنگا کا ہو اشنان بھی
تا کہ اللہ رہے خوش، راضی رہے شیطان بھی

تو پھر اس کو تصوف کی اس حریم کی طرف، اس مقدس عمارت کی طرف منہ ہی نہیں کرنا چاہیے لہٰذا اس سفر کا آغاز ہوتا ہے خالص اللہ کی طرف ہو جانے سے۔ اب اللہ کے متعلق سوچنا اور اللہ کے محبوب ﷺ کے بارے میں سوچنا اور اللہ کے محبوبؑ کے دیگر ساتھیوں جنہیں ہم انبیاء اور مرسلین کہتے ہیں ان کے بارے میں سوچنا، صحابہ، صحابیات،

تابعین اور تبع تابعین، آئمہ، فقہا اور اولیاء کے بارے میں سوچنا، یہ ساری سوچیں ایسی ہیں کہ جن سوچوں میں کہیں بھی کوئی کجی نہیں، جن میں کوئی نقص نہیں، جن میں کوئی کمی نہیں اور جن میں کوئی نقصان نہیں۔ گویا یوں کہنا چاہیے کہ دین کی سوچ ہی وہاں سے شروع ہوتی ہے جہاں سے اس بات کی حدیں شروع ہوتی ہیں۔ دین ایک حدِ فاصل قائم کرتا ہے۔ ایک لائن کھینچتا ہے مثبت دنیا اور منفی دنیا کے درمیان۔ اگر ہم دنیا کی ایک عمومی تقسیم کریں تو دو قسم کی چیزیں ہمارے سامنے آتی ہیں۔ اچھی چیزیں اور بری چیزیں۔ روشنی والی دنیا اور تاریکی والی دنیا۔ یہ ایک حدِ فاصل کھینچتی ہے درمیان میں، جس کو ہم بیعت کہتے ہیں۔ جب بیعت ہو جاتی ہے تو انسان کا منہ روشنیوں والی دنیا کی طرف ہو جاتا ہے۔ جب بیعت ہو جاتی ہے تو انسان کا قبلہ درست ہو جاتا ہے اور انسان اجالوں کی طرف سفر شروع کر دیتا ہے۔

اب یہاں پر ایک بڑی عجیب و غریب سوچ جو اس سے پہلے ممکن ہے آپ نے سوچی تو ضرور ہو گی یقیناً سوچی ہو گی لیکن شاید اس طرح سوچنے کا موقع نہ ملا ہو کہ انسان جو کچھ سوچتا ہے وہ اس کی تقدیر ہے۔ کیا کہہ رہا ہوں کہ انسان جو سوچتا ہے وہی اس کی تقدیر ہے! اور یہ میں اپنی طرف سے نہیں حدیثِ قدسی کا حوالہ دے کر کہہ رہا ہوں۔ سرکار ﷺ فرماتے ہیں: **اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِہٖ** ۔ اللہ پاک کا ارشادِ گرامی ہے کہ میں انسان کے ساتھ اس کے خیال کے مطابق سلوک کرتا ہوں۔ اب میں نے آپ کو بتایا تھا کہ انسانی ذہن کے اندر ایک قوت، قوتِ تجسیم ہے۔ انسان کی روح کی قوتوں میں سے ایک قوت، قوتِ تجسیم ہے یعنی خیالوں کو اس طرح پابند کر لینا کہ خیال انسان کے سامنے متشکل ہو جائے اور متشکل ہونے کے بعد یا انسان اس چیز کے پاس جا پہنچے یا وہ چیز انسان کے پاس آ جائے، جس کے

بارے میں انسان سوچ رہا ہے۔اب اس پہلے مرحلے پر پہنچ کر ،تصوف سے آپ کے ایک دو نہیں سینکڑوں مسائل حل ہوں گے انشاء اللہ!اب آپ نے جو سوچا وہی کیا کیونکہ جو سوچا جاتا ہے وہی کیا جاتا ہے۔گویا سوچنے اور عمل کرنے کے درمیان جو قوت استعمال ہو رہی ہے وہ قوتِ تجسیم ہی ہے۔یہی وجہ ہے کہ جس کا عقیدہ درست اس کا عمل درست!سوچنا بمعنی عقیدہ اور عمل بمعنی معاملاتِ دینی تو جو کچھ سوچا وہی عمل کیا،یہی وجہ ہے کہ عقیدے کی value عمل سے زیادہ ہے۔اگر کوئی شخص عمل ٹھیک رکھتا ہو لیکن عقیدہ خراب ہو جہنمی ہے لیکن اگر عقیدہ ٹھیک ہے عمل خراب ہے،سزا بھگت کے جنت میں ضرور چلا جائے گا۔

اگر کوئی شخص دین کی باتیں کرتا نظر آئے تو یہ یاد رکھیں اور سب سے پہلا سوال اس سے یہ کریں کہ میاں!عقیدہ کہاں کا رکھتے ہو؟کہیں اس کی بالکل سرے سے نکلی ہوئی مونچھیں دیکھ کر یا داڑھی کا سائز دیکھ کر یا جبہ ودستار دیکھ کر یا لوٹے کی لمبی ٹونٹی دیکھ کر یا بستر کا وزن دیکھ کر یہ نہ سوچ لینا کہ یہ جنت کے department کا آدمی ہے ہرگز نہیں!سب سے پہلی بات جو پوچھی جائے گی وہ یہ ہے **ما کنت تقول فی حق هذه الرجل** کہ تم ہمارے سرکار کے بارے میں کیا کہتے رہے ہو؟

جس شخص کا عقیدہ درست نہ ہو اس کا عمل درست نہیں ہوتا!اب عقیدہ درست سے مراد ہے سوچ درست اور سوچ درست ہونے سے کیا مراد ہے؟اب ہمیں یہ سوچنا ہے کیونکہ مراقبے کے اندر ہم اپنی سوچ کا محاسبہ کرتے ہیں اور یہ سوچ درست کون سی ہوتی ہے؟درست سوچ یہ ہے کہ انسان نے دیکھا کہ اپنی اس زندگی میں کچھ چیزیں ضرر رساں ہیں اور کچھ چیزیں فائدہ پہنچانے والی ہوتی ہیں مثلاً روشنی فائدہ پہنچانے والی چیز ہے اور تاریکی نقصان پہنچانے والی

چیز۔ صحت فائدہ پہنچانے والی چیز ہے اور بیماری نقصان والی چیز ہے۔ اسی طریقے سے محبت فائدہ پہنچانے والی چیز ہے اور نفرت نقصان پہنچانے والی چیز ہے۔ اسی طریقے سے دوستی فائدہ پہنچانے والی چیز ہے اور دشمنی ضرر پہنچانے والی، سخاوت فائدہ پہنچانے والی چیز ہے اور بخل ضرر پہنچانے والی چیز ہے۔ ایک لسٹ بنالیں، یوں کہہ لیں کہ جب آپ کی لسٹ بن گئی تو اب آپ نے آج کے بعد ہمیشہ ان چیزوں کے بارے میں سوچنا ہے جو فائدہ پہنچانے والی ہیں کیونکہ نبیوں نے جب سوچا تو محبت کے بارے میں سوچا۔ نبیوں نے جب سوچا تو نور کے بارے میں سوچا۔ نبیوں نے جب سوچا تو شکر کے بارے میں سوچا۔ نبیوں نے جب سوچا تو صبر کے بارے میں سوچا۔ نبیوں نے جب سوچا تو صحتِ جسمانی و روحانی کے بارے میں سوچا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ سارے انبیائے کرام کی دعائیں دیکھ لیں ان دعاؤں میں اثبات ہی اثبات ہے! لہٰذا جب ایک شخص صحت کے بارے میں سوچتا ہے تو اس کے ذہن کے اندر بننے والی تصویر ایک صحت مند انسان کی ہوتی ہے۔ جب انسان محبت کے بارے میں سوچتا ہے تو اس کے ذہن کی دنیا میں جو نقشہ بنتا ہے وہ محبت کا نقشہ ہے۔ جب انسان ادب کے بارے میں سوچتا ہے تو انسان کے ذہن کی دنیا میں جو نقشہ بنتا ہے وہ ادب کی دنیا کا ہے۔ جب انسان صبر کے بارے میں سوچتا ہے تو اس کو حضرت ایوبؑ یاد آجاتے ہیں، جب انسان شکر کے بارے میں سوچتا ہے تو اس کو حضرت سلیمانؑ یاد آتے ہیں، جب انسان عطاء کے بارے میں سوچتا ہے تو اس کو ہمارے حضور ﷺ یاد آجاتے ہیں بلکہ انسان جب کائنات کی ہر خوبی کے بارے میں سوچتا ہے تو اس کو ہمارے حضور ﷺ یاد آتے ہیں، الکریم، ابن الکریم، ابن الکریم۔ دنیا کی ہر خوبی کے بارے میں سوچے گا تو حضور ﷺ یاد آئیں گے، عطاء میں حضورؐ یاد آئیں گے، سخاء میں حضورؐ یاد آئیں

گے، کرم میں حضورؐ یاد آئیں گے، شفقت میں حضورؐ یاد آئیں گے۔ ہر ایک چیز نبیؐ کی ذات پر جا پہنچے گی۔ آج کے بعد دوستوں نے وہ لسٹ مرتب کرنی ہے جو منفی دنیا کی ہے اور اس پر لکیر کھینچ دینی ہے کہ میں وہ سوچوں گا جو میرے حضور ﷺ نے سوچا تھا کہ میں وہ سوچوں گا جو میرے محبوب اولیائے کرام سوچا کرتے تھے۔ ولی جب سوچے گا محبت کے بارے میں سوچے گا۔

یاد رکھیں پہلے پانچ امراض کی اصلاح پہلے پانچ لطائف میں ہوتی ہے۔ لطائف سے میری مراد آپ جانتے ہیں۔ قلبی، روحی، سرّی، خفی اور اخفاء۔ ان پانچ لطائف میں پانچ ایسی سوچوں کی اصلاح ہوتی ہے جو انتہائی منفی ہیں مثلاً جب انسان کا قلب جاری ہو، اللہ کریم اسے حیات عطاء کر دے، قلب کو زندگی عطاء کر دے تو اس کو قوتِ شہوانیہ و نفسانیہ سے نجات مل جائے گی۔ جب اس کا لطیفۂ روحی جاری ہوگا تو اس کو نجات ملے گی غیظ وغضب سے، غصے سے اور بے جا نفرت سے! لوگ کہتے ہیں ناں کہ یہ لطائف کیا کرتے ہیں؟ تو میں یہ عرض کر رہا ہوں، کاش کسی کے لطائف زندہ ہو جائیں۔ جب آپ تیسرے مقام پر، لطیفۂ سری پر پہنچیں گے تو آپ کو حرصِ دنیا سے نجات مل جائے گی۔ جب آپ چوتھے لطیفے پر پہنچیں گے تو آپ کو حسد سے نجات مل جائے گی اور پانچویں لطیفے پر پہنچیں گے تو تکبر سے نجات مل جائے گی۔

اب دیکھیں کہ یہی پانچ امراض ایسے ہیں جن میں دنیا مبتلا ہے قوتِ شہوانیہ و نفسانیہ کو دیکھیں آپ تو حیران ہوتا ہے انسان کہ پوری دنیا اس کی لپیٹ میں اس طرح آئی ہوئی ہے جس طرح آگ کے شعلوں میں کوئی لپٹا ہوا ہو اور جس ساتھی کا یہ مسئلہ ہو اس کو چاہیے کہ لطیفۂ قلبی پر محنت کرے۔ جس دوست کو غصہ زیادہ آتا ہو لڑائیاں جھگڑے، مار کٹائی، جذباتی approach، اس کے لیے ضروری ہے کہ لطیفۂ روحی پر زیادہ محنت

کرے۔ آپ جس دوست کو دیکھیں؛ آپ سالک ہیں سارے دوستوں میں آپ دیکھتے ہیں کہ اصلاح کی ضرورت ہوتی ہے، جس دوست میں جو خامی ہو اسے بتائیں کہ میاں! آپ فلاں لطیفے پر محنت کریں۔ اس کے بعد لطیفہ سِری آتا ہے جب آپ دیکھیں کہ کسی میں حرصِ دنیا زیادہ ہے اور وہ دنیا کی خاطر دوڑ دوڑ کر دنیا کو کھانے کی کوشش کر رہا ہے، ہر چیز کو ہضم کرنے کی کوشش کر رہا ہے تو آپ اسے کہیں کہ وہ لطیفہ سری پر محنت کرے اور جب دیکھیں کہ کسی کا دل بڑا تنگ ہے کسی دوسرے کو دیکھ کر خوش نہیں ہو سکتا اور بے چارہ ہر وقت یہی کہتا ہے کہ میں ہی ہوں اور میرے علاوہ کوئی نہ ہو تو وہ بدترین حسد کا شکار ہے۔ اسے کہیں کہ تم لطیفہ خفی پر محنت کرو تاکہ دل کے اندر سے حسد کا غبار نکل جائے کیونکہ قرآنِ عظیم کی آیت کا ترجمہ ہے کہ آپس کے درمیان فضل کو نہ بھولو۔ اس کا مطلب کیا ہے کہ جو رب ان کو عظیم بنا سکتا ہے وہ اُن کو بھی بنا سکتا ہے جو رب ان پہ کرم کر سکتا ہے وہ اُن پہ بھی کر سکتا ہے۔ خدا کی رحمتوں کو محدود نہ سمجھو۔ حاسد کا سب سے بڑا دکھ یہ ہے کہ وہ خداوند کریم کی رحمت کو محدود سمجھ بیٹھتا ہے۔ وہ بدبخت یہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ خداوند کریم صرف مجھے ہی بڑا بنا سکتا ہے وہ یہ نہیں سمجھتا کہ خداوند کریم چاہے تو سب کو کہاں سے کہاں پہنچا دے!

ہر سال بہار میں کتنے پھولوں کا قتلِ عام ہوتا ہے مگر کبھی یہ دیکھا ہے کہ دوسری بہار میں پھول نہ کھلے ہوں۔ قدرت کا یہ قانون ہے کہ جب ایک جگہ کوئی چیز ہوتی ہے تو اللہ کریم اس کی جگہ یا وہ چیز لاتے ہیں یا اس سے بہتر لاتے ہیں لہٰذا حسد کا علاج اس میں ہے کہ انسان یہ سوچے کہ میرے مولا تیرا فضل بہت بڑا ہے، میرے مولا تیرا کرم بہت بڑا ہے، تیری رحمت بہت بڑی ہے تو چاہے تو سب کو جو چاہے عطا کر سکتا ہے۔ اس لیے انسان اگر

ان امراض میں خود کو یا کسی اور کو مبتلا دیکھے تو ان لطائف پر محنت کرے۔ جب تکبر میں کوئی مبتلا ہو تو اس کو کہیں اخفاء پر محنت کرے کیونکہ اخفاء تکبر کی اصلاح کرتا ہے اور سرکار ﷺ فرماتے ہیں کہ انسان کسی عمل سے شیطان کے برابر نہیں ہوتا لیکن تکبر ایک ایسی چیز ہے جو انسان کو شیطان کے برابر کر دیتی ہے۔ حسد اور تکبر کی boundaries ملتی ہیں۔ جس طرح اسرائیل اور امریکہ کا ذہن ملتا ہے اور ہندوؤں کی ذہنیت ملتی ہے یہ سارے ایک ہی department کے لوگ ہیں۔ اسی طرح حسد ابتداء ہے اور تکبر اس کا بھائی ہے، دونوں کا قلع قمع کرنا ہے۔ قوتِ شہوانیہ کا علاج قلب پر خوب محنت سے کریں۔ غیظ و غضب کا علاج صبر سے کریں۔ حرصِ دنیا کا علاج قناعت سے کریں۔ حسد کا علاج تصورِ رحمت سے کریں اور تکبر کا علاج عاجزی سے کریں کیونکہ سرکار علیہ الصلوٰۃ السلام فرماتے ہیں کہ یا اللہ! میں مسکین ہوں مجھے مسکین بنا، مجھے مسکین رکھ اور مجھے مسکینوں ہی کے ساتھ اٹھا۔ اگر ہمارے حضورؐ اپنے آپ کو مسکین فرما رہے ہیں تو میرا خیال ہے دنیا میں کوئی ایسا نہیں جو یہ دعویٰ کر سکے کہ میں بڑا ہوں۔

اس ساری گفتگو کا مطلب یہ ہے کہ ان لطائف کے ساتھ آپ نے منفی سوچوں کو repel کرنا ہے، دور کرنا ہے اور مثبت سوچوں کو ان کی جگہ دینی ہے۔ جوں جوں لطائف پر آپ محنت کرتے چلے جائیں گے مثبت دنیا کھلتی چلی جائے گی اور منفی دنیا کی تاریکیاں چھٹتی چلی جائیں گی اور عالمِ کشف میں دوستوں نے دیکھا ہے، مشاہدے ہوتے رہتے ہیں کہ ہر چیز کا ایک حجاب ہے جب آپ روحانیت کی دنیا میں سفر کرتے ہیں تو آپ دیکھتے ہیں کہ ہر چیز کا ایک حجاب ہے اور جب انسان وہ مرض دور کر لے، اللہ کا کرم ہو جائے اور وہ مرض دور

ہوجائے تو وہ حجاب چھٹ جاتا ہے اور انسان کی روح صعود حاصل کرتی ہے۔ ص، ع، و، د۔ صعود کا لفظ اس لیے استعمال کر رہا ہوں کہ یہ عام استعمال ہونے والا لفظ ہے تصوف کی دنیا میں۔ صعود کہتے ہیں اُوپر جانے کو، صعود یا عروج۔ اس کے بعد دوسرا لفظ ہے نزول۔ اُوپر جانا بھی ضروری ہے پھر نیچے آنا بھی ضروری ہے۔ ہمارے سلسلے میں کمال یہ ہے کہ ہمارے اولیائے کرام یہاں سے لے کر سدرۃ المنتہیٰ تک جاتے ہیں اور وہ چیزیں جو قرآن وحدیث میں بیان ہوئی ہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آتے ہیں لیکن اگر یہ پردے درمیان میں حائل ہوں گے تو پھر اوپر نہیں جاسکتے اور پرواز رُک جاتی ہے۔ اس وقت بہت سارے دوستوں کو مشاہدے ہو چکے ہیں۔ ہمارے بہت قیمتی ساتھی اس محفل میں تشریف فرما ہیں۔ تین چار ساتھی ایسے بیٹھے ہوئے ہیں جن کو سدرۃ المنتہیٰ دیکھنا نصیب ہوا ہے۔ لوگوں نے تو صرف وہ شعر سنا ہوا ہے ناں

اگر یک سرِ موئے برتر پرم
فروغ تجلیٰ بسوزد پرم

لیکن ہمارے حضورؐ کا ہر غلام وہاں جاسکتا ہے لیکن شرط ہے نسبتِ نبی پاک ﷺ کی۔ تو آج کے بعد مثبت سوچوں کا جو انداز ہے اس کی طرف متوجہ رہنا ہے۔ اگر کوئی شخص منفی سوچوں میں مبتلا ہے تو آپ اس کو فوراً کہیں میاں! تصوف کی ابجد یہ ہے، تصوف کی الف ب یہ ہے کہ منفی سوچوں کو دور کرنا ہے۔ جب منفی سوچیں دور ہوں گی تو ان کی جگہ خود بخود مثبت سوچیں آئیں گی۔ مثبت سوچیں شروع ہوئیں کہ تصوف کا آغاز ہو گیا۔ مثبت سوچیں شروع ہوئیں کہ پاکیزگی کی دنیا کی طرف دروازہ کھل گیا اور عظمتوں کا سفر شروع ہو گیا۔ آج کے بعد

آپ نے محبت، اخوت، عقیدت، ادب، صبر، شکر، صحت، حسن اور خدمت ان ساری چیزوں کے حوالے سے سوچنا ہے۔ یعنی ایک ایسا معاشرہ جس میں ہمارے حضور ﷺ کے صحابہؓ کرام کی جھلک ہو۔ ہمارے حضور ﷺ کے صحابہ کرام کی جو خوبیاں تھیں مثلاً ایثار، کتنی بڑی بات ہے کہ ایک بکری کی کھوپڑی آئی اور پھرتی پھرتی انہی کے پاس واپس آ گئی جن کے پاس اصل میں آئی تھی، اتنا ایثار! پھر اسلام کے لیے جذبۂ جہاد پیدا کرنا سب سے بڑی مثبت سوچ ہے۔ پھر غرباء، مساکین، یتامیٰ اور ایسے لوگوں کے بارے میں سوچنا جو معاشرے میں downtrodden پسماندہ لوگ ہیں۔ مولا یہ بھی تیری مخلوق ہیں مجھے ان کی خدمت کی توفیق عطا فرماء اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ حضور ﷺ کی امت کے بارے میں اجتماعی سوچ رکھنا۔ حضور ﷺ کو یہ سوچ بڑی پسند ہے۔ ایک بہت بڑا روحانی سِر میں آپ کو سمجھا رہا ہوں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو ہر اس روح سے بہت پیار ہے جو ان کی امت کے لیے دعا کرتی ہے اور اس کا اندازہ آپ اس بات سے لگا لیں کہ حضرت اویس قرنیؒ سے حضورؐ نے فرمایا کہ تم میری امت کے لیے دعا کرنا لہٰذا جب حضورؐ اس دنیا میں تشریف لائے، رَبِّ هَب لِي اُمّتِي، رَبِّ هَب لِي اُمّتِي، یا اللہ میری امت مجھے ہی دے دے، یا اللہ میری امت مجھے ہی دے دے۔ یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ میری امت کو بخش دے۔ یہ ترجمہ نہیں ہے اس کا، لوگوں نے ترجموں میں چکر چلائے ہوئے ہیں۔ سرکارؐ فرماتے ہیں کہ اے میرے مولا! میری امت مجھے ہی دے دے یعنی سرکار کی کیا مراد تھی کہ امت کے حساب کتاب کا ذمہ دار بھی مجھے ہی ٹھہرا دے۔ یہی وجہ ہے کہ بوقتِ وصال آپؐ نے فرمایا کہ مولا! تو نے میری امت کو جو تکلیف دینی ہو وہ مجھے ہی دے دے۔ تو ابتدا میں بھی امت تھی

انتہاء میں بھی امت۔ کسی صحابی نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ ہم قیامت کے اندر آپؐ کو تلاش کریں تو کہاں کریں؟ آپؐ نے فرمایا حوض کوثر پہ آجانا میرے امتی پیاسے ہوں گے میں وہاں ان کو حوضِ کوثر پلارہا ہوں گا۔ عرض کی یارسول اللہ ﷺ اگر وہاں نہ پائیں تو؟ فرمایا پل صراط پہ آجانا میں ان کو پل پار کروا رہا ہوں گا۔ عرض کی یارسول اللہ ﷺ وہاں نہ ملیں تو؟ فرمایا میزان پہ آجانا میں ان کے اعمال کا حساب دیکھ رہا ہوں گا، ان کی کمیاں پوری کر رہا ہوں گا۔ یہ سوچنے کی بات ہے کہ ہمارے حضور ﷺ کو اپنی امت سے بہت پیار ہے، بہت پیار ہے۔ تشریف لاتے ہوئے بھی امت، امت۔ اس دنیا سے جاتے ہوئے بھی امت، امت۔ وہاں بھی امت ہی کی باتیں ہو رہی ہیں، امت ہی کا انتظار فرما رہے ہیں میرے حضور ﷺ۔ میری امت آئے گی پل صراط پہ ان کی مدد کروں گا۔ میزان پہ ہمارے حضورؐ ہوں گے ہمارے ساتھ۔ پل صراط پہ ہمارے حضورؐ ہماری راہنمائی فرمائیں گے اور حوضِ کوثر پہ ہماری پیاس بجھائیں گے انشاءاللہ العزیز۔

خاک افتادو بس ان کے آنے ہی کی دیر ہے
خود وہ گر کر سجدہ میں تم کو اٹھاتے جائیں گے

حضورؐ کو امت کی سوچ بڑی پسند ہے۔ امت کے بارے میں سوچنا ہے اور ضرور سوچنا ہے اور امت کی خیر خواہی کے لیے ہر روز دعا کرنی ہے پھر آپ اپنے روحانی مقام دیکھیں گے کہ حضور ﷺ آپ پر کتنا کرم فرماتے ہیں۔

وما علینا الا البلاغ المبین

عبدیت و رسالت

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْن

ہمارے ہاں اس مسجد میں دو شعبے ہیں ایک شعبہ خطابت کا ہے اور ایک شعبہ تربیتِ روحانی کا ہے۔ میری بھی خوش نصیبی ہے اور آپ کی بھی کہ بقولِ حضرت مجددؒ خوش آوازی مظاہر ولایت میں سے ہوتی ہے اور اللہ کریم نے ہمیں یہاں جو خطیب عطا فرمائے ہیں میرے برادرِ عزیز جناب مولانا قاری رفعت صاحب خطابت کا حق ادا کرنا خوب جانتے ہیں لہٰذا ہم اپنے اس شعبے سے بحمد للہ کاملاً مطمئن ہیں۔

ہمارا دوسرا شعبہ، تربیتِ روحانی کا ہے اور اس ناچیز کے پاس دوست ہر پندرہ دن کے بعد زحمت کر کے دور دور سے تشریف لاتے ہیں اور ہم نے سلاسلِ اربعہ کے مطابق؛ جس میں نقشبندیہ شریف بھی شامل ہے، چشتیہ، قادریہ اور سہروردیہ شریف بھی شامل ہیں، تربیت کا ایک نظام سیکھا ہے اور سکھا رہے ہیں تو جب اس ناچیز کی گفتگو ہوگی تو شعبہ تربیتِ روحانی کے حوالے سے ہوگی۔

جو آج کا تقاضا ہے وہ یہ کہ آج گیارھوں شریف ہے اور یوں کہنا چاہیے کہ آج جو حصہ بننا چاہیے وہ قادریت کا ہو اور ساتھی جو زیر تربیت ہیں ان میں سے اکثر ساتھی نقشبندیہ شریف کے ہیں، کچھ ساتھی اسباقِ چشتیہ لے رہے ہیں اور ایک آدھ ساتھی ایسے ہیں جو قادریہ شریف میں پہنچے ہوئے ہیں لہٰذا آج کی گفتگو کو ہم ایک مثلث کی صورت دیے

ہیں: ایک طرف قادریت شریف ہے اور ایک طرف نقشبندیت شریف ہے اور ایک طرف نقشبندیت اور قادریت کا ماخذ، منبع اور مبداء یعنی سرور عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات پاک ہے۔ میں ایک خیال ہر محفل میں آپ کی خدمت میں واضح کرنے کی کوشش کیا کرتا ہوں آج کی محفل میں بھی کوشش کر رہا ہوں کہ ایک خیال کم از کم واضح کردوں کہ یہ روحانیت جسے کہتے ہیں کیا ہوتی ہے؟ یوں تو گلی کوچے میں سائن بورڈز پڑھنا شروع کر دیں تو چالیس اولیاء مل جائیں گے اور اگر اخبارات میں اشتہارات پڑھنا شروع کر دیں تو کاملوں کے ڈھیر لگ جائیں گے۔ اللہ کریم اپنی پناہ میں رکھے۔ اللہ کریم ہدایت دے۔

میں نے آپ کی خدمت میں آیت کا جو ٹکڑا پڑھا ہے وہ ہے وَاعۡبُدۡ رَبَّکَ اپنے رب کی عبادت کر حتیٰ، یہاں تک کہ یَاتِیَکَ الۡیَقِیۡن تجھے یقین آ جائے۔ بات ذکر حق کی ہے اور منتہا یقین کی ہے۔ یوں کہنا چاہئے کہ آیہ کریم کے اس ٹکڑے کے اندر جس چیز سے جو ملنا ہے اس کا ذکر ہے اور جس چیز سے وہ ملنا ہے، اس چیز کا ذکر ہے۔ آپ آئے ہیں ذکر کے لیے، جانا کہاں ہے یقین پر۔ یوں کہنا چاہئے کہ اگر ایک مسافر پنڈی سے چلے اور اسے لاہور جانا ہو اور ایک اس کی ابتداء ہو اور دوسری اس کی انتہاء ہو۔ ابتداء سے ذکر شروع کیا جائے، انتہا کا ذکر کر دیا جائے۔ ''وَاعبد ربک'' عبادت کر اپنے رب کی ''حتیٰ یاتیکَ الیقین''، ذکر کر اپنے رب کا یہاں تک کہ تو پہنچے مقام یقین پر۔

پہلی بات سرکارِ غوثِ اعظم کی سنیے، آج قادریہ شریف کا درس ہے ناں؛ آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ تقدیر اتنی بڑی چیز ہے، اتنی بڑی چیز ہے کہ اس کے سامنے پہاڑ بھی روئی کے گالے بن کے اڑ جاتے ہیں۔ اگر آپ کسی مسکین سے ملیں، اگر کسی غریب سے

ملیں، اگر کسی محتاج سے ملیں، اگر کسی پریشان حال سے ملیں، اگر کسی دکھی سے ملیں، اگر کسی فریادی سے ملیں تو اس سے پوچھیں کہ تیری اس ابتلاء کی وجہ کیا ہے تو یقیناً کہے گا کہ میری اس ابتلاء کی وجہ میری تقدیر ہے۔ کسی بھی دکھ والے سے جب اس کے دکھ کے بارے میں سوال کریں گے تو وہ پکار کے کہے گا کہ میرے دکھ کی وجہ میری تقدیر ہے۔ خدا سے راضی ہو یا نہ ہو، یہ ایک الگ بات ہے لیکن گلہ کرے گا تو تقدیر کا کرے گا۔ سرکار غوثِ اعظمؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ سب سے بڑی چیز جو کائنات کے اندر ہے اور پہاڑوں کے ٹکڑے بنا سکتی ہے اور کائنات کو زیر و زبر کر سکتی ہے، زمین کے سینوں کو پھاڑ سکتی ہے، آسمان کو سوراخ کر سکتی ہے، وہ تقدیر ہے۔ سرکار غوثِ اعظم ارشاد فرماتے ہیں لیکن یاد رکھو مسلمانو! اے میرے حضورؐ کا کلمہ پڑھنے والو! اے رب کو اپنا معبود ماننے والو! اے رب کو اپنا رب ماننے والو! اے لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کہنے والو، یاد رکھو! اگر کوئی چیز ایسی ہے جس سے تقدیر بھی لرزتی ہے تو وہ دعا ہے۔

لہٰذا آج درسِ قادریت کا پہلا نکتہ یہ ہے کہ جب کوئی تقدیر کا گلہ روتا ہوا نظر آئے، جب کوئی تقدیر کا رونا رو رہا ہو، جب کسی کے دامن میں انگارے بھر دیے جائیں اور جب کسی کے اوپر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں تو اس سے کہیں میاں! مسجد کا دروازہ کھلا ہے، آؤ اور وہ دُرّہ ہاتھ میں لے لو کہ جس کے آگے تقدیر بھاگتی بھاگتی پھرتی ہے اور تم دعا کرتے جاؤ اور رب کا کرم دیکھتے جاؤ، یہ سرکار غوثِ اعظم کا ارشادِ گرامی ہے۔

ابھی تک جو میں نے عرض کیا، وہ کیا ہے کہ کائنات کے اندر اگر کوئی ایسی فورس کہ جس کو زخمی نہیں کیا جا سکتا اور جس کو روکا نہیں جا سکتا، وہ ہے تو تقدیر ہے اور جس سے تقدیر کو

بھاگنا پڑتا ہے اور تقدیر کو فرار ہونا پڑتا ہے وہ چیز کون سی ہے 'دعا' ہے۔ گویایوں کہیئے کہ آپ اللہ کے کسی ولی کے پاس جا کر کہتے ہیں اے اللہ کے محبوب! اے اللہ کے لاڈلے! اے محبوبِ خدا کے پیارے! میں تقدیر کے ہاتھوں بڑا تنگ آ چکا ہوں تو پھر اللہ کا ولی تازیانہ قدرت ہاتھ میں لے کر کہتا ہے کہ اب دیکھتا ہوں میں تیری تقدیر ٹھہرتی ہے یا میری دعا ٹھہرتی ہے اور یوں اللہ کا ولی اپنی دعا کے تصرف سے تقدیر کو مار گراتا ہے۔ تقدیر کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ہے تقدیر معلق، ایک ہے تقدیر مبرم۔ تقدیر معلق وہ ہوتی ہے جو بدل سکتی ہے اور تقدیر مبرم وہ ہوتی ہے جو بدل نہیں سکتی۔ تمام اولیائے کرام کو اللہ کریم یہ کمال عطا کرتے ہیں کہ وہ تقدیر معلق کو ٹال دیتے ہیں۔ اگر کسی کے نصیب میں دیکھا کہ یہ لکھا ہوا ہے کہ چلتے چلتے اس کا حادثہ ہو جائے گا اور اس کی ٹانگیں ٹوٹ جائیں گی تو اللہ کا ولی اپنے رب کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھا کے دعا کرتا ہے کہ مولا کریم! یہ تیری بارگاہ میں آ کے سوال کرنے کے لیے مجھے پیش کر رہا ہے۔ میں تیرے محبوب ؐ کے نعلین کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں اس کی مشکل کو حل فرما۔ تو اللہ کا ولی دعا فرماتا ہے، اللہ کریم تقدیر معلق کو ٹال دیتا ہے لیکن بات تقدیر مبرم کی ہے کہ جس تقدیر کا نہ ٹلنا لکھا ہوا ہے۔ کائنات کے اندر ہمارے شہنشاہِ عالم ؐ اور صحابہ کرام ؓ کے بعد دو ہستیاں کائنات نے ایسی دیکھیں جنہوں نے کہا کہ ہم تقدیر مبرم کو بھی ٹال سکتے ہیں۔ وہ دو ہستیاں کون سی ہیں ایک شہنشاہِ اولیائے کرام، سرکار نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لاڈلے، حسنی اور حسینی سید حضرت غوثِ اعظم شیخ عبدالقادر الجیلانی ؒ اور دوسرے جناب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے اور کائنات کے تمام اولیاء اللہ کے شہنشاہ حضرت مجدد الف ثانی ؒ ہیں۔ مکتوب نمبر ۱۸ اٹھا کر دیکھئے: آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ رب کی بارگاہ میں جب میں حاضر ہوا اور مقامات معرفت

سے جب مجھے آشنا کر دیا گیا تو میں نے دیکھا کہ تقدیر کا راز کھل کر اس طرح میرے سامنے آ گیا جیسے چودھویں رات کا چاند طلوع ہوتا ہے تو کائنات کے اندر دو ہستیاں ایسی گزری ہیں سرکار ﷺ کے بعد اور سرکار کے صحابہ کے بعد کہ جن کو رب نے یہ کمال بخشا تھا کہ تقدیر مبرم کو بھی ٹال سکتے تھے اور ہمیں فخر حاصل ہے کہ ایک بھی ہمارا پیر ہے اور دوسرا بھی ہمارا پیر ہے۔ایک بھی ہمارا آقا ہے اور دوسرا بھی ہمارا آقا ہے۔ایک بھی ہمارے شہنشاہ ہیں دوسرے بھی ہمارے شہنشاہ ہیں۔

اب بات یہاں تک پہنچی کہ کائنات کے اندر سب سے بڑی چیز تقدیر ہے اور تقدیر سے بڑی چیز کون سی ہے؟ دعا ہے اور دعا سے تقدیر معلق بھی ٹل سکتی ہے، تقدیر مبرم بھی ٹل سکتی ہے! اور سرکار غوثِ اعظم اس سے ایک step آگے جاتے ہیں۔سرکار غوثِ اعظم کی تین کتابیں اگر وقت ملے تو لازمی پڑھیں ایک 'غنیۃ الطالبین' سرکار کی بڑی مشہور و معروف کتاب ہے جب بھی موقع ملے اس کتاب کا مطالعہ کریں۔اس کے بعد 'فتوح الغیب' یہ سرکار غوثِ اعظم کی ایسی کتاب ہے جس میں معرفت کے سمندر بند ہیں اور تیسری 'الفتح الربانی' جو سرکار غوثِ اعظم اپنے دروسِ طریقت دیا کرتے تھے جس طرح ہمارے ہاں درسِ طریقت ہوتا ہے، سرکار غوثِ اعظم کے دور میں بھی، آپ درسِ طریقت دیا کرتے تھے۔ان دروس طریقت کو جمع کر کے جو کتاب بنی اس کا نام ہے 'الفتح الربانی'۔سرکار غوثِ اعظم ارشاد فرماتے ہیں کہ تقدیر معلق بھی ٹل سکتی ہے اور تقدیر مبرم بھی ٹل سکتی ہے یوں کہنا چاہئے کہ جو تقدیر کا پابند ہو جائے اس کے سلاسل کو توڑنے کے لیے آپ دعا کا سہارا لیں۔

تقدیر کے پابند جمادات و نباتات
مؤمن فقط احکامِ الٰہی کا ہے پابند

جب تقدیر مبرم اور تقدیر معلق کو ٹالنے کے لیے چیز تلاش کی تو وہ دعا نکلی۔ سرکار غوثِ اعظم فرماتے ہیں کہ جو چیز دعا سے بھی افضل ہے، وہ یقین ہے لہٰذا یوں کہنا چاہئے کہ ذکراور ذکر کی انتہا مقامِ یقین ہے۔ رب کریم نے فرمایا کہ

واعبد ربک حتی یاتیک الیقین

اب یہاں سے بات آگے شروع ہوتی ہے پہلے تقدیر، پھر دعا، پھر یقین۔ آگے یقین کی بھی تین قسمیں ہیں علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین۔

علم کا معنی ہے جاننا۔ اب اگر کوئی مجھ سے کہے کہ مریڑ حسن کی بستی میں ایک نوجوان عالم رہتے ہیں۔ ان کا نام ہے رفعت صاحب بہت خوش آواز اور اچھے مقرر ہیں تو یہ مجھے اپنے کانوں کے ذریعے سے علم حاصل ہو گیا کہ فلاں بستی میں، فلاں فلاں qualification کے، فلاں صلاحیت کے، فلاں merit کے نوجوان رہتے ہیں یہ میرا علم ہو گیا۔ اب اس علم کی تصدیق کس چیز سے کرنی ہے؟ تجربے سے یا مشاہدے سے کرنی ہے۔ تجربہ انسان کے بدن کے اوپر طاری ہونے والی کیفیت کا نام ہے جب انسان کسی چیز سے direct contact کر کے اس کے علم کو حاصل کرتا ہے۔ جب میں رفعت صاحب کو جا کر اس بستی میں تلاش کروں گا؛ مکان کا بورڈ پڑھوں گا، مکان کا نمبر دیکھوں گا، ان سے مل کر ان کا نام پوچھوں گا، ان کی تقریر سنوں گا۔ یہاں بیٹھے جب یہ سرکارؐ کی مدح کر رہے ہوں گے تو مجھے یقین آ جائے گا کہ یہی بستی ہے، یہی نوجوان ہے، یہی ان کا نام ہے، یہی مقرر ہے۔ اب مجھے تیسری منزل نصیب ہو جائے گی کہ

میں مقامِ یقین پر پہنچا ہوں۔ درمیان کا واسطہ میرا کون سا ہے عین الیقین۔ علم الیقین سے چلا، عین الیقین سے گزرا حق الیقین پر پہنچا۔ اب میں آپ کو اس جگہ سے سفر کراتا ہوں جہاں حق الیقین کی منزل آتی ہے وہاں تک لے چلتا ہوں۔ آپ کلمۂ شہادت کو جانتے ہیں اور اچھی طرح جانتے ہیں، آپ کہتے ہیں اَشھَدُ اَن لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللہُ وَ اَشھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عبدُہٗ وَ رَسولُہٗ۔ اس میں آپ کے پاس دو قسم کے علم آرہے ہیں۔ دو قسم کی باتیں آپ کے knowledge میں لائی جارہی ہیں۔ ایک یہ کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی اِلٰہ نہیں ہے، یہ پہلی بات ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ وَاَشھَدُ میں گواہی دیتا ہوں اَنَّ کہ بے شک مُحَمَّدٌ عبدُہٗ وَ رَسولُہٗ، محمد اللہ کے عبد ہیں اور اس کے رسول ہیں۔ یوں کہنا چاہئے کہ ایک گواہی توحید کی ہے اور ایک گواہی رسالت کی ہے۔ اب توحید کے بارے میں گواہی یہ ہے کہ اس کے علاوہ اور کوئی معبود ہے ہی نہیں، نتیجہ یہ نکالنا ہے۔ کہاں پہنچنا ہے اس یقین پر کہ اللہ کے علاوہ اور کوئی معبود ہے ہی نہیں اور ادھر اس نتیجے پر پہنچنا ہے کہ محمدؐ، اللہ کے عبد ہیں اور رسول ہیں، یہ تو علم ہے ناں۔ اگر کسی نے آپ کو یہ کلمہ سکھا دیا تو اس نے صرف آپ کو علم دیا۔ علم الیقین کی منزل دے دی۔ اب عین الیقین کی منزل سے گزر کر حق الیقین کی منزل پہ جانا ہے۔ یہ ثابت کرنا ہے کہ مولا! میں نے ساری کائنات کو دیکھا ہے، تیرے علاوہ واقعی کوئی معبود ہے ہی نہیں! اور مولا میں نے تیرے محبوب کے مقامات کو دیکھا ہے وہ تیرے عبد بھی ہیں اور رسول بھی! دوسری stage کی بات ہو رہی ہے تو یہ دیکھنا کہ کیا واقعی یہ باتیں سچی ہیں ان کا مشاہدہ ہوا ہے۔ پہلی بات! نبی؛ کیا کہہ رہا ہوں بات ذرا سی مشکل ہونے لگی ہے آپ اس کو سمجھیں گے تو پھر بات ہے اپنی ذات میں دو توجہات رکھتا ہے یوں کہنا چاہئے نبی اپنی ذات میں دو جہتیں

رکھتا ہے۔ نبی اپنی ذات میں دو dimensions رکھتا ہے، نبی اپنی ذات میں دو پہلو رکھتا ہے۔ نبی کی ذات کے دو پہلو ہیں ایک عبدہٗ والا پہلو ہے اور ایک رسولہٗ والا پہلو ہے۔ ایک طرف وہ عبد ہے اور دوسری طرف وہ رسول ہے۔ عبدیت کیا ہے اور رسالت کیا ہے؟ اور ان کا ربط یقین سے کیا ہے؟ نبی اپنی ذات میں دو جہتیں اور دو توجہات رکھتا ہے یوں کہنا چاہئے کہ پیکرِ نبوت کی دو توجہات ہیں ایک توجہ اللہ کی طرف ہے اور ایک مخلوق کی طرف ہے۔ جو توجہ اللہ کی طرف ہے اس کا نام ہے عبدیت اور جو توجہ مخلوق کی طرف ہے اس کا نام ہے رسالت اور یہاں یہ بھی سنتے جایئے، ولیوں کا درس ہے، جو توجہ ولی کی اللہ کی طرف ہے حضرت مجدد پاکؒ فرماتے ہیں، اس کا نام ہے عبدیت اور جو توجہ ادھر سے مخلوق کی طرف ہے اس کا نام ہے ولایت۔

اب یوں کہیں کہ نبی کی ذات کی دو توجہات ہیں ایک یہ کہ جب نبی اللہ کی طرف جا رہا ہوگا تو وہ کیا ہوگا؟ مقام عبدیت کی طرف جا رہا ہوگا۔ جب ادھر آ رہا ہوگا تو مقامِ رسالت کی طرف آ رہا ہوگا۔ عبدیت اپنے رب کی طرف جانے کا نام ہے اور رسالت رب کی طرف سے واپس مخلوق کی طرف آنے کا نام ہے اور جب ہم کہتے ہیں محمداً عبدہٗ و رسولہٗ تو اس کا مطلب ہوتا ہے، اونچے سے اونچا بھی وہی ہے اور سب کچھ اوپر سے لے کر آنے والا بھی وہی ہے!

اب جب قرآن عظیم نے فرمایا: سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ کہ پاک ہے وہ ذات جو لے گئی اپنے بندے کو، یہاں لفظ عبد استعمال ہوا ہے۔ اب ربّ کی طرف جو جانے کے سفر ہیں وہ سارے دیکھنے ہیں اور واپس آنے کے جو سفر ہیں وہ سارے دیکھنے ہیں۔ ہمارے ہاں اولیائے کرام کی اصطلاح میں اوپر

جانے کو 'سیر سلوک' کہتے ہیں۔ اور جب نبی وہ سیر کر رہا ہے تو اس کو 'سیر نبوت' کہتے ہیں۔ نبی خود سیر نبوت کر کے ولی کو سیر سلوک کرا سکتا ہے، کیا کہہ رہا ہوں۔۔۔ کہ نبی یہاں سے لے کر رب تک سارے مقامات کو دیکھ کر واپس آتا ہے تو ولی کو یا صحابی کو وہ سارے مقامات راہِ ولایت سے طے کرا سکتا ہے۔ اب ذرا اس میں ایک لطیف فرق کو سمجھیں۔ ہمارے شہنشاہِ دو عالم ﷺ جب یہاں سے چلے تو مسجدِ اقصیٰ پہنچے؛ معراج کی بات کر رہا ہوں، مسجدِ اقصیٰ سے چلے اور سدرہ پہنچے، عرشِ اعظم سے آگے چلے اور رب تک پہنچے۔ اب تین stages درمیان میں آتی ہیں ایک stage یہ کہ جہاں تک بشر جا سکتا ہے۔ ایک stage وہ کہ جہاں تک فرشتہ جا سکتا ہے اور ایک stage وہ جہاں کوئی بھی نہیں جا سکتا۔ ایک وہ stage جہاں صرف بشر جا سکتا ہے ایک وہ stage جہاں صرف فرشتہ جا سکتا ہے اور ایک وہ stage جہاں سوائے سرکارؐ کے کوئی بھی نہیں جا سکتا۔ اب جہاں پر صرف بشر جا سکتا ہے وہاں تک تو ہمارے حضورؐ تشریف لے گئے۔ بشر تھے اور بشروں کی دنیا میں رہے جہاں تک بشر جا سکتا تھا، گئے۔ اب وہاں سے آگے بشر نہ جا سکے اور حضورؐ چل پڑیں لیکن ہوں بشر ہی؛ بات سمجھ آئی، بشریت کی حد ختم، حضورؐ جا رہے ہیں لیکن حیثیت بشری میں، تو معلوم یہ ہوا کہ بشریت کی ایک جہت ختم ہوگئی۔ بشریتِ مصطفیٰؐ کی دوسری جہت شروع ہوگئی۔ جب وہاں پہنچے نوری جہاں سے آگے نہیں جا سکتا۔ نوری کیا کہہ رہا ہے یا رسول اللہ! اگر میں ذرا سا بھی آگے چلا جاؤں تو میرے پر جل جاتے ہیں وہاں پر حضورؐ بشر تھے۔ بشریت کی حد نیچے رہ گئی۔ نورانیت کی حد میں حضورؐ حیثیتِ بشری میں سفر کر رہے ہیں۔ جہاں نوری رہ گیا وہاں سرکار فرماتے ہیں میں یہاں سے آگے جا رہا ہوں لیکن بشری حیثیت میں جا رہا ہوں، نوری

حیثیت میں نہیں۔تو سرکار کی بشریت کا دوسرا زینہ جہاں نورانیت بھی دم توڑ گئی وہاں بھی سرکار بشر کی حیثیت میں جارہے ہیں۔

اب آگے تیسرا مقام آرہا ہے۔پہلی: حیثیت بشری میں سرکار بشر بن کے سفر کر رہے ہیں۔دوسری: مقاماتِ نوری میں سرکار بشر کی حیثیت میں سفر کر رہے ہیں اور تیسری: جب سدرہ سے آگے چلے تو ربّ تک سارا سفر حیثیت بشری میں کیا۔یہ سرکار کی حیثیتِ بشری کی تین جہتیں نکلیں۔بشریت نیچے رہ گئی، نورانیت نیچے رہ گئی، تمام حجابات نیچے رہ گئے۔کائنات کی ہر چیز نیچے رہ گئی اور بشریت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اوپر نکل گئی۔

اب اگر ہم یہ ثابت کرنا چاہیں کہ نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقام کیا ہے تو ہم ثابت نہیں کر سکتے کیونکہ سرکار کے بارے میں بشر اتنا ہی سوچ سکتا ہے جتنا نیچے والے طبقے کے بشر سوچ سکتے ہیں۔سرکار کی بشریت نورانیت کے پردوں سے نکل کر آگے چلی گئی تھی جس کا نام 'مقامِ محمدیت' ہے اور مقامِ محمدیت میں نہ کوئی نوری جا سکتا ہے، نہ کوئی بشر جا سکتا ہے! تو یہ سفر جو سرکار نے اوپر کی جانب کیا جب وہاں پہنچے **ثُمَّ دَنیٰ فَتَدَلّٰی کَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنیٰ**۔

ثم دنیٰ، قریب ہوئے، فتدلیٰ، دلّیٰ کا مطلب ہوتا ہے نیچے اتر آنا یعنی اللہ قریب ہو گیا اور نیچے اتر آیا۔ **کَانَ قَابَ قَوْسَیْن اِوْ اَدْنیٰ**، یہاں تک کہ دو قوسوں کا فاصلہ رہ گیا بلکہ اس سے بھی کم۔اب یہ بتایئے کہ جہاں حضورؐ پہنچے، حیثیت بشری میں پہنچے۔خوب غور کرنے کا مقام ہے۔کہاں پہنچے **ثُمَّ دَ نیٰ** پر، **مقامِ دنیٰ** پر، وہاں پر حیثیتِ بشری میں پہنچے اور کان قاب قوسین او ادنیٰ، دو قوسوں کا فاصلہ رہ گیا بلکہ اس سے بھی تھوڑا۔اب یہ بتایئے کہ

درمیان میں کوئی فرشتہ تھا؟ نہیں۔ درمیان میں کوئی عرش وفرش تھے؟ نہیں۔ درمیان میں کوئی کرسی ولوح وقلم تھے؟ نہیں۔ کائنات کی کوئی الہامی یا آسمانی کتابیں تھیں؟ کوئی چیز نہیں تھی۔ گویا یوں کہہ دیں کہ بشریت مصطفیٰؐ میں اور رب کے درمیان میں کوئی چیز حائل نہیں تھی! یعنی بشریتِ مصطفیٰ ﷺ اور رب کی ذات میں کوئی چیز حائل ہے ہی نہیں!

اب میں دوسری بات شروع کر رہا ہوں: یہاں تک تو بات پہنچ گئی مقام عبدیت تک۔ فَاَوحیٰ اِلیٰ عَبدِہٖ ماَ اَوحیٰ۔ جب ہمارے حضورؐ ہیں اور اوپر ربّ ہے۔ رب تھوڑا سا آگے بڑھا ہے سرکارؐ کو وصول کرنے کے لیے۔ سرکارؐ کا استقبال کرنے کے لیے رب ذرا سا آگے بڑھا ہے جہاں نہ کوئی جہت ہے، نہ کوئی مکان ہے، نہ کوئی طرف ہے، نہ کوئی زمان ہے، صرف رب ہے، نہ زمانہ ہے، نہ Time ہے، نہ Space ہے۔ کوئی چیز نہیں۔ رب کیسے نیچے اترا ہے؟ کوئی چیز نہیں سوائے رب کے اور مصطفیٰؐ کے۔ رب آگے بڑھ کے کہتا ہے، اے میرے محبوب! میں تجھے وصول کرنے کے لیے اتر آیا ہوں۔ اب جبکہ سرکارؐ وہاں پہنچے تو قرآن عظیم کہتا ہے فَاَوحیٰ اِلیٰ عَبدِہٖ مآاَوحیٰ۔ دے دیا بندے (عبد) کو جو کچھ دینا تھا۔ اب یہاں یہ سمجھنے کی بات ہے کہ عالمِ دنیا؛ زمینیں، زمین کے حیوانات و جمادات، ونباتات اور کائنات کے اندر جو چیز بھی زمین میں پیدا کی گئی تھی ساری کی ساری، اس کے بعد اس میں بسنے والے انسان، اس کے اوپر رہنے والے جن، اس کے اوپر رہنے والی جتنی مخلوق ہے، ساری کی ساری نیچے ہے۔ اس کے اوپر آسمانوں کی بلندیاں ہیں؛ جنت ہے، دوزخ ہے، جتنی آسمان کی مخلوقات ہیں، فرشتے ہیں، حور وغلمان ہیں، جنت کی ساری نعمتیں ہیں، ساری کی ساری نیچے ہیں۔ اس کے بعد سدرہ ہے، نیچے ہے۔ بیت العزت نیچے ہے۔ لوحِ محفوظ نیچے ہیں۔ کائنات

کی ہر چیز حتیٰ کہ عرش بھی نیچے ہے۔ اب پوری کائنات کی ہر چیز نیچے ہے اور اوپر خدا ہے درمیان میں مصطفیٰ ہے!

اب ذرا اس بات کو سمجھئے۔ اہلِ روحانیت کی بات کرنے لگا ہوں کہ اگر ایک نور اوپر سے آ رہا ہو۔ اللہ نور السموت والارض۔ پہنچنا ہوا ہے نیچے۔ درمیان میں ایک شیشہ ہو تو کیا نیچے والے دعویٰ کر سکتے ہیں کہ شیشے کے بغیر نور آیا۔ سوچئے! یا اوپر والا دعویٰ کرے کہ میں شیشے کے بغیر اس نور کو نیچے پہنچا رہا ہوں۔ نہیں! قانون یہ ہے کہ جو نور اوپر سے آئے گا۔ جب نیچے پہنچے گا تو اس شیشے سے گزر کے پہنچے گا۔ اگر اوپر سے آنے والی روشنی سبز شیشے سے گزر رہی ہے تو نیچے ساری سبز روشنی آئے گی۔ روشنی اور چیز ہے شیشہ اور چیز ہے لیکن جب روشنی سفر کرنا چاہے گی تو شیشے سے گزر کے آئے گی۔ شیشہ سبز ہے تو روشنی سبز ہوگی۔ شیشہ نیلا ہے تو روشنی نیلی ہوگی۔ شیشہ ہرا ہے تو روشنی ہری ہوگی۔ شیشہ گلابی ہے تو روشنی گلابی ہوگی۔ شیشہ مصطفیٰ ہے تو روشنی مصطفویؐ ہوگی۔ اب پوری کائنات نیچے کھڑی ہے: فرشتوں سے لے کے، حور و غلمان سے لے کے، انسانوں کی دنیا تک، انسانوں کی دنیا سے لے کے اشجار کی دنیا تک، پوری کائنات کا پتا پتا اور ذرہ ذرہ منتظر کھڑا ہے کہ رب کی طرف سے آنے والا نور مصطفیٰ کے سینے سے گزر کے نیچے آئے گا!

اب اوپر سے نیچے آنے والے اس سفر کو کہتے ہیں رسالت۔ جب سرکار وہاں سے نیچے تشریف لائے تو پھر اَوحیٰ والی بات جو ہے۔ **فَاَوحیٰ اِلیٰ عَبدِہ مَاَوحیٰ** کہ رب نے اپنے بندے کو جو کچھ دینا تھا دے دیا اور دیا کس لیے؟ ہمارے لیے۔ تو اولیاء اللہ کی محفل میں جو کچھ بٹتا ہے وہ **اَوحیٰ الیٰ عبدہ ما اوحیٰ** والی باتوں میں سے بٹتا

ہے۔ اوپر تشریف لے گئے تو عبدیت کے مقام کی طرف جا رہے ہیں۔ نیچے تشریف لائے تو رسالت۔ عبدیت اس لیے ہے کہ پوری منزلوں کو دیکھ لیں؛ پورے مقامات کو دیکھ لیں کہ اے مولا کریم! میں اب دنیا کے پاس جا رہا ہوں اور دنیا کے سامنے دعویٰ کر رہا ہوں کہ میں نے زمینوں کو بھی دیکھا، میں نے آسمانوں کو بھی دیکھا، میں نے عرش وفرش وکرسی ولوح وقلم کو دیکھا، میں نے فرشتوں کی دنیا کو دیکھا، میں نے تمام عوالم کو دیکھا۔ اے مولا کریم! میں دیکھ دکھا کے جا رہا ہوں اور دنیا والوں سے کہہ رہا ہوں کہ اور کوئی معبود نہیں!

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام معراج سے واپس تشریف لاتے ہیں کسی صحابی نے سوال کیا، یا رسول اللہ! کیا آپ ﷺ نے رب کو دیکھا۔ فرمایا: رَاَیتُہٗ، رَاَیتُہٗ، رَاَیتُہٗ ۔۔۔ حتیٰ انقطاع نفسہٗ۔ فرمانے لگے کہ میں نے رب کو دیکھا، رب کو دیکھا، رب کو دیکھا۔۔ یہاں تک کہ آپ کے سانس کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ اب اوپر سے آنے والا سارا نور کائنات کا ایک ایک ذرہ سرکار نے دیکھا اور یاٰتیکَ الیقین کی منزل تک پہنچانے کے لیے فرمایا کہ میاں! میں نے بھی دیکھا ہے اور تم بھی دیکھ سکتے ہو اور دیکھ سکتے ہو ان کے واسطے سے جن کو میں دکھا دوں۔ اب حضرت مجدد الف ثانیؒ اور سرکار غوثِ اعظمؒ دونوں کا فیصلہ یہ ہے کہ جب کوئی سالک، جب کوئی طریقت کی راہ پر چلنے والا، وہ مقامات عبور کرے گا کہ جن مقامات کے ذریعے سے یہ ساری منزلیں دیکھی جا سکتی ہیں، اللہ کریم اسے پہلے اس دنیا میں عالمِ خلق میں یہ سارا منظر دکھائے گا۔ اس کے بعد عالمِ خلق سے اوپر عالمِ امر ہے، درمیان میں برزخ ہے۔ پہلے عالمِ خلق کو دیکھے گا، جب عالمِ خلق سے اوپر گزرے گا تو درمیان میں برزخ آتا ہے اور برزخ کو دیکھے گا، قلب کے ذریعے سے۔ جس کا قلب زندہ ہو، وہ برزخ کو دیکھے گا۔ اس کے بعد وہ دیکھے گا مقامِ سِرّی کو

پھر روحی کو پھر خفی کو پھر اخفاء کو۔ اخفاء اس عالم امکان کا انتہائی مقام ہے۔ موجودات کے اس نظام کے انتہائی مقام کا نام اخفاء ہے۔ جب اخفاء سے گزرے گا تو پھر آگے جو منازل آتی ہیں وہ ہیں صفات، شیونات اور اعتبارات۔ اعتبارات کی منزل سے گزر کر جب جائے گا تو ذات کی منزل تک پہنچ جائے گا!

الحمد للہ کہ سلسلۂ عالیہ قادریہ شریف، نقشبندیہ شریف، سہروردیہ شریف اور چشتیہ شریف، یہ چاروں سلاسل ایسے سلسلے ہیں کہ ایک سالک کو مقامِ خلق سے، مقامِ امر سے، اس کے بعد صفات سے، شیونات سے، اعتبارات سے گزار کر پھر مقام ذات میں واصل کر دیتے ہیں اور حضرت مجدد پاکؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ ولایت کی پانچ stages ہیں؛ کاش میرے پاس وقت ہوتا اور میں آپ سے یہ باتیں تفصیل سے کرتا تو فرماتے ہیں کہ ولایت کی پانچ stages ہیں جن میں سے صرف پہلی ہی جو stage ہے وہ تجلیِ عالی ہے اور دوسری stage پر بھی بعض صفات کا نزول ہوتا ہے اور آخری تینوں stages یہ تجلی ذات کے لیے مخصوص ہیں اور فرماتے ہیں کہ میرے ساتھ نسبت رکھنے والے اکثر حضرات ایسے ہیں جو تجلی ذات تک پہنچتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ توفیق بخشے تو آپ ان کی کتاب 'مبداء و معاد' اٹھا کر دیکھیں۔ سالکیں کے لیے میں دو کتابیں recommend کرتا ہوں ایک 'مبداء و معاد' اور ایک 'معارف الدنیہ' اللہ تعالیٰ توفیق بخشے تو ایک 'مکاشفۂ عینیہ' بھی ان کی تصنف ہے۔ 'رسالۂ تہلیلیہ' جو ہے وہ حضرت مجدد پاکؒ نے کلمہ طیبہ شریف کے خواص پہ لکھا ہے۔ مکتوبات شریف 'مکتوبات امام ربانی' لازمی پڑھیں۔ اس کو بطور Text book پڑھیں۔ اس کے بعد 'معارف الدنیہ' جس میں توحید کی

حقیقتوں کا بیان ہے۔ مبداء و معاد جس میں سلوک کے اوپر آپ نے تفصیلی بات فرمائی ہے۔ ایک ہے 'اثبات النبوت' اکبر کے دور میں جب لوگوں نے نبوت پر حملہ شروع کیا تو حضرت مجددؒ نے اثبات النبوت لکھ کر نبوت کے لیے دلائل فراہم کیے یعنی اس دور میں اگر دفاع منصب نبوت کیا تھا تو حضرت مجدد پاک رحمۃ اللہ علیہ نے کیا تھا۔ اس کے بعد ہے آپ کی کتاب 'مکاشفات عینیہ' جس میں آپ نے اپنے ذاتی مکاشفات لکھے ہیں جو کچھ دوران سلوک آپ کو نظر آیا وہ اس کتاب میں آپ نے تفصیل سے لکھا ہے۔ یہ ساری کتابیں سالکین مطالعہ کریں۔ ان میں وہ انوارات اور معارف بند ہیں کہ اللہ کریم آپ کو بہت بڑے مقامات پر پہنچائے گا انشاءاللہ العزیز۔

وما علینا الا البلاغ المبین

کشف

مولا یصلی و سلم دائماً ابداً
علیٰ حبیبک خیرِ الخلقِ کلّھِم

اللہ رب العزت کا بڑا فضل ہے بڑا کرم ہے اور اس کی ذات پاک کی بڑی مہربانی ہے کہ۔

میں تو تنہا ہی چلا تھا جانبِ منزل مگر
لوگ آ ملتے گئے کارواں بنتا گیا

حضور شہنشاہِ دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دیوانے اور حضورؐ کے ساتھ محبت کرنے والے اور حضورؐ کے عاشق ہر جگہ موجود ہیں، وہ جہاں کہیں بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام نامی سنتے ہیں اس پر جمع ہو جاتے ہیں کیونکہ کائناتِ حسن جب پھیلی تو لامحدود تھی اور جب سمٹی تو تیرا نام ہو کر رہ گئی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسم مبارک میں اتنی برکت ہے اس میں اتنی عظمتیں پوشیدہ ہیں اس میں اتنا نور ہے اس میں اتنی تسکین ہے کہ جس کو جو چاہیے ہمارے آقا کے در سے ملے گا انشاء اللہ۔

لاوَ ربُّ العرش جس کو جو ملا ان سے ملا
بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ ﷺ کی

جب ہمارے شہنشاہِ دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات اقدس کی بارگاہِ قدس سے نعمتیں تقسیم ہوئیں تو سب سے عظیم نعمت اولیائے کرام کے حصے میں آئی کیونکہ معرفت اللہ کی

پہچان اس کی ذات کی محبت اور اس کی صفات کی معرفت اس نام کی حقیقی عظمت سرکار کے قلب پاک سے چلی اور جس کو حضور ﷺ جتنا کرم فرماتے ہیں وہ قلب پاک کے ذریعے سے فرماتے ہیں کیونکہ نزولِ قرآنِ عظیم بھی سرکار کے قلب پاک پر ہی ہوا ہے اور الحمدللہ الکریم کہ ہمارے دوست جو محنت کر رہے ہیں وہ قلب پر ہی کر رہے ہیں کیونکہ سرکار ﷺ نے فرمایا:

اَلَا وَ اِنَّا فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً اِذ صَلَحَ صَلَحت جَسَدُ كُلُّهُ وَ اِذ فَسَدَ فَسَدَت جَسَدُ كُلُّهُ ۔ یاد رکھو کہ انسانی بدن کے اندر گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جب وہ ٹھیک ہوگا سارا بدن ٹھیک ہوگا اور جب وہ خراب ہوگا سارا بدن خراب ہوگا۔

تو ہمارے حضور ﷺ جس پر کرم فرماتے ہیں اس کے قلب کو زندہ کر دیتے ہیں اور جس کا قلب زندہ ہو جائے اس کا ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔ اس کو ایمان کی وہ نعمت عطا ہو جاتی ہے جو زندگی کا اصل مقصود ہے۔ اس محفل میں اگرچہ وقت بہت مختصر ہوتا ہے، بہت محدود ہوتا ہے اور ہم نے اس میں کئی items کو cover کرنا ہوتا ہے مثلاً تلاوتِ قرآن عظیم ہے، نعت پاک ہے اور اس کے بعد کلمہ طیبہ شریف کا ذکر بھی ہے اور پھر اصل ذکر جس کی خاطر یہ محفل کی جاتی ہے اس کے بعد چند کلمات میں عرض کرتا ہوں جن کا تعلق امورِ طریقت اور امورِ سلوک وولایت سے ہوتا ہے۔

آج ایک عزیز سوال کر رہے تھے کہ کشف کیا ہوتا ہے؟ اس کے بارے میں کچھ وضاحتیں ہو جائیں، ان کے کچھ سوال بھی تھے تو یاد رکھیے کہ عام انداز میں کشف کی تعریف ہم یوں کر سکتے ہیں کہ جس کو عام آنکھ نہ دیکھ سکے اس کو دیکھ لینے کا نام کشف ہے۔ جس کو عام کان نہ سن سکے اس کو سن لینے کا نام کشف ہے۔ جس تک عام ذہن اور ادراک کی رسائی نہ ہو سکے وہاں

تک پہنچ جانے کا نام کشف ہے مثلاً اگر ہم یہاں بیٹھے ہیں اور ظاہری طور پر مسجد کی دیواروں کو اور tubelights کو دیکھ رہے ہیں یا ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہیں لیکن ہمارا ایک ساتھی اس وقت گنبدِ خضریٰ کو دیکھ رہا ہے تو یہ کشف ہے۔ اسی طریقے سے ہمارے سامنے لاؤڈ اسپیکر رکھا ہوا ہے اور ہم اس کو دیکھ رہے ہیں تو یہ عمومی بات ہے لیکن اگر کوئی ساتھی یہ دیکھ رہا ہے کہ یہ لاؤڈ اسپیکر کہاں سے آیا ہے اور اس میں استعمال ہونے والے items کہاں کہاں سے آئے ہیں، ان کے حصول کے ذریعوں تک پہنچ جائے تو یہ کشف ہے۔ ایک انسان کو اپنے سامنے بیٹھے ہوئے دیکھ لینا یہ عام انسان کی عادت ہے لیکن انسان کسی انسان کو دیکھ کے سمجھ لے یہ فلاں ہے فلاں کا بیٹا ہے، یہ اُس کا بیٹا ہے وہ اس کا بیٹا ہے اور وہ اس کا بیٹا یعنی سات پشتوں تک اس کی نگاہ پھر جائے تو یہ کشف ہے۔ جس طرح پیرِ روم فرماتے ہیں کہ جو کچھ آئندہ ساٹھ سالوں میں ہونے والا ہے اللہ کا بندہ اس کو ایک نگاہ میں دیکھ لیتا ہے۔ یہ کشف ہے!

اسی طریقے سے کشف یہ ہے کہ کسی کا رابطہ سرکارؐ سے ہے کہ نہیں مثلاً جب کوئی شخص ہمارے آقا ﷺ کا کلمہ پڑھ لیتا ہے تو ہمارے آقاؐ کے قلبِ پاک سے نور کی ایک ڈوری اس کے دل سے بندھ جاتی ہے اور پھر وہ نور کی ڈوری اکتسابِ فیض کا باعث بن جاتی ہے یعنی وہ نور کی ڈوری، وہ نور کی کرن، وہ نور کی شعاع حضور شہنشاہِ دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلب پاک سے آرہی ہے اور جس نے سرکار کا کلمہ پڑھا ہے اس کے قلب تک جارہی ہے، بندھی ہوئی ہے۔ ایک knott ہے جس کے ساتھ رابطہ جڑا ہوا ہے۔ اب سرکار جس کو جتنا فیض عطا فرماتے ہیں اس نور کی ڈوری کے ذریعے سے عطا فرماتے ہیں کیونکہ اس میں حضور ﷺ کی توجہ ہے۔ ایک بزرگ تھے حضرت عبدالعزیز دباغؒ اور اتفاق سے وہ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ

شریف کے ہی تھے ان کے ملفوظات کا مجموعہ ہے ابریلیس اور لکھنے والے ترکی کی ایک یونیورسٹی کے Vice Chancellor ہیں عبداللہ ابن مبارک۔ وہ لکھتے ہیں کہ حضرت بیان فرمارہے تھے کہ ہر مسلمان کے قلب کا رابطہ ایک ڈوری کے ذریعے سے سرکار سے بندھ جاتا ہے اور جب وہ ڈوری منقطع ہو جائے تو ایمان ختم ہو جاتا ہے۔ تو ایک عقلی گھوڑے دوڑانے والا کسی اور section کا آدمی وہاں بیٹھا ہوا تھا اس نے کہا یہ کیسے ہوسکتا ہے جو چیز انسان observe نہ کر سکے، جو سمجھ میں نہ آسکے، جو ادراک میں نہ آسکے , کیسے ممکن ہے؟ تو ان بزرگ نے فرمایا یہ جو کچھ تم کر رہے ہو یہ بے ادبی اور گستاخی ہے۔ ہمارے حضور ﷺ اتنے عظیم ہیں کہ جس نے آقا کا نام لیا ہے اس کے ساتھ رابطہ ضرور رکھتے ہیں۔ اس نے کہا یہ نہیں ہوسکتا۔ آپ نے فرمایا اچھا! اگر تم آقا ﷺ کے اس فیضان کے قائل نہیں تو یاد رکھو سرکار نے اپنا وہ نور سلب کر لیا ہے اور تمہاری ڈوری کٹ چکی ہے اور دیکھنے والوں نے دیکھا کہ وہ شخص تھوڑے ہی عرصے کے بعد عیسائی ہوا پھر مر گیا۔

شاید اسی نکتے کو اقبال نے بیان فرمایا ہے کہ

در دلِ مسلم مقامِ مصطفیٰ ﷺ است
آبروئے ما ز نامِ مصطفیٰ ﷺ است

بلکہ اس سے بڑھ کر علامہ آگے اور بات کرتے ہیں کہ

فقر و شاہی وارداتِ مصطفیٰ ﷺ است
ایں تجلی ہائے ذاتِ مصطفیٰ ﷺ است

کہ فقر ہو یا بادشاہی ہو یہ ساری کی ساری حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ اقدس

پر گزرنے والی کیفیات ہیں اور آپ ﷺ کی وجہ سے دنیا پر گزرنے والی کیفیات ہیں اور یہ یاد رکھیں کہ ہماری یہ عظیم محافل بھی نبی پاک ﷺ کی تجلیات ہیں۔ یہ حضورؒ کی توجہات ہیں۔ جہاں حضورؒ کی توجہ مجسم ہو جاتی ہے وہاں برکت ضرور پیدا ہوتی ہے۔ آپ دیکھیں کہ ہم اشتہار نہیں نکالتے، ہم دعوت نامے جاری نہیں کرتے لیکن ہمارے دوستوں کا کتنا حسین اجتماع ہے، کتنی پیاری محفل ہے، ہر دوست سرور کی کیفیت میں ڈوبا ہوا ہے اور اگر وقت ہو اور میں دوستوں سے request کروں کہ وہ اپنے مشاہدات بیان کریں تو آپ یقین کریں دنیا ورطۂ حیرت میں ڈوب جائے کہ ہمارے حضورؒ کے دربار کا فیض کتنا ہوتا ہے۔

تو کشف ایک ایسی کیفیت ہے کہ عوام الناس کے مشاہدات سے اور عوام الناس کی کیفیات سے ہٹ کر بلند و بالا کیفیات کو حاصل کر لینے کا نام کشف ہے۔ یہ کشف نظری بھی ہوتا ہے یعنی دیکھنے کا کشف۔ کشفِ سمعی بھی ہوتا ہے یعنی کہ سننے کا کشف اور کشفِ شامہ بھی ہوتا ہے یعنی کہ سونگھنے کا کشف اور کشفِ ذائقہ بھی ہوتا ہے یعنی چکھنے کا کشف اور کشفِ حسی بھی ہوتا ہے یعنی محسوس کرنے کا کشف۔ اب مثلاً کل ہمارے ایک عظیم بزرگ کا عرس ہے؛ حضرت خواجہ حافظ عبدالکریمؒ، جن ہستیوں نے ہم پر مہربانیاں فرمائی ہیں ان میں حضرت کا اسمِ مبارک بھی آتا ہے۔ آپ ایک دن تشریف فرما تھے اور ایک دوست سے کہا کہ بھئی جلیبی لے آؤ کھانے کو جی چاہ رہا ہے، وہ لے آیا۔ آپ نے جلیبی کا چھلہ اٹھایا اور اٹھا کر رکھ دیا آپ نے فرمایا، ''ہندو سے لے کر آئے ہو''؟ محفل پر ایک سناٹا طاری ہو گیا۔ وہ کہنے لگا حضور دکاندار کا پتا نہیں تھا، بہرحال میں نے حاضر کر دی ہے۔ آپ نے فرمایا یہ جلیبی خود کہہ رہی ہے کہ میں ہندو کی بنی ہوئی ہوں، جاؤ تحقیق کرو۔ تو اللہ کے دوستوں سے یہ دنیا کی اشیاء باتیں کرتی ہیں، انہیں اپنی

حقیقت بتاتی ہیں بلکہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ چاند ہر مہینہ مجھ سے اجازت لے کر طلوع ہوتا ہے اور مجھے اپنے اندر ہونے والے حالات کی خبر دے کر جاتا ہے۔ تو یہ سب کچھ کیا ہے، یہ کشف ہے۔ آنے والے واقعات کا بھی کشف ہوتا ہے، گزرے ہوئے واقعات کا بھی کشف ہوتا ہے۔ دور کی اشیاء کا بھی کشف ہوتا ہے، انسانی سلسلوں کا بھی کشف ہوتا ہے۔ باطن کا بھی کشف ہوتا ہے، ایمان کا بھی کشف ہوتا ہے۔ یہ ساری کی ساری کشف کی قسمیں ہیں۔

کشف حاصل ہونے کے لیے سب سے پہلی منزل ہے گناہ سے دور ہونا۔ اگر کوئی شخص گناہوں میں بھی ملوث ہے اور ساتھ ہی کشف کے دعوے کرتا ہے تو یاد رکھیے کہ کشف کی دو قسمیں ہیں:

۱) کشفِ رحمانی

۲) کشفِ شیطانی

بعض اوقات لوگ بھنگ پیتے ہیں، منشیات کا استعمال کرتے ہیں تو وقتی طور پر ان کی چھٹی حس بیدار ہو جاتی ہے اور بعض اوقات ایسی چیزوں کا ادراک کر لیتے ہیں جو عام انسان نہیں کرتا تو یاد رکھیں کہ ان کا یہ کشف، کشفِ شیطانی ہے۔ اللہ کریم ان سے محفوظ رکھے۔

حضرت مجدد پاکؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب کسی دوست پر کوئی کشفی کیفیت آئے تو اس کو کشفِ حقیقی یا غیر حقیقی سمجھنے کے لیے فوری طور پر کہیں لاحول ولا قوۃ الا باللہِ العلی العظیم۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلویؒ کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ حضور! مجھے اللہ تعالیٰ نے بڑا مقام عطا کیا ہے اور میں ہر روز اپنے رب کو سمندر کے اوپر کھلی آنکھوں سے جلوہ فرما دیکھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا، کیسے؟ کہتا ہے جناب میں دیکھتا ہوں کہ سمندر پر ایک تخت بچھا ہے اور اس تخت کے اوپر میرا رب جلوہ گری فرماتا ہے اور میں اس کے سامنے سجدے میں گر جاتا ہوں اور اس کے

سامنے بڑی مخلوق سجدہ ریز ہوتی ہے اور میرا رب مجھے کہتا ہے کہ میں تم سے بہت خوش ہوں تم نے میری بڑی عبادت کر لی ہے اب اگر تم عبادت نہ بھی کرو تو تمہارا مقام نہیں گرے گا۔ اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلویؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ آج تم اس طرح کرنا کہ جب تمہارا رب سمندر پر جلوہ گری کرے اور اس کے سامنے لوگ سجدہ ریز ہو جائیں تو تم کہنا **لاحول و لا قوۃالا بااللہ العلی العظیم** اور اس کے بعد اپنے ہاتھوں کو اس طرح کھول لینا اور پڑھتے جانا 'یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ' اور ہاتھوں کو ایک دوسرے کے قریب کرتے جانا۔ دوسرے دن وہ آیا اور چیخ مار کے اعلیٰ حضرتؒ کے قدموں میں گرا۔ کہتا ہے کہ حضور عجیب ہوا وہ جو سمندر پر جلوہ گری کرتا تھا میں نے اس کے سامنے کہا **لاحول ولا قوۃالا بااللہ العلی العظیم** تو اچانک فضاؤں میں تاریکی چھا گئی، نہ وہ تخت تھا، نہ وہ خدا تھا، نہ اس کے جلوے تھے، نہ اس کے سجدہ کرنے والے تھے، سب کچھ تباہ و فنا ہو کر فضاؤں میں بکھر گیا۔ تو جب کبھی آپ کو کشف ہو تو آپ اس کو کشفِ حقیقی یا غیر حقیقی تمیز کرنے کے لیے فوری طور پر پڑھیں، **لاحول ولا قوۃالا با اللہ العلی العظیم**۔ اس کے بعد اس نے بتایا کہ حضور جب میں اپنے ہاتھوں کو ایک دوسرے کے قریب کرتا چلا گیا، جوں جوں میرے ہاتھ قریب ترین ہوئے تو جونہی میرے ہاتھ ملنے والے تھے تو اس نے چیخیں مارنا شروع کر دیں اور پتا چلا کہ وہ شیطان تھا۔

یاد رکھیں! راہِ طریقت کے مسافرو! شیطان بڑی کوشش کیا کرتا ہے آپ سے یہ نور چھیننے کی۔ اس کو بڑی تکلیف ہو رہی ہے کہ اس وقت اللہ کے کئی سو بندے بیٹھے ہوئے اللہ کا ذکر کر رہے ہیں اور اس کے لیے وہ پوری کوشش کرتا ہے کہ اللہ کے دوستوں کو صراطِ مستقیم سے ہٹائے اور کشفِ غیر صریح یا غیر حقیقی دے کر اس راہِ حق سے ہٹانے کی کوشش کرتا ہے۔ اللہ کریم

ہم سب کو شیطان کے مکر وفریب سے محفوظ رکھے۔کشف کی کتنی قسمیں ہوتی ہیں اور کون سا کشف کس طرح اور کس مقام پر حاصل ہوتا ہے، یہ بڑی لمبی چوڑی بحثیں ہیں لیکن آج کی بات کا پہلا نکتہ یہ ہے کہ کشفِ حقیقی کی ابتداء سچی توبہ سے ہوتی ہے اور کشفِ غیر حقیقی لا حول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھنے سے دور ہو جاتا ہے۔

اگر کسی دوست کی کوئی کیفیت آپ دیکھیں جو اچھی نہ ہو تو آپ کا ظرف بڑا ہونا چاہئے مثلاً فرض کریں میں گنہگار، مسکین اللہ کا بندہ ہوں مجھ میں آپ اگر کوئی خامی دیکھتے ہیں تو اپنی توجہ سے، اپنے اندر کے نور سے اس کو صاف کرنے کی کوشش کریں۔ یہ اصل کام ہے اس ناچیز کی بھی یہی ڈیوٹی ہے۔ جب میں دیکھتا ہوں کہ کسی ساتھی کے لطیفۂ سرّی میں مجھے خامی نظر آرہی ہے یا لطیفۂ روحی میں مجھے خامی نظر آرہی ہے تو میں اپنے لطیفۂ سری یا روحی کے انوارات جو اللہ کریم نے مجھے عطا فرمائے ہیں میں ان کے ذریعے سے ان کو صاف کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔

مرشد وانگ دھوبی دے ہووے
جیہڑا کپڑے وانگن چھنڈے

ہم دھوتے ہیں ایک دوسرے کی روحوں کو یہاں پر۔ آپ یقین مانیں کہ جو ساتھی کشف والے ہیں وہ جانتے ہیں اور دیکھ رہے ہیں کہ روحیں دھل رہی ہیں یہاں پر۔ اللہ کریم مشاہدے کرا دیتے ہیں دوستوں کو۔ یہ دیکھا ہے آپ نے آنکھوں سے کہ دوستوں میں جہاں خامی نظر آئی اللہ کریم نے توجہ کی برکت سے اس تاریکی کو نور میں بدل دیا! دعا کریں اللہ کریم اس محفل کو ابدالآباد تک قائم رکھے۔ آمین۔

وما علینا الا البلاغ المبین

توجہ

ہم ہر محفل میں کچھ مسائلِ طریقت کا ذکر کرتے ہیں آج بھی ایک انتہائی اہم مسئلے کا ذکر ہونا ہے جس کے بارے میں تمام دوستوں کے سوالات اور استفسارات ہوتے ہیں۔ ساتھی پوچھتے ہیں، یہ توجہ کیا ہوتی ہے؟ اور اس کی کتنی قسمیں ہوتی ہیں؟ توجہ کون کرسکتا ہے، کون نہیں کرسکتا؟ کس کو توجہ کا حق ہے اور کس کو توجہ کا حق حاصل نہیں ہے؟ یہ سارے مسائل اپنے مقام پر بہت اہم ہیں اور ان کو سمجھنے کی بہت ضرورت ہے۔

یاد رکھیں! توجہ زندگی کا جوہر ہے۔ جو کام آپ توجہ سے کریں گے وہ ٹھیک ہوگا جو توجہ سے نہیں کریں گے ٹھیک نہیں ہوگا۔ اگر کمرۂ امتحان میں بیٹھے ہوئے ایک طالب علم نے توجہ سے سوالنامہ پڑھا ہی نہیں تو جواب کیا خاک دے گا۔ اگر آپ کسی کو پہچاننے کی کوشش کر رہے ہیں آپ توجہ کریں گے تو پہچانیں گے آپ توجہ نہیں کریں گے تو پہچان نہیں پائیں گے لہذا یوں کہنا چاہیے کہ زندگی میں توجہ بنیادی کلید (چابی) کی حیثیت رکھتی ہے۔ ہر کام میں ایک توجہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طریقے سے ہمارے ہاں طریقت میں بھی توجہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ شیخ کا اپنے مرید کی طرف فیض دینے کے لیے متوجہ ہو جانا اور مرید کی طرف سے بھی ایک توجہ ہوتی ہے، اکتسابِ فیض کرنے والے کی طرف سے بھی ایک توجہ ہوتی ہے اور وہ توجہ یہ ہے کہ فیض حاصل کرنے والے کا، فیض حاصل کرنے کے لیے متوجہ ہو جانا۔ گویا یوں کہنا چاہیے کہ ایک ہی وقت میں دو توجہات ہو رہی ہوتی ہیں، ایک فیض دینے والے کی توجہ اور ایک فیض لینے والے کی توجہ۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ توجہ کرنے کا حق کس کو ہے؟

کبھی کبھی ایسے بھی ہوسکتا ہے کہ مارکیٹ میں کوئی شخص پھر رہا ہو اور کہے توجہ کرا لو۔ ایسوں سے بچنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ ہر ایک کو توجہ کا حق نہیں ہوتا۔ توجہ کا حق اسے ہوتا ہے، جسے سرکارؐ نے عطا کیا ہو یعنی یوں کہیں کہ جب وہ توجہ کرے تو سید الاولین والآخرین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم بھی متوجہ ہو جائیں، حضرت صدیق اکبرؓ بھی متوجہ ہو جائیں، حضرت امام قاسمؒ بھی متوجہ ہو جائیں، حضرت امام جعفر صادقؒ بھی متوجہ ہو جائیں، حضرت بایزید بسطامیؒ کی توجہ بھی آ جائے اور حضرت امام ربانیؒ بھی متوجہ ہو جائیں۔ سرکار غوث اعظمؒ بھی متوجہ ہو جائیں اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ بھی متوجہ ہو جائیں اور خواجہ خواجگان والئ ہند سرکار بھی متوجہ ہو جائیں اور یوں فیض برسنے لگ جائے محفل پر کہ پتہ چلے آج ہمارے آقاؤں کی توجہ آ رہی ہے۔ توجہ کرنے کا حق اس کو ہے جس پر یہ ساری سرکاریں راضی ہوں۔ اب یہاں بہت لطیف نکتہ ہے کہ جب یہ ساری سرکاریں راضی ہوتی ہیں، جب یہ ساری ہستیاں راضی ہوتی ہیں تو کسی کو اپنا مجاز کر دیتی ہیں۔ جہاں ہمارا کام ہوگا وہاں یہ کرے گا یعنی سرکار کی طرف سے لے کر اپنے شیخ کامل تک اجازت عطاء ہو جاتی ہے کہ جہاں ہماری نمائندگی کی ضرورت ہوگی ہماری نمائندگی یہ کرے گا۔ اب ہوتا یہ ہے کہ جس طرح ہر اصل کی ایک نقل ہوتی ہے اسی طریقے سے طریقت کی دنیا میں بھی نقالوں سے بچئے۔

اس کی ضرورت کیوں ہے؟ ایک ساتھی نے میرے سامنے مسئلہ بیان کیا۔ فرمانے لگے کہ جناب! میں فلاں آدمی سے جب توجہ کراتا ہوں تو مجھ پر نفسانیت غالب کر جاتی ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ میں نے ان سے فوراً کہا آج کے بعد اس آدمی کی توجہ نہیں لینی۔ پوچھنے لگے جناب اس کا سبب؟ تو میں نے ان کو جو چیز بتائی تھی وہ سب دوستوں کو بتا رہا ہوں کہ توجہ کا مطلب ہے اپنے

اندر کی دنیا سمیت کسی کی طرف متوجہ ہو جانا۔ جب کسی کے اندر حسد ہوگا تو وہ توجہ میں حسد تقسیم کر دے گا۔ جب کسی میں تکبر ہوگا تو وہ توجہ کرتے ہوئے تکبر تقسیم کر دے گا۔ اگر کسی کے اندر حرصِ دنیا ہے اور وہ توجہ کر رہا ہے تو وہ توجہ میں حرصِ دنیا تقسیم کر دے گا اور اس کی توجہ کے نتیجے میں حرصِ دنیا پیدا ہو جائے گی۔ اگر کسی کے اندر غیض وغضب انتہاء درجے کا ہے، درندگی ہے تو جب وہ توجہ کرے گا تو وہ درندگی دے دے گا۔ اس لیے یہ یاد رکھیں کہ جس آدمی کے سامنے آپ توجہ کے لیے بیٹھیں تو آپ کے ذہن میں پکا نقشہ موجود ہونا چاہیے کہ یہ سرکارؐ کے دربار کا آدمی ہے ورنہ کہیں ایسا نہ ہو سارا سفر بے کار ہو جائے اور یہ یاد رکھیں کہ توجہ طریقت کا ایک بنیادی مسئلہ ہے اور اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے مشائخ نے اکثر ساتھیوں کو تربیت دی ہے۔

آج میں آپ کو توجہ کی چار بڑی بڑی اقسام کے بارے میں بتا رہا ہوں۔ توجہ کی پہلی قسم ہے القائی توجہ۔ القائی توجہ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ شیخ کے دل میں خیال ہے کہ میرا یہ تخیل میرے عزیز کے دل میں اسی طرح پیدا ہو جائے جس طرح میرے دل میں ہے مثلاً شیخ کے دل میں عشقِ رسولؐ ہے اور شیخ چاہتے ہیں کہ میرے عزیز کے دل میں عشقِ رسولؐ پیدا ہو تو وہ سرکارؐ کی بارگاہ سے رابطہ کر کے توجہ کریں گے اور ساتھی کے دل میں وہ محبتِ رسول ﷺ موجزن ہو جائے گی! یا اگر شیخ چاہتے ہیں کہ مرید کے اندر جذبۂ جہاد پیدا ہو تو وہ مجاہدینِ اسلام کے سارے کارناموں کو ذہن میں رکھ کے توجہ فرمائیں گے تو ان کے مرید کے دل میں جذبۂ جہاد جنم لے گا تو اس توجہ کو کہتے ہیں القائی توجہ یعنی کوئی ایسی بات القاء کر دینا جو شیخ چاہتے ہوں کہ القاء ہو۔ یہ توجہ جب مل جائے تو اس توجہ کی بڑی حفاظت کی ضرورت ہوتی ہے مثلاً آپ کے شیخ نے آپ پر توجہ کی اور توجہ میں آپ کے دل میں عشقِ رسولؐ کے جذبے نے جنم لیا تو اب آپ نے

اس جذبے کو ابھارنے کے لیے مزید بھی support لینی ہے مثلاً ایسی کتابیں پڑھیں جن سے سرکار کی محبت پیدا ہو۔ ایسے دوستوں سے ملیں جن سے سرکار کی محبت پیدا ہو۔ ایسی جگہوں پر جائیں جن سے سرکار کی محبت پیدا ہو تو اس طریقے سے شیخ نے جو بیج بویا ہے وہ تناور درخت بن جائے گا۔ القائی توجہ کے بعد اس پر مسلسل محنت کی ضرورت رہتی ہے۔ جب آپ محفل سے اٹھیں اور آپ کے ذہن میں ایک جذبہ پیدا ہو چکا ہو، اس جذبے کی حفاظت کی ضرورت ہے۔

دوسری توجہ ہے انعکاسی توجہ: انعکاسی توجہ یہ ہوتی ہے کہ جس طرح آپ آئینے کے سامنے کھڑے ہیں اور آپ کو سب کچھ نظر آ رہا ہے۔ آئینہ سامنے سے ہٹالیا تو سارا منظر غائب۔ اسی طرح مرید جب شیخ کے سامنے بیٹھا ہوا ہے اور اس پر کشف آجائے اس پر کیفیات آجائیں تو خوش ہو جائے کہ الحمد اللہ مجھ پر بڑے کرم ہو رہے ہیں لیکن اس کو علم ہونا چاہیے کہ ممکن ہے کہ یہ توجہ انعکاسی ہو کہ شیخ کے سامنے سے اٹھے تو سب کچھ اٹھ جائے لہٰذا انعکاسی توجہ جب حاصل ہو جائے کوشش کریں کہ اس کو ذہن میں بار بار دہرائیں تاکہ اس انعکاس کی تکرار ہوتی رہے اور انسان کے فیض کا سلسلہ آگے چلتا رہے۔

تیسری قسم کی توجہ ہے انصباغی توجہ:

انصباغی توجہ یہ ہوتی ہے:۔ صبغہ کہتے ہیں رنگ کو۔ صبغۃ اللہ۔ سب سے اچھا رنگ اللہ کا ہے۔ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَه: کون ہے جس کا رنگ اللہ سے بہتر ہو، قرآنِ عظیم الشان میں ہے۔ صبغہ کہتے ہیں رنگ کو اور انصباغ کہتے ہیں کسی کو رنگنے کو۔ شیخ جب کسی پر بہت خوش ہوتے ہیں تو اس کے لطائف پر، قلب، روح، سری، اخفاء، نفسی، قالبی پر اس طرح توجہ کرتے ہیں کہ اپنے دل کے انوارات القاء کر دیتے ہیں۔ جس طرح ساتھی جانتے

ہیں کہ لطیفہ قلبی کا رنگ orange ہے۔ لطیفہ روحی کا رنگ گلاب کی طرح کا ہے۔ لطیفہ سری کا رنگ سفید ہے، لطیفہ خفی کا رنگ crimson ہے، لطیفہ اخفاء کا رنگ سبز ہے۔ لطیفہ نفسی میں سارے ہیں اور قالبی کا رنگ آفتابی ہے۔ آپ جانتے ہیں جب شیخ راضی ہوتے ہیں تو ان رنگوں میں سے آپ پر بوچھاڑ کر دیتے ہیں رنگوں کی اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ان رنگ و نور کی دنیا میں انسان کی روح نہا جاتی ہے اور اس کو وہ وہ سیریں وہ، وہ مکشوفات ہوتے ہیں وہ، وہ کیفیات ملتی ہیں جس کا عام آدمی تصور بھی نہیں کر سکتا۔

اور یاد رکھیے! انصباغی توجہ میں ہی کشف ہے۔ گزشتہ محفل میں ہم نے کشف پر گفتگو کی تھی اور دوستوں نے اسے بہت غور سے سنا تھا۔ یاد رکھیے! انصباغی توجہ کے اندر کشف ہے اور انصباغی توجہ اسے حاصل ہوتی ہے جو پانچ بنیادی رذائلِ نفس سے نجات حاصل کر چکا ہو۔ جذبہ شہوانیت و حیوانیت ایک۔ غیض و غضب دو۔ حرصِ دنیا تین۔ حسد چار اور تکبر پانچ۔ ان پانچ رذائلِ نفس کے خلاف جہاد کرنا ہے زندگی میں۔ یہ پانچ نفس کے اتنے بڑے امراض ہیں کہ جن کو جب تک دور نہیں کریں گے تصوف کی دنیا میں ایک قدم اٹھانا نصیب نہیں ہوگا۔ اس لیے کسی کے خلاف دل میں کینہ نہیں رکھنا، دنیا کی محبت میں ہرگز ہرگز مبتلا نہیں ہونا، کسی کے لیے حسد کو دل میں پرورش نہیں دینی، تکبر سے اللہ کریم کی پناہ مانگنی ہے، ہر وقت ان پانچ بنیادی رذائلِ نفس کے خلاف جہاد کرنا اور اللہ کی مخلوق کی بہتری سوچنی ہے۔

جو شخص ان پانچ رذائلِ نفس سے نجات حاصل کر لیتا ہے اللہ کریم اس کے لطائف کی نورانیت کو بڑھا کر وہ کیفیت عطاء کر دیتے ہیں کہ اسلام کا وہ نور جو انسان کے صدر کے اندر رکھا گیا ہے:

اَفَمَن شَرَحَ اللّٰهُ صَدرَهٗ لِلاِسلَامِ وَ هُوَ عَلٰی نُورٍ مِّن عِندِ رَبِّهٖ

اس آیہ کریمہ میں جس نور کا ذکر آتا ہے اور اس حدیثِ کریمہ میں جس نور کا ذکر آتا ہے:

اتقو فراست المو من فانه ینظر بنور الله

کہ مومن کی فراست سے ڈرو ، وہ اللہ کے دیے ہوئے نور سے دیکھتا ہے۔

وہ نور اس آیت کا نور یا نورِ ہدایت اسے نصیب ہوتا ہے جو ان پانچ رذائلِ نفس سے بچتا ہے۔ ان پانچ رذائلِ نفس کے خلاف جہاد ضروری ہے تب آپ کو شیخ کی انصباغی توجہ نصیب ہوگی اور انصباغی توجہ بہت بلند نصیب کی چیز ہے۔

اس کے بعد توجہ کی ایک اور انتہائی عظیم قسم بھی ہے۔ اس کو کہتے ہیں اتحادی توجہ۔ شیخ نے دیکھا کہ یہ مرید اس طرح ہے جس طرح وائرنگ ہو چکی ہو، میٹر لگ چکا ہو اور کرنٹ آرہا ہو، صرف سوئچ آن کرنے کی دیر ہے اور مرید کو شیخ ایک نگاہ میں اپنے جیسا کردے اسے کہتے ہیں اتحادی توجہ۔ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ ایک رات کا واقعہ ہے کہ آپ کے پاس کچھ مہمان آئے۔ ان مہمانوں نے کچھ کھایا پیا نہیں تھا تو آپ نے اپنے ایک عزیز سے کہا کہ بھئی اگر مہمانوں کے لیے کچھ بندوبست کرسکو تو۔ وہ اتفاقاً نانبائی تھے۔ انہوں نے گھر میں ایک بیل باندھا ہوا تھا۔ اسی وقت ذبح کیا اور روٹیاں پکا کر مہمانوں کی خدمت میں کھانا پیش کردیا۔ اب رات کے کافی پہر گزر چکنے کے بعد کا وقت ہے۔ پوری مخلوقِ خدا سوئی ہوئی ہے۔ اس کے گھر میں صرف ایک متاع ہے اور وہ اس کا بیل ہے، وہ ذبح کر کے گھر میں جتنا آٹا تھا وہ پکا کر شیخ کے مہمانوں کے لیے پیش کردیتا ہے۔ حضرت خواجہ باقی باللہؒ بھی تو آخر حضرت شیخ مجددؒ کے مرید تھے۔

موج میں جب آگئے قطرے کو دریا کردیا

تو فرمانے لگے بولو کیا مانگتے ہو۔ اس نے کہا حضور میں کچھ نہیں مانگتا مجھے آپ کی

دعا چاہیے۔ آپ نے کہا نہیں مانگو کیا مانگتے ہو؟ جس طرح سرکارؐ کبھی کرم میں آتے تھے تو فرماتے سَلْ ما شِئتَ مانگ لو جو کچھ مانگنا چاہتے ہو۔ تو انہوں نے آخر کہا حضور! اگر آپ مائل بہ کرم ہیں ہی تو مجھے اپنے جیسا کر دیں اور پھر جب دونوں ہستیاں باہر نکلیں تو لوگوں کو پہچان نہیں ہو رہی تھی کہ حضرت باقی باللہؒ کون ہیں اور وہ دوسرے ساتھی کون ہیں لیکن چونکہ ایک دم فیض کا اتنا بڑا ریلا آیا، اتنی بڑی لہر آئی کہ وہ برداشت نہ کر سکے اور شہید ہو گئے تو بعض ابتہادی توجہ کے انتظار میں رہتے ہیں اور ابتہادی توجہ ہر ایک کے نصیب کی بات نہیں اور جس کو نصیب ہو جائے اس کے نصیب کی بھی کیا بات ہے۔

آج کی اس محفل میں؛ میں نے چار قسم کی توجہ کا ذکر کیا ہے۔ القائی توجہ، انعکاسی توجہ، انصباغی توجہ اور ابتہادی توجہ۔ یہ چاروں توجہات مشائخ کاملین اپنے مریدین پر ان کے ظرف کے مطابق اور اپنے مقام کے مطابق کرتے ہیں۔ الحمدللہ اسلام کے نورِ ہدایت کا یہ سلسلہ جاری و ساری ہے اور انشاءاللہ تا قیامت جاری اور ساری رہے گا۔

اور یاد رکھیں! کہ توجہ صرف اور صرف وہ کرے گا جو میرے سلسلہ میں حضرت قبلہ پیرِ پیران صاحبؒ سے اجازت یافتہ ہوگا۔ میں نے یہ قانون بنا دیا ہے۔ اس کے علاوہ کسی آدمی کو میرے کسی ساتھی پر توجہ کی اجازت نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ناقص آدمی کی توجہ سے بنے بنائے کام بگڑ جاتے ہیں۔ اپنا کام خود خراب نہیں کرنا۔ انتہائی نازک مقام ہے اور انتہائی نازک سلسلہ ہے۔ اللہ کریم ہمیں محفوظ رکھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فیضان ہم پر جاری فرمائے۔ آمین۔

وما علینا الا البلاغ المبین

علمِ طریقت کے اساسی ستون

آج بھی حسبِ معمول ہماری یہ پاکیزہ محفل اسی تقدس کے ساتھ ہو رہی ہے اور الحمدللہ آج بھی سرِ زمین طیبہ کا ابرِ کرم ہم پر اسی شان سے برسا ہے۔ اللہ ربُ العزت کا بڑا فضل وکرم ہے کہ ہمارے دوستوں کے ذوق وشوق میں یہ اضافہ دینِ اسلام کی اس علاقے میں ایک نئی صبح کی تمہید لگ رہا ہے انشاءاللہ یہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہوگی۔ آج کی اس محفل میں آپ کو یہ عرض کرنا ہے کہ ہمارے ہاں مشائخ کے سلسلے میں جو نظام رائج ہے اس نظام میں علم کی کیا value ہے مثلاً ہمارا سلسلۂ عالیہ چشتیہ شریف بھی ہے؛ ہمارا سلسلۂ عالیہ قادریہ شریف بھی ہے، ہمارا سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ شریف بھی ہے، ہمارا سلسلۂ عالیہ سہروردیہ شریف بھی ہے، ہمارا سلسلۂ عالیہ قادریہ قلندریہ شریف بھی ہے اور اویسیہ شریف بھی ہے۔ یہ میں ان سلسلوں کے نام لے رہا ہوں جنہوں نے ہمیں نوازا ہوا ہے تو ان سلاسل میں چلنے کے لیے جس متاعِ سفر کی ضرورت ہے اس کے حوالے سے علم کی حقیقت اور value کیا بنتی ہے۔ آج تھوڑی سی گفتگو اس موضوع پر کرنی ہے کیونکہ جب سے طریقت کے سلسلے چلے ہیں اگر سلاسلِ طریقت کو کہیں ندامت اٹھانا پڑی ہے تو وہ بے علموں کے ہاتھوں اٹھانا پڑی ہے مثلاً اعلیٰ حضرت فاضل بریلویؒ ایک جگہ تشریف لے گئے اور ایک صاحب کو دیکھا کہ ایک جگہ بیٹھے ہوئے ہیں اور بار بار اپنی ناک اپنی جیب کی طرف کر رہے ہیں۔ اعلیٰ حضرتؒ نے ان سے پوچھا کہ حضرت یہ آپ کیا کرتے ہیں تو انہوں نے جواب دیا؛ اس سے پہلے یہ سن لیں کہ وہ اپنی جگہ پر بہت بڑے پیر تھے، مخلوق ان کے پاس جاتی تھی، ان کو اپنا مرشد اور پیشوا سمجھتی تھی اور وہ بھی بزعمِ خود اپنے

آپ کو فقیر سمجھتے تھے۔انہوں نے جو جواب دیا اعلیٰ حضرتؒ کو وہ یہ تھا کہ حضور! آج سے تیس برس پہلے میرے نفس نے خواہش ظاہر کی کہ میں خوشبو سونگھوں تو میں نے کہا میں تیری یہ بات نہیں مانوں گا اور میں ساری زندگی تجھے بدبو سنگھاؤں گا تو میں نے نفس کی مخالفت شروع کر دی اور اس وقت سے لے کر آج دن تک میں نے گندگی جیب میں ڈال رکھی ہے اور ہر وقت سونگھتا رہتا ہوں۔اب بزعم خود انہوں نے تیس سال تک نفس کی مخالفت کی مگر نفس کی مخالفت میں ایمان کا بیڑہ غرق کر دیا۔

اس بدبخت کو یہ نہیں پتا تھا کہ حضور شہنشاہ دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں کہ: حُبّبَ علیَّ الطِیبُ و النساء وَ قُرۃُ عینِی فیِ الصلوٰۃ، کہ میرے لیے پسندیدہ بنادی گئی ہیں ایک خوشبو، ایک اس اسلامی معاشرے کے اندر عورت کا مقام، میرے لیے عورت کا مقام بہت محترم ہے اور تیسری میری آنکھوں کی یہ ٹھنڈک جو نماز پڑھ رہی ہے۔ یہاں پر میں ایک نکتہ عرض کر رہا ہوں کہ یہاں پر میں نے یہ ترجمہ نہیں کیا کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔میں نے یہ ترجمہ کیا ہے کہ یہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک جو نماز پڑھ رہی ہے۔اس سے مراد یہ ہے کہ جب سرکار ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا تو اس وقت حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرہؓ نماز پڑھ رہی تھیں۔آپ ﷺ نے ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک جو نماز پڑھ رہی ہے تو یہاں آنکھوں کی ٹھنڈک سے مراد حضرت فاطمہؓ ہیں۔آپ نے اکثر علماء کی زبانی یہ سنا ہوگا کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے اگر علماء اس سے نماز کی اہمیت جتانا چاہیں تو یہ اچھی بات ہے،اس کو رد نہیں کرنا لیکن شارحین حدیث نے جو متن حدیث کو بیان کرتے ہوئے اس کا جو سیاق وسباق اور context لکھا ہے اس میں یہ

فرمایا ہے کہ میری آنکھوں کی یہ ٹھنڈک یعنی حضرت فاطمۃ الزہرہؓ جو نماز پڑھ رہی ہیں۔ اس شخص نے جس نے نفس کی بظاہر مخالفت کر کے تیس سال تک گندگی سونگھی ہے اس نے سرکار ﷺ کی حدیث پاک کی تیس سال تک مخالفت کی ہے۔ سرکارؐ کی پسندیدہ چیز کی تیس سال تک مخالفت کی ہے۔

ہمارے ہاں طریقت کیا ہے؟ ہمارے ہاں طریقت یہ ہے کہ

خلافِ پیغمبر کسی راگزید

ہرگز بمنزل نخواہد رسید

نہ پندار سعدی کہ راہِ صفا

رفت جز درگاہِ مصطفیٰؐ

سعدی تم کبھی نہ سمجھو کہ صفا کا راستہ پیغمبر مصطفیٰ ﷺ کی تقلید کے بغیر طے کیا جاسکتا ہے کبھی نہیں، کبھی نہیں، کبھی نہیں۔ یہاں سب سے بڑی بات ہے اتباعِ رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ اب اتباعِ رسول پاکؐ کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ سرکار کے بارے میں ہماری معلومات قوی ہوں اب مثلاً کوئی ساتھی ایسے ہوں کہ جنہوں نے ابھی تک ناظرہ قرآن نہ پڑھا ہو اور وہ یہ لطائف کر رہے ہوں، مراقبات کر رہے ہوں تو انھیں یہ جاننا چاہئے کہ مجھے پہلے قرآن پاک کو پڑھنا ہے۔ اگر کوئی ساتھی ایسے ہوں کہ جن کو حدیث پاک سے کوئی خاص ربط نہ رہا ہو تو میں یہ ضرور کہوں گا کہ قرآن کا متن، حدیث کا متن اور تاریخِ اسلام ان موضوعات پر آپ کا knowledge جتنا قوی ہوگا اتنی ہی اس سلسلے کی آپ کو سمجھ آئے گی۔

انسان نے جب سے اس عالمِ رنگ و بو میں قدم رکھا ہے اس وقت سے لے کر آج تک اپنے مسائل حل کرنے کی کوشش کرتا رہا ہے اور اپنے اردگرد پھیلی ہوئی اس کائنات کو سمجھنے کی کوشش کرتا رہا ہے مثلاً حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام دنیا میں تشریف لائے آپ نے دیکھا کہ یہ چاند ہے، یہ سورج ہے، یہ ستارے ہیں، یہ چلتی ہوئی ہوائیں ہیں، یہ درختوں کی ٹھنڈی چھاؤں ہے، یہ بہتے ہوئے پانی ہیں، یہ پھوٹتا ہوا سبزہ ہے۔ یہ زمین کی مٹی ہے، پتھر ہیں اور اشجار ہیں۔ یہ فضاؤں میں اڑتے ہوئے پرندے ہیں۔ یہ میدانوں، جنگلوں اور کہساروں میں پھرتے ہوئے جانور ہیں، یہ سارا کچھ کیا ہے؟ اور پھر یہ ایک دوسرے سے رابطے کے لیے کیا کرتے ہیں تو حضرت آدم علیہ السلام کا علم تو علمِ نبوت تھا۔ آپ کی جب اولادیں ہوتی چلی گئیں تو ایک stage ایسی بھی آئی کہ جب براہِ راست انبیاء سے لوگوں کا رابطہ نہ ہوا تو لوگوں نے اپنا ذہن استعمال کر کے پھر سوچنا شروع کر دیا۔ انسان نے سوچا، بہت سوچا، بہت سوچا۔۔۔ لیکن حقیقت کا وہ ادراک جو انبیائے کرام کو ہوتا ہے وہ اسے نہ ہو سکا۔ وہ استعمال کرتا رہا یا آنکھوں کو، وہ استعمال کرتا رہا یا کان کو، وہ استعمال کرتا رہا ناک کو یا چھونے کی حس کو، یا زبان کو۔ ان حواس کے استعمال سے انسان کو جو جو تجربے حاصل ہوتے رہے انسان ان تجربات کو جمع کر کے نتیجے نکالتا رہا۔ انسان کے نکالے ہوئے نتیجے کبھی صحیح ثابت ہوتے رہے اور کبھی غلط ثابت ہوتے رہے۔ اس طریقے سے انسان کی تہذیب چلتی رہی، مسائل پیدا ہوتے رہے، حل ہوتے رہے، پھر مسائل پیدا ہوتے رہے، پھر حل ہوتے رہے۔ یوں کہنا چاہئے کہ اس طریقے سے علمِ انسانی دو حصوں میں بٹ گیا۔ ایک وہ علم تھا جو حضرت آدم علیہ السلام بطور فیضانِ نبوت لے کے آئے اور دوسرا وہ علم تھا جسے انسان اپنے تجربات کی روشنی میں جمع کرتا چلا گیا اور جمع ہوتے

ہوتے انسان کی تہذیب قرار پایا۔ اب فلسفی ہے تو اس کا معیار ہے انسان کی سوچی ہوئی چیز منطقی ہے تو اس کا معیار ہے انسان کی سوچی ہوئی چیز۔ صرفی اور نحوی ہے تو اس کا معیار ہے انسان کی سوچی ہوئی چیز، اگر کوئی نفسیات کا ماہر ہے، اگر کوئی عمرانیات کا ماہر ہے، اگر کوئی Anthropology کا یعنی انسانوں کی رہائش کا علم ہے اس کا ماہر ہے، اگر races یعنی نسلوں کا ماہر ہے، اگر معدنیات کا ماہر ہے، اگر زراعت کا ماہر ہے تو یہ سارے ماہرین سوچتے ہیں انسانوں کی سوچوں کی بنیاد پر لیکن ایک وہ ہستیاں ہیں جو سوچتی ہیں اللہ کے دیے ہوئے علم کی بنیاد پر۔ یوں کہنا چاہئے کہ ایک طرف تجربہ اور عقل ہے دوسری طرف وحی اور وجدان ہے۔ اب جن لوگوں نے مکمل تجربے اور عقل پر انحصار کیا وہ گمراہ ہوتے چلے گئے اور وہ لوگ جنہوں نے وجدان کو سمجھنے کی کوشش کی لیکن ظاہری دنیا سے جن کا رابطہ نہیں تھا وہ مجذوب ہوتے چلے گئے۔ یہ اس معنیٰ میں سفر میں رہ گئے اور وہ اُس معنیٰ میں سفر میں رہ گئے۔

اب ایک تیسرا طبقہ تھا کہ جس نے عقل اور تجربے کو وحی کی خدمت میں لا کھڑا کر دیا۔ عقل اور تجربے کو وجدان کی خدمت میں لا کر کھڑا کر دیا کہ اے انبیاء کرام اور اے سید المرسلینؐ! ہماری عقل بڑی چیز ہے لیکن آپ کے فرمان کے تابع ہے، ہمارا تجربہ بڑی چیز ہے لیکن آپ کے فرمان کے تابع ہے۔ اب ان عقل والوں نے تفسیر لکھی، ان تجربے والوں نے حدیث لکھی۔ ان عقل والوں نے سرکارؐ کی تعریف لکھی، ان تجربے والوں نے سرکارؐ کے فرامین کو جمع کیا۔ اب عقل، تجربہ اور سرکارؐ کا علمِ وحی و وجدان جب جمع ہو گیا تو یہ تصوف قرار پایا۔ صرف علمِ ظاہری پر اگر انحصار ہوگا تو وہ عقل کی بات ہوگی لیکن عقل، تجربہ اور وجدان جمع ہوگا تو یہ روحانیت کی بات ہوگی۔ یوں کہنا چاہئے کہ سرکار کی طرف لائی ہوئی وحی، وجدان کے ذریعے

سے جب ہم پر وارد ہوتی ہے اور ہم اس کو عقل اور تجربے کی روشنی میں پرکھتے ہیں تو یہ علم طریقت قرار پاتا ہے لہٰذا اگر آپ سے کوئی پوچھے کہ علمِ طریقت کے چند اساسی ستون کیا ہیں تو آپ اسے کہیں، اس کا پہلا ستون ہے سرکار کی وحی، دوسرا ستون ہے وہ وجدان جس سے سرکار کے غلام اپنا علم حاصل کرتے ہیں بذریعہ قلب، اس کا تیسرا ستون ہے عقل اور اس کا چوتھا ستون ہے تجربہ۔ جب ان سارے ستونوں پر یہ عمارت کھڑی ہوتی ہے تو تصوف قرار پاتی ہے۔ علمِ ظاہر صرف تجربے اور عقل کو لیے لیے پھرتا ہے اور مجاذیب یعنی مجذوب لوگ صرف اور صرف وجدانی تجربات کو لیے پھرتے ہیں لیکن نقشبندی، قادری، چشتی، سہروردی ان سب چیزوں کو اکٹھا کر کے اس دنیا کے اندر شمشیرِ مصطفیٰؐ بن کے چلتے ہیں۔ ان کے علم کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا، ان کے تجربے کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا، ان کی عقل کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا، ان کی بصیرت کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا۔ اسی لیے سرکارؐ فرماتے ہیں:

اِتَّقُو فَرَاسَتِ مُومِنٍ فَاِنَّه ینظُرُ بِنُورِ اللہ

کہ مومن کی فراست سے ڈرو وہ اللہ کے دیے ہوئے نور سے دیکھتا ہے۔

اس کی خدمت میں عقل بھی ہے، اس کی خدمت میں تجربہ بھی ہے، اس کی خدمت میں وجدان بھی ہے اور اس کو سرکار ﷺ کی طرف آنے والی وحی کی تعلیمات سے بھی فیضان حاصل ہے تو اب جو ساتھی علم کے حوالے سے ذرا کمزور ہیں ان سے میں ضرور کہوں گا کہ ہماری طریقت میں قرآن کا مطالعہ اور حدیث پاک کا مطالعہ یہ Compulsory syllabus ہے ہمارا۔ جو قرآن کا مطالعہ زیادہ کریں گے، جو حدیث پاک کا مطالعہ زیادہ کریں گے اور اس کے بعد طریقت کے علوم اور معارف کا مطالعہ زیادہ کریں گے انشاءاللہ العزیز یہ راہیں ان کے لیے

روشن ہوں گی۔ میں آج کی گفتگو کا اختتام حضرت مجدد پاکؒ کے اس فرمان پر کرتا ہوں، آپ فرماتے ہیں کہ محافلِ طریقت بڑی چیز ہیں لیکن آج بھی مجھے کوئی 'توضیح وتلویح' پڑھائے تو میں محفل میں بیٹھ کر پڑھنے کے لیے تیار ہوں۔ اس لیے یاد رکھیں کہ

برائے علم چوں شمع باید گداز

بے علم نتوان خدا را شناس

علم کے لیے شمع کی مانند پگھلنا چاہیے کیونکہ بے علم آدمی اللہ کو کبھی پہچان نہیں سکتا۔

لوگوں نے بڑی غلطی کھائی ہے، لوگوں نے بڑی ٹھوکریں کھائی ہیں اور ہمارا امتیاز یہ ہے کہ ہمارے امامِ ربانیؒ جہاں اولیاء کے بادشاہ تھے، وہاں علماء کے بھی بادشاہ تھے۔ ہمارے غوث اعظمؒ جہاں اولیاء کے شہنشاہ تھے، وہاں علماء کے بھی شہنشاہ تھے۔ ہمارے داتا گنج بخشؒ جہاں اولیاء کے شہنشاہ تھے، وہاں علماء کے شہنشاہ تھے۔ ہمارے والئ ہند سرکار جہاں اولیاء کے بادشاہ تھے، وہاں علماء کے بادشاہ تھے۔ ہمارے جتنے Top-Class کے اولیاء اللہ گزرے ہیں سارے کے سارے دونوں اعتبارات سے۔ علمی اعتبار سے اور روحانی اعتبار سے بلند وبالا مقامات پر پہنچے ہیں۔

وما علینا الا البلاغ المبین

کائنات کی اصل روحانی ہے

مولا یصلی وَسَلِم دَائِماً اَبدًا علیٰ حَبِیبکَ خَیرِ الخَلقِ کُلّھِم

آج یہاں بیٹھے بیٹھے ایک بہت پیارا موضوع ذہن میں آیا جب ہمارے حافظ صاحب نے ہمارے اس علاقے کے ولیوں کے شہنشاہ سید السادات حضرت پیر مہر علی شاہ صاحبؒ کی نعت کا ایک مصرع پڑھا، بے صورت ظاہر صورت تھیں تو ایک عجیب خیال ذہن میں آیا۔ شاید وہ خیال آپ کو بہت سارے مسئلے حل کرنے میں مدد دے گا۔ کائنات میں اس وقت اور ہمیں مسلم معاشرے میں تین چیزوں کی ضرورت ہے۔ ایک تو یہ کہ ہمیں یہ یقین ہو جائے اور ہمیں اس پر مکمل دلائل مل جائیں کہ کائنات کی اصل روحانی ہے؛ آج کی میری یہ گفتگو مشکل ہو سکتی ہے لیکن میں کوشش کرتا ہوں کہ آپ اس کو سمجھ جائیں اور سمجھنے کے بعد آپ کو بہت سرور آئے گا انشاءاللہ۔ ہمیں یہ پختہ علم ہو جائے کہ کائنات کی اصل مادی نہیں بلکہ روحانی ہے۔ ایک چیز یہ جاننے کی ضرورت ہے اور جو ہمارے اہل علم ساتھی ہیں اساتذہ جو تشریف فرما ہیں، جو ایم اے کے سٹوڈنٹس ہیں ان کے لیے خصوصی طور پر یہ بات سمجھنے والی ہے۔

دوسری چیز یہ کہ انسان اس کائنات میں کتنا آزاد ہے؟ یعنی انسان کی آزادی کتنی جہتیں رکھتی ہے؟ کتنے پہلو رکھتی ہے؟ کس حد تک انسان آزاد ہے اور کس حد تک انسان پابند ہے؟

اور تیسری چیز یہ کہ کائنات کی روحانی تعبیر کو سمجھتے ہوئے اور اپنی آزادی اور پابندی کی حدود کو سمجھتے ہوئے انسان ایسے قوانین بنا لے کہ جو اس زندگی میں apply کرے تو اسے

رستۂ ہدایت پر گامزن رکھیں۔

گویا تین چیزیں ہماری بنیادی ضرورت ہیں۔ایک کائنات کی روحانی تعبیر کی ضرورت ہے، دوسرا ہمیں اپنی آزادی کی حدود و قیود کے تعین کی ضرورت ہے اور تیسرے یہ کہ ہم ایسے قوانین جان سکیں اور وضع کر سکیں جو ان پہلی دو شرطوں کی روشنی میں بنائے جائیں۔

تو آج میں آپ کی خدمت میں پہلی شق سے گفتگو کرتا ہوں کہ کائنات کی اصل روحانی ہے۔اگر ہم کائنات کو تقسیم کریں تو اس کی تین قسمیں بن سکتی ہیں: ایک مادی چیزیں، ایک غیر مادی چیزیں اور ایک خُدا کی ذات، خداوند کریم کی ذات۔

اس موضوع کو آگے چلانے سے پہلے ایک بات یہ سمجھ لیں کہ ہمارے مسلمان علماء، ہمارے مسلمان بزرگوں اور ہمارے مسلمان آئمہ کا خیال یہ ہے، ان کا نظریہ یہ ہے کہ کائنات پوری کی اصل روحانی ہے اور روح کو جب ہم بند کر دیتے ہیں زمانے کے اندر یا روح کو جب ہم بند کر دیتے ہیں مکان کے اندر تو وہ مادہ بن جاتی ہے یعنی یوں کہہ لیں کہ جب ہم روح کو بند کر دیتے ہیں، زمان و مکان کی حدود کے اندر تو وہ کیا بن جاتی ہے، مادہ۔ ویسے ساری کائنات کی اصل کیا ہے؟ روحانی ہے لیکن جب ہم اس پر وقت اور مکان کی پابندی لگا دیں تو وہ مادہ بن جاتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ ہر وہ چیز جو مادی کہلاتی ہے، وہ یا وقت کی پابند ہے یا جگہ کی پابند ہے؛ بات سمجھ آ رہی ہے ناں کہ کائنات کی اصل ہے روحانی اور جب ہم روح کو وقت یا مکان کے اندر بند کر دیتے ہیں تو وہ مادہ بن جاتی ہے۔اب اگر روح کو زمان اور مکان کے اندر بند کریں تو وہ بن گئی مادہ اور اگر مادے سے زمان و مکان کی پابندی اُٹھا دیں تو وہ کیا بن جائے گا؟ روح۔ اس وقت ہم کیا ہیں؟ مادہ ہیں۔اگر ہم سے یہ وقت کی پابندی اُٹھ جائے، اگر ہم سے مکان کی

پابندی اُٹھ جائے، زمان ومکان کی پابندی اُٹھ جائے تو ہم کیا بن جائیں گے؟ روح۔ اُدھر سے سفر کرتے کرتے ہم مادہ بنیں۔ ادھر سے سفر کرتے کرتے ہم روح کی طرف جائیں گے۔ اُدھر سے سفر کرتے کرتے ہم صورت بنیں۔ اِدھر سے اُدھر سفر کرتے کرتے ہم بے صورت ہو جائیں گے۔

بے صورت ظاہر صورت تھیں

روح اور مادے کے اعتبار سے ہم کائنات کی چیزوں کو تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ ایک مادی چیزیں، ایک غیر مادی چیزیں اور ایک اللہ تعالی کی ذات۔

اب پہلی جو مادی چیزیں ہیں ان کو پھر تین حصوں میں تقسیم کریں۔ مادی چیزوں میں وہ چیزیں جو بڑا بڑا وجود رکھتی ہیں اور solid ہیں اور سخت ہیں۔ دوسری وہ چیزیں جو اس سے ذرا کم سخت ہیں اور تیسری وہ جو اس سے بہت ہی کم سخت ہیں لیکن ہیں تینوں مادہ۔ اب پہلی قسم کی مثال ہے پتھر کی۔ پتھر سخت ہے ناں۔ اینٹ سخت ہے، لکڑی سخت ہے، مٹی سخت ہے، پہاڑ سخت ہے۔

دوسری قسم کے لیے میں مثال دوں گا کہ اگر یہ مزید نرم کر دی جائیں تو نرم ہوتے ہوتے یہ ہوا میں تحلیل ہو جائیں گی مثلاً پانی سخت ہے، اگر ہم پانی کو مزید تحلیل کریں تو ہوا بن جائے گا تو ہوا نسبتاً کم سخت ہے۔ جب ہم مزید کسی چیز کو حرکت دیں گے تو ایک تیسری چیز وجود میں آتی ہے جس کو کہتے ہیں، روشنی۔ روشنی بھی مادہ ہے اگر ہم مادے کی چیزوں کو ترتیب دے کر ایک خاص نظام وضع کر لیں تو روشنی بن جاتی ہے جس طرح ہم نے بجلی پیدا کی۔ گویا ہمارے پاس تین چیزیں ہوئیں، پتھر سخت مادہ کی مثال ہے، ہوا نسبتاً نرم مادہ کی مثال ہے اور نور یعنی روشنی اس سے کم مادہ کی مثال ہے۔ اب میں نے آپ کو یہ بتایا تھا کہ اگر روح کو زمانے میں اور

مکان میں بند کر دیں تو وہ کیا بن جاتی ہے مادہ۔اب اگر مادہ کو واپس سفر کرائیں تو کیا بن جائے گا روح۔اب یہ سفر سمجھئے: اگر پتھر کو انسان حرکت دے تو اس کے اندر ایک قوتِ مزاحمت موجود ہے۔اگر بڑا پتھر ہے تو ہم زور لگا کر اس کو دور کریں گے اور اگر پتھر بہت بڑا ہو تو ہم زور لگانے کے باوجود اس کو دور نہیں کر سکتے۔ایک تو یہ کہ سخت مادی چیزوں میں قوتِ مزاحمت موجود ہے اور دوسرا یہ کہ اگر ہم اس کو چلانا چاہیں تو یہ آسانی سے نہیں چلے گا، اس کی رفتار نسبتاً سست ہوگی۔ گویا جو زیادہ solid ، مادی چیزیں ہیں وہ قوتِ مزاحمت بھی رکھتی ہیں اور رفتار بھی ان کی کم بلکہ انتہائی کم ہوتی ہے۔اب اس کی روشنی میں ہوا کو دیکھیں۔ہوا جگہ گھیرتی ہے مثلاً سائیکل کی ٹیوب ہے یا ٹائر ہے اس میں ہوا بھری ہوئی ہے۔اگر آپ مزید ہوا ڈالیں گے تو نہیں جائے گی۔اس سے ثابت ہوا کہ اس کے اندر قوتِ مزاحمت موجود ہے لیکن اگر ٹیوب میں کوئی سوئی ڈالیں گے تو اندر جائے گی یا نہیں جائے گی۔معلوم یہ ہوا کہ ایسی چیزیں جو نسبتاً کم مادی ہیں ان کے اندر قوتِ مزاحمت بھی کم ہے۔اب اگر ایک پتھر کو لڑھکائیں تو اس کی رفتار تیز ہوگی یا ہوا کی رفتار تیز ہوگی؟ معلوم یہ ہوا کہ جو نسبتاً کم مادی چیزیں ہیں ان کی قوتِ مزاحمت بھی کم ہے اور قوت رفتار بھی تیز ہے۔تو معلوم یہ ہوا کہ جب ہم سخت مادے سے نرم مادے کی طرف سفر کریں گے تو قوتِ مزاحمت کم ہوگی اور رفتار بڑھ جائے گی۔اس کے بعد: ایک سخت مادی چیزیں، ایک نسبتاً کم مادی چیزیں اور تیسری سب سے کم مادی چیزیں، ان کی مثال روشنی ہے۔اب یہاں پر ہم ایک ٹیوب جلا رہے ہیں۔اس طرح کی دس پندرہ ٹیوبیں جلا دیں تو کیا یہ روشنیاں آپس میں لڑیں گی؟ نہیں! ایک روشنی دوسری روشنی میں جذب ہو جائے گی۔گویا معلوم یہ ہوا کہ جب کم ترین مادی چیز میں ہم داخل ہوتے ہیں تو قوت مدافعت ختم ہو جاتی ہے۔قوت مدافعت

کہاں پہنچ جاتی ہے؟ قوت انجذاب میں بدل جاتی ہے۔

اب اس سے بہتر کائنات کی روحانی تعبیر کوئی کر سکتا ہے تو کر کے بتائے۔ یہ ہمارے بزرگوں کا کمال ہے۔ یہ میرا کمال نہیں ہے۔ حضرت فخر الدین عراقی کی بات کر رہا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں کہ جب کسی مدافعت والی چیز کو غیر مادی دنیا کی طرف سفر کرانا شروع کر دیں گے تو قوت مدافعت بدلتے بدلتے قوت انجذاب میں بدل جائے گی۔ اب یہ بتائیں کہ روشنی، روشنی میں جذب ہو جاتی ہے، گویا قوت مدافعت ختم ہو گئی اور دوسری بات یہ کہ جب روشنی سفر کرتی ہے تو ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار سے سفر کرتی ہے۔ معلوم یہ ہوا کہ جب انتہائی کم درجے کی مادی چیز میں آئیں گے تو رفتار اُتنی ہی تیز ہو جائے گی۔ یہ تو تھیں مادی چیزوں کی باتیں۔ گویا result آپ نے یہ نکالا کہ سخت مادی چیز قوت مدافعت سخت رکھتی ہے اور اس کی رفتار بھی کم ہوتی ہے۔ اس سے کم مادی چیز قوت مدافعت کم رکھتی ہے اور اس کی رفتار تیز ہو جاتی ہے اور جب ہم سب سے کم مادی چیز میں آتے ہیں تو اس کی قوت مدافعت قوت انجذاب میں بدل جاتی ہے اور اس کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ بن جاتی ہے۔

یہاں آپ کا ایک مسئلہ حل ہو رہا ہے کہ ایک ساتھی کے اندر سے نور نکلا دوسرے ساتھی کے اندر بھی وہ نور موجود ہے تو نور جمع ہو کر قوت انجذاب پیدا کریں گے یا قوت مدافعت پیدا کریں گے؟ قوت انجذاب پیدا کریں گے یہی اصل راز ہے ہماری توجہ کا۔ یہ جو ظاہری بدن نظر آ رہے ہیں، یہ سخت اور solid مادے کی بات ہے۔ یہ جو توجہ کے اندر نور حاصل کرنا ہے، یہ تیسرے درجے کے نور کی دنیا کی بات ہے۔ جہاں پر قوت مدافعت، قوت انجذاب میں

بدل جاتی ہے۔

اب دوسری قسم ہے ان چیزوں کی جنہیں ہم غیر مادی چیزیں کہتے ہیں مثلاً فرشتے۔ فرشتے غیر مادی چیز ہیں لیکن ہیں کیا؟ نور۔ اب معلوم یہ ہوا کہ ایک نور ایسا ہے جو مادی ہے اور ایک نور ایسا ہے جو غیر مادی ہے کیونکہ اگر غیر مادی نور، نور نہ ہوتا تو فرشتے فرشتے نہ ہوتے۔ نور کی بحثیں کرنے والوں کو پتا ہونا چاہیئے کہ نور کی دو قسمیں ہیں۔ ایک نور مادی ہے اور ایک نور غیر مادی ہے۔ مادی نور کی بات ہم کر چکے۔

اب غیر مادی نور کی بات یہ ہے کہ فرشتوں کے بارے میں یہ سنا ہے آپ نے کہ فرشتہ ایک وقت میں یہاں ہے اور ایک وقت امریکہ میں ہے مثلاً حضرت عزرائیلؑ کی مثال لے لیں ابھی یہاں ہیں پھر امریکہ چلے گئے یا حضرت جبرائیل امین ہیں آسمان پر تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا جاؤ میرے یوسف کو کنوئیں کی تہہ میں گرنے سے پہلے پہلے اس کے نیچے پَر رکھ لو تو وہ فاصلہ جو براق نے اٹھارہ سال میں طے کیا تھا جبرائیل امین نے ایک لمحے میں طے کیا۔ معلوم ہوا کہ وہ نور جو غیر مادی ہے اس کی رفتار کتنی تیز ہے۔ اب معلوم یہ ہوا کہ اگر فرشتہ یہاں سے وہاں جاتا ہے تو مکان کا پابند ہوا کہ نہ ہوا۔ جو مکان کا پابند نہیں ہے اس کے لیے ہر مکان اس کا مکان ہے کیونکہ جہاں پابندی ہی کوئی نہیں مکان کی تو ہر جگہ اس کی ہے۔ جہاں پابندی وقت کی نہیں تو ہر وقت اس کا ہے لیکن فرشتوں کے لیے بھی پابندی ہے، وقت کی بھی اور زمانے کی بھی۔

اب ایک تیسری جگہ ہے جسے مقامِ الٰہیہ کہتے ہیں، جسے عام اصطلاح میں لامکان کہتے ہیں۔ وہاں پہنچ کر نہ وقت ہے اور نہ زمانہ ہے۔ وہاں پہنچ کر روح اپنی اصل میں گم ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ شریف کی انتہا لازمانیت میں ہے

لامرکانیت نہیں۔ ہمارا سلسلہ عالیہ سخت مادے سے سفر کر کے نسبتاً نرم مادے سے گزرتا ہوا، کم ترین مادے سے گزرتا ہوا، غیر مادی اشیاء سے گزرتا ہوا مقامِ الٰہیہ تک جاتا ہے جسے لامکان کہتے ہیں اور یہی وہ مسئلہ ہے جسے آپ کہتے ہیں بے صورت ظاہر صورت توں، جب صورت بے صورت کی طرف سفر کرتی ہے تو اس کے یہ تین مرحلے طے ہو جاتے ہیں۔

تصوفِ اسلامیہ کی ان stages کے حوالے سے تشریح آپ کے بہت سارے مسئلے سلجھا دے گی۔ نور؛ ایک مادی نور ہے جس کو ہم ایک process کے ذریعے سے خود create کر سکتے ہیں اور ایک غیر مادی نور ہے۔ تو نور و بشر کی بحثیں کرتے ہوئے لوگوں کو پتا ہی نہیں ہوتا کہ مادی نور کون سا ہے اور غیر مادی نور کون سا ہے۔ ہم کس نور کی بات کر رہے ہیں۔

تصوف اسلامیہ کے حوالے سے ہم نے تین قسموں کی بات کی۔

۱) **اقسام مادی:** اس کی مثال پتھر، لوہا، معدنیات، ہڈیاں وغیرہ۔ دوسری مثال ہوا، تیسری مثال نور ہے۔ جوں جوں مادے کی کثافت کم ہوتی جاتی ہے توں توں اس پر زمان و مکان کی حدیں کم ہوتی جاتی ہیں۔ اس کی قوت رفتار بڑھتی چلی جاتی ہے۔ مادے کی لطیف ترین چیز نور ہے۔

۲) **اقسام غیر مادی:** غیر مادی اشیاء میں فرشتوں کا بیان ہے جو نوری مخلوق ہیں۔

۳) **ذات الٰہیہ، مقام الٰہیہ۔**

اس سے ہزاروں نتائج نکل سکتے ہیں جن کو اخذ کر کے آپ اپنے مسائل حل کر سکتے ہیں۔ ایک تھا مادی نور، ایک تھا فرشتوں کا روحانی نور جو اس ظاہری نور سے زیادہ لطیف تر ہے۔ اس کی مثال ٹیوب لائٹ ہے جب ہم لائٹس آن کرتے ہیں اس کے اندر روشنی ہوتی ہے

اس روشنی میں ہماری زندگی گزر رہی ہے۔سورج طلوع ہوتا ہے تو روشنیاں بکھیرتا ہے۔چاند جب آسمان پر نظر آتا ہے تو اس کی روشنی پھیل جاتی ہے۔تو یہ ساری چیزیں یہ سارے نور جو ہیں خواہ وہ بلب کا ہو، خواہ ٹیوب کا، خواہ لالٹین کا، خواہ سورج کا ہو، خواہ چاند کا ہو، خواہ ستاروں کا ہو تو یہ سارے نور بطور نور مادی شمار ہوں گے کیونکہ ان کو مادے سے ہی create کیا گیا ہے لیکن اس کے برعکس فرشتوں کو ہی آپ لے لیں۔کیا حدیث پاک سے یہ ثابت نہیں کہ انسان کے ساتھ فرشتے ہوتے ہیں۔کیا حدیث پاک سے یہ ثابت نہیں کہ ایمان نور ہے۔کیا قرآن پاک اور حدیث پاک سے یہ ثابت نہیں کہ قرآن نور ہے۔اگر وہ سارے انوارات ہیں تو ثابت یہ ہوا کہ ایک نور ایسا بھی ہے جو نظر نہ آنے والا ہے اور ایک نور ایسا بھی ہے جو ظاہری حواس سے سمجھ نہ آنے والا ہے تو معلوم یہ ہوتا ہے کہ جب انسان عالم مادی سے سفر کرتے کرتے عالم غیر مادی سے گزرتا ہے تو اس کو ان سارے نوروں سے واسطہ پڑتا ہے۔اب یہ سارے نور انسان کس طرح سمجھتا ہے۔کس طرح محسوس کرتا ہے۔کس طرح انسان ان کا ادراک حاصل کرتا ہے۔یہ ہمارے سلسلۂ عالیہ مجددیہ شریف کا کمال ہے کہ ان سارے نوروں سے تعارف ہمارا سلسلہ کراتا ہے۔

اب اگر اس کائنات کو ہم تقسیم کریں تو یوں بنتی ہے ایک تقسیم؛ میں درس طریقت میں بارہا عرض کر چکا ہوں کہ ایک تقسیم تو یہ ہے کہ عالمِ خلق ہے اور عالم امر ہے، ہمارے ساتھی سالک اتنے علمی طور پر جامع ہونے چاہئیں کہ جب اعمال طریقت پر کوئی سوال کرے تو اس کو مطمئن کرنے کے لیے آپ کے پاس دلیل ہونی ضروری ہے۔اب اگر عالم خلق اور عالم امر دونوں کو جمع کر دیا جائے تو بنتا ہے عالم امکان۔عالم امکان کو cross کر کے ولایت کی پہلی سرحد شروع

ہوتی ہے یعنی یوں کہیں کہ عالم خلق سے گزرا، عالم امر سے گزرا اور عرش خدا تک پہنچا۔ وہاں تک بزرگان دین نے اور ارباب طریقت نے، اس سارے کو دائرہ امکان قرار دیا ہے۔ اگر کوئی سوال کرے کہ یہ دائرہ امکان کیا چیز ہے؟ ابھی میں ایک عزیز سے بات کر رہا تھا۔

این سعادت قسمتِ شہباز وشاہین کردہ اند

یہ درس آپ لوگوں کے لیے ہے۔ یہ ان لوگوں کے لیے نہیں ہے کہ جن بے چاروں کا مرکز ساری زندگی روٹی رہتی ہے۔ ساری زندگی کے سلسلے روٹی کے گرد پھر رہے ہیں، یہ ان کے لیے نہیں ہے، یہ آپ لوگوں کی بات ہے۔

تو عالم امکان جس کے اندر عالم خلق بھی ہے اور عالم امر بھی ہے لیکن عالم خلق اور عالم امر کے اندر ایک درمیانی چیز ہے جس کو برزخ کہتے ہیں ایسی چیز کو جو بطور Mediator کام کرے یعنی درمیان میں واسطے کے طور پر کام کرے۔ فرض کریں میں گفتگو کر رہا ہوں اور میرے سامنے یہ لاؤڈ اسپیکر رکھا ہے۔ لاؤڈ اسپیکر سے آواز زیادہ بہتر انداز میں آپ تک پہنچ رہی ہے۔ تو میرے اور آپ کے درمیان جو چیز برزخیت کا کردار ادا کر رہی ہے وہ لاؤڈ اسپیکر ہے۔ اب عالم خلق سے جو مادی ہے اور مادے کی تینوں اقسام پر محیط ہے اور عالم امر نوری ہے اور نوری سے بہت کچھ آگے جس کی حدیں ہی کوئی نہیں لاتعین تک ہے اب ان دونوں کے درمیان؛ اب مثلاً یہ ٹیوب ہے اور ساتھ ایک فرشتہ کھڑا ہے آپ ٹیوب کو تو دیکھ لیں گے لیکن فرشتے کو نہیں دیکھ سکیں گے جب کہ یہ بھی نور ہے اور وہ بھی نور ہے۔ فرق کیا ہے یہ عالم خلق کا نور ہے اور فرشتہ عالم امر کا نور ہے۔ ایک ایسا شخص کہ جس کی صرف عالمِ خلق کی آنکھ کھلی ہے وہ ٹیوب کو دیکھ لے گا لیکن فرشتے کو نہیں دیکھ سکتا۔ اب آپ یہ اندازہ کریں کہ عالمِ خلق اور عالمِ امر

کے اندر جو برزخ ہے وہ ہے قلب انسانی، انسان کا دل!

چشم دل وا ہو تو ہے تقدیرِ عالم بے حجاب

اب عالمِ خلق اور عالمِ امر کے درمیان جو برزخ قرار پایا وہ ہے، قلب انسانی۔ اگر کسی کا دل زندہ ہے تو وہ اس ٹیوب کو بھی دیکھ لے گا اور فرشتے کو بھی دیکھ لے گا کیونکہ اس کے پاس ٹیوب کو دیکھنے کے لیے ظاہری آنکھ کا نور موجود ہے اور فرشتے کو دیکھنے کے لیے دل کا نور موجود ہے۔ اسی لیے سرکار ﷺ فرماتے ہیں،

اتقو فراست مومن فَاِنَّهُ ینظر بنورِ اللّٰہ

کہ مومن کی فراست سے محتاط رہا کرو، ڈرو نہیں۔ بعض لوگ اس کا ترجمہ کرتے ہیں ڈرو۔ ڈر سانپ کا اور ہوتا ہے بجلی کا اور ہوتا ہے، چور کا اور ہوتا ہے۔ مومن کی فراست کے سامنے محتاط رہا کرو۔ احتیاط کرو کیونکہ وہ اللہ کے دیے ہوئے نور سے دیکھتا ہے۔ ولی اللہ کی نگاہ: پیر روم فرماتے ہیں کہ

ہر چہ خواہد بود اندر شصت سال

داند اندر حال آں نیکو خصال

کہ جو کچھ ساٹھ سال کے اندر ہونے والا ہے ولی اللہ کی نگاہ ایک مرتبہ پھرے تو اس کو دیکھ لیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بے شمار روایات ایسی سننے میں آئی ہیں اور تواریخ میں موجود ہیں کہ اولیائے کرام کے سامنے کوئی آدمی آ کر بیٹھا اور اولیائے کرام نے ایک ہی لحظے کے اندر سات پشتوں کا علم عطا کر دیا تو عرض یہ کر رہا تھا کہ دل کے اندر وہ نور موجود ہے جو عالمِ خلق کے علاوہ عالمِ امر کو دیکھتا ہے۔ عالمِ امر کے فرشتوں کو دیکھتا ہے۔ جنت و دوزخ کو دیکھتا ہے۔ اسی

محفل کے اندر ایک عزیز تشریف فرما ہیں جن کو ایک ولی اللہ نے جو فوت شدہ ہیں؛ پہلی بات تو یہ کہ فوت شدہ ولیوں سے رابطہ کرنا ہی بڑی بات ہے؛ ایک ولی اللہ سے رابطہ ہوا۔ میں نے خود ان سے عرض کیا کہ فلاں مقام پر جا کر مراقب ہو جائیں۔ ولی اللہ کے دربار پر پہنچے، وہاں جا کر مراقبہ کیا تو وہ ولی تشریف لائے؛ حضرت سخی سبزواری صاحب کھوٹہ والے تشریف لائے اور فرمایا، ''آؤ بیٹا، تمہیں جنت بھی دکھاتے ہیں اور دوزخ بھی دکھاتے ہیں''۔ تو جنت بھی دکھائی اور دوزخ بھی دکھائی۔ اس سے پہلے کہ انسان ان مشاہدات میں مستغرق ہو ضرورت اس بات کی ہے کہ دل کی آنکھوں کو کھول لے۔ یہاں جو کچھ ہم کر رہے ہیں، یہ دوستوں کے تڑپنے کا منظر، یہ جذب و ذوق کا منظر، یہ سارے کا سارا دل کی ان آنکھوں کو کھولنے کے لیے ہے جو عالم امر کا مشاہدہ کر لیتی ہیں۔

تو عالمِ امر اور عالمِ خلق کو جب ہمارا قلب بطور برزخ کے، بطور Mediator کے درمیان میں ایک واسطے کے طور پر جب یہ دیکھنے کی صلاحیت ہمیں پیدا کر دیتا ہے اس کے اندر وہ نور آ جاتا ہے تو پھر کیا ہوتا ہے کہ عرش کے مقام پر قلب کی دو حیثیتیں ہیں۔ پہلی حیثیت یہ ہے کہ عالم خلق اور عالم امر کے درمیان برزخ ہے اور قلب کی دوسری حیثیت یہ ہے کہ عالم امکان اور عالم لامکان کے درمیان برزخ بھی قلب ہی ہے۔ یہ بھی غور طلب ہے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

وہ میرا رونق محفل کہاں ہے
مری بجلی مرا حاصل کہاں ہے
مقام اس کا ہے دل کی خلوتوں میں
خدا جانے مقام دل کہاں ہے

جانتے ہیں آپ یہ کس نے کہا تھا،

چودہ طبق دلے دے اندر، تمبو وانگن تانڑے ہُو

جو کوئی محرم دل پچھانڑے ہُو دا با ہو، سو یوں رب

گویا قلب انسانی عالم خلق اور عالم امر کے درمیان برزخ ہے اور یہ جو سارا ملا کر دائرہ امکان بنے گا تو دائرہ امکان اور دائرہ امکان سے آگے لا مکان اس کے ساتھ جو ربط پیدا کرنے والی چیز ہے، وہ بھی قلب انسانی ہے۔ یہاں کا برزخ بھی قلب ہے، وہاں کا برزخ بھی قلب ہے۔

بے حجابی سے تیری ٹوٹا نگاہوں کا طلسم

اک ردائے نیلگوں کو آسمان سمجھا تھا میں

کارواں تھک کر فضاء کے پیچ وخم میں رہ گیا

مہر وماہ ومشتری کو ہم عناں سمجھا تھا میں

عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصہ تمام

اس زمین وآسمان کو بے کراں سمجھا تھا میں

اب آپ کے سامنے بہت ساری Stages آگئیں۔ پہلی Stage عالم خلق کی آئی، دوسری Stage عالم امر کی آئی، یہ دونوں ملا کر عالم امکاں بنے اور عالم امکاں سے آگے پھر لا مکاں کی باتیں شروع ہوتی ہیں تو یاد رکھیں! قلب کا پہلا مقام دائرہ امکان سے اوپر ہے، عرش خدا پر۔ اس سے اوپر روح کا مقام ہے اس سے اوپر سر کا ہے اور اس سے اوپر خفی کا ہے اور اس سے اوپر اخفاء کا ہے جہاں ہمارے سرکار ﷺ کا مقام ہے۔

گویا نتیجہ آج کی گفتگو کا یہ نکلا کہ پوری کائنات میں جو ظاہرا نظر آنے والی ہے،

عالم خلق کے اندر سب سے افضل چیز کعبۃ اللہ شریف ہے۔ عالم امر کے اندر سب سے افضل مقام عرشِ الٰہی ہے اور وہاں بھی ہمارے حضور ﷺ ہی کے جلوے ہیں۔ جس سے توحید کی سمجھ آتی ہے۔ ہمارے حضورؐ کا ہر جلوہ، یہ یاد رکھیں جب ہمارے آقا کا ذکر ہو تو بہ نیتِ تفہیم اسلام یعنی سرکار کی ہر ادا :

جس کی ہر لہر ہے توحید وہ دریا تم ہو

ہمارے حضور ﷺ کی ہر ادا توحید ہے۔ ہر ادا، اللہ رب العزت کے جلوے دکھانے والی ہے، ذات بھی اور صفات بھی!

جس کو شایاں ہے عرشِ خدا پر جلوس
ہے وہ سلطان والا ہمارا نبیؐ

عرش خدا پر جب حضور ﷺ کو بٹھایا جائے گا، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ خدا کے بیٹھنے کی جگہ ہے وہاں پر حضور ﷺ کو بٹھایا جائے گا تاکہ دنیا کو بتاسکیں کہ میرے رب کی شان کتنی ہے تو گویا عالم خلق میں بھی ہمارے حضورؐ نے سمجھایا کہ ہمارا رب کتنا عظیم ہے۔ عالم امر میں بھی ہمارے حضورؐ ہمیں سمجھائیں گے اور جو بات میں کرنا چاہتا تھا وہ یہ تھی کہ عالم امر سے اوپر دائرہ امکان کے ختم ہونے کے بعد، پہلا مقام قلب کا شروع ہوتا ہے، اس کے اوپر روح کا ہے، پھر اس کے اوپر سّر کا، پھر خفی کا اور اس سے بھی اوپر اخفاء کا اور وہی مقام محمدؐ یہ ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور پھر اس کے اوپر دوائر لاتعین شروع ہوتے ہیں۔ یہ سارے مسائل طریقت میں انشاء اللہ العزیز آنے والی محافل آپ کو عرض کروں گا۔

جو بات آج سمجھنے کی ہے Time بڑا مختصر ہوتا ہے باتیں بہت کرنی ہوتی ہیں، تو جو

ہم یہاں ذکر سیکھتے ہیں، عالم خلق میں کیا جانے والا ذکر زبان سے کرلیں تو کافی ہے۔ ذکر کر لیا، سن لیا، عالم خلق کے لیے کافی ہے لیکن جب عالم امر میں جائیں گے تو وہاں یہ زبان نہیں ہو گی۔ وہاں تو ضرورت ہوگی ذکرِ خفی کی لہٰذا ذکر جہر بھی سیکھیں، عالم خلق سنور جائے گی۔ ذکرِ خفی بھی سیکھیں، عالم امر سنور جائے گی اور جب ذکر خفی اور ذکر جہر دونوں عالم خلق اور عالم امر کے ایک حد کے اندر رہ گئے تو پھر اس کے آگے ذکر ہوگا روح کا۔ وہاں عالم خلق اور عالم امر کی ظاہری روشنی تو ختم ہوگئی تو وہاں پر جو ذکر کام آئے گا وہ ذکر ہے ان لطائف کا: ذکرِ خفی ہے لطائف کا ذکر؛ وہاں پھر لطائف ذکر کرنا شروع کرتے ہیں اور پھر اللہ کی شیونات اور ان مقامات سے آگے گزرتے ہیں۔

آج کی گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کی مادی حیثیت سے لے کر نوری حیثیت تک، نوری حیثیت سے لے کر روحی حیثیت تک اور روحی حیثیت میں پھر آگے لاتعین تک ہر مقام پر ذکر کرنا ضروری ہے اور ہر مقام کے ذکر کے تقاضے جدا جدا ہیں۔ ہر مقام کے ذکر کے طریقے جدا جدا ہیں لہٰذا ہر مقام کے ذکر کے طریقے سیکھانا سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ شریف کا کام ہے۔ اس میں قادریہ شریف بھی شامل ہے، چشتیہ شریف بھی، سہروردیہ شریف بھی شامل ہے۔ اولیائے کرام ہمیں بتاتے ہیں کہ جب انسان اس عالم مادی سے باہر نکل جائے تو ذکر کیسے کرے۔ عالمِ امر ہو تو ذکر کیسے کرے، پھر ان مقامات پر جہاں لطائف کے مقامات ہیں، وہاں پہنچے اور پھر ذکر کیسے کرے۔

اب یہاں ایک اور نکتہ بھی سنیں اگر قلب کا مقام عالم امکان کا آخری بلند مقام ہے تو قلب پر جو نور آئے گا وہ عرش خدا سے آئے گا۔ ایک ہوتا ہے مورد فیض یعنی جس جگہ پر فیض

وارد ہوتا ہے۔ وارد کا مطلب ہوتا ہے کسی کا آنا۔ مؤرد کہتے ہیں وہ جگہ جس راستے سے کوئی آئے اور جس جگہ پر آئے اس کو بھی مؤرد کہتے ہیں، اسمِ ظرف مکان ہے۔ قلب جب مؤرد ہوگا تو مؤردِ فیض ہوا قلب اور وہ جگہ جہاں سے فیض آتا ہے وہ ہوئی مبدائے فیض۔ مبداء کہتے ہیں جائے ابتدا کو اور اب، آپ ذکر کریں گے تو قلب کا مبداء عرشِ خدا ہے۔ عالمِ دائرہ امکان سے اوپر آخری حصہ، وہاں، وہاں سے نور آئے گا۔ قلب پر تو یہ آپ کا قلب جاری ہوگا لہٰذا جب آپ قلب پر محنت کریں تو یہ ذہن میں رکھ کر کہ اس کا مبدائے فیض عرش خدا ہے۔ اس کا مؤرد فیض میرا قلب ہے اور یہ فیض نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسّلام اور آپؐ کے غلاموں کے، ان انوارات کے واسطوں سے میرے پاس آ رہا ہے۔ اسی طریقے سے جب روحی پر ذکر کریں تو یہ سوچیں کہ اس کا مبدائے فیض قلب سے اوپر ہے، مؤرد فیض یہ ہے۔ یہی حال سرّی، خفی اور اخفاء کا ہے۔ ان توجہات کے ساتھ آپ ذکر کریں گے تو بات بنے گی ورنہ اللہ ھُو تو مارکیٹوں میں بھی ہوتا ہے۔ اللہ کے نیک بندے سارا گھر سر پہ اُٹھائے آپ کو دین پھیلاتے نظر آئیں گے اور دین تو بے چارے کیا پھیلائیں گے اللہ تعالیٰ معاف کرے خود یوں لگتا ہے کہ ایسے دھتکارے ہوئے ہیں، نہ دین کے ہیں، نہ دنیا کے ہیں۔ یوں تو ہر کوئی اُٹھ کر کہتا ہے تمہیں ذکر سکھاؤں گا لیکن ذکر وہی سکھاتا ہے جس نے ان stages کا ادراک حاصل کر لیا ہو۔ یہ کوئی بچوں کا کھیل نہیں۔ یہ صرف اور صرف اولیائے کرام کی دنیا ہے۔

اللہ کریم ہمیں جو کچھ ہم نے عرض کیا ہے اس کو سمجھنے کی اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وما علینا الا البلاغ المبین

طریقت کے چار پہلو

عزیز برادرانِ طریقت! ہماری یہ محفل اللہ کے ان پاکباز بندوں کی ہوتی ہے کہ جنہوں نے اس بھری کائنات میں لوگوں کو اللہ کی طرف بلانے کا ذمہ قبول کیا ہے اور خود بھی شب و روز اپنے رب کی محبت میں، اپنے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک یاد میں زندہ رہتے ہیں اور ہر وہ لمحہ کہ جس لمحے میں رب کی رضا حاصل ہوتی ہو اس کی تلاش میں رہتے ہیں۔ گزشتہ چند محافل سے ہماری گفتگو موضوعاتِ طریقت میں سے کسی نہ کسی نکتے کی تشریح کے حوالے سے چل رہی ہے۔ آج بھی اسی سلسلے کی گفتگو ہوگی اور آپ کی خدمت میں یہ عرض کیا جائے گا کہ ہمارے اس کام کی چار جہتیں ہیں یعنی ہمارے اس کام کے جو ہم نے شروع کر رکھا ہے اس کے چار پہلو بنتے ہیں اب یہ کسی کا نصیب ہے کہ کون کس رستے سے کامیاب ہوتا ہے لیکن یہ یقینی بات ہے کہ کوئی ناکام نہیں ہوتا۔ اس تمہید کو لے کے جب ہم آگے چلتے ہیں تو ہمیں اپنی اس طریقت کی دنیا میں اپنے لیے چار رستے نظر آتے ہیں اور قرآن و حدیث کی ساری تعبیرات، اولیائے کرام کی ساری زندگی کے ماحصل اور تمام بزرگوں کی ساری حیاتِ ہائے مبارک کی تحقیقات انہی چار نکتوں کی تشریح میں پائی جاتی ہے۔

پہلا نکتہ اور پہلو یہ ہے کہ انسان جس کام میں لگا ہو اس کو مکمل تندہی سے انجام دے مثلاً اسلام بقولِ اقبال:

چیست دین صدق مقال اکلِ حلال

کہ دین کیا ہے سچی بات کرنا اور حلال کھانا۔ اب جو شخص جو کام کر رہا ہے اس کام

میں منہمک ہو کر رزق کمائے گا تو وہ حلال ہے۔ اگر اس کام میں کام چوری کرے گا تو وہ رزق حرام ہے۔ اگر کوئی دوکاندار دوکانداری میں ایمان نہیں برتتا اور محنت نہیں کرتا تو اس کا رزق حرام ہے۔ اگر کوئی مدرس تدریس میں مخلص نہیں ہے تو اس کا رزق حرام ہے۔ اگر کوئی عالم مطالعہ کر کے اور محنت کر کے مخلوق تک اللہ کا دین نہیں پہنچاتا تو اس کا رزق حرام ہے۔ اسی طریقے سے ہر وہ شخص کہ جس کے ذمے کوئی ڈیوٹی لگائی جائے، وہ ڈیوٹی اگر صحیح معنوں میں انجام نہیں دے گا، مکمل محنت کے ساتھ تو یوں سمجھ لیں اس نے طریقت کی بنیاد کو سمجھا ہی نہیں۔ اور جب کوئی شخص محنت کر کے مکمل لگن اور دلجمعی کے ساتھ اپنا کام سرانجام دیتا ہے تو اس کو ایک خاص قسم کی نفسیاتی لطافت حاصل ہوتی ہے۔ خاص قسم کا نفسیاتی لطف حاصل ہوتا ہے۔ ایک شخص جو سارا دن بستر سر پہ اٹھائے گلی گلی، کوچے کوچے لوگوں کو کلمہ پڑھاتا پھرے لیکن خود وہ ایک سکول سے بھاگ ہوا ہو جہاں اس نے بچوں کو پڑھانا ہو تو خدا کی قسم اس سے وہ بجلی کے بل کا distributor اچھا ہے کہ جو بجلی کے بل تقسیم کر رہا ہے اور رزق حلال کر کے کھا رہا ہے۔

طریقت آپ کو یہ بتاتی ہے کہ جس کام میں آپ نے قدم رکھا ہے اور جو آپ کا ذریعۂ روزگار ہے وہ صحیح ہونا چاہئے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور سرورِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں کہ محنت کر کے اپنے بال بچوں کو رزق کھلانے والے کا مقام کل قیامت کے دن انبیاء کے ساتھ ہوگا۔ اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح روشن ہوگا! تو طریقت کی سب سے پہلی بنیاد ہے، اپنے کام کو لگن اور دیانتداری سے کرنا۔ طریقت آپ سے یہ نہیں کہتی کہ اپنا کام چھوڑ کر کسی کنج خلوت میں بیٹھ جائیں اور وہاں پر آپ ورد وظیفے پڑھتے رہیں اور اصل کام جو تعمیر ملت کا ہے وہ نہ کریں۔ اپنے خاندان کے کام نہ کریں اور اپنے رزق کو حلال نہ کریں۔ طریقت یہ ہرگز نہیں کہتی۔ ہماری طریقت کا

اور کسی بھی طریقت کا پہلا wing یہ ہے کہ آپ اپنے کام دلجمعی کے ساتھ کر کے اپنے رزق کو حلال کریں گے تو اس کی برکتیں ہی کچھ اور ہیں۔ اب جب ہمارا رزق حلال ہوگا تو اس سے جو سوچیں پیدا ہوں گی وہ پاکیزہ ہوں گی، وہ بلند ہوں گی، وہ عظیم ہوں گی اور یاد رکھیے! کہ عظیم سوچوں میں سب سے بڑی سوچ کا نام ہے محبت۔ گویا ہمارے لیے قدرت کا سب سے بڑا جو انعام ہے، وہ محبت ہے اور یہ طریقت کا دوسرا پَر کہنا چاہیے، دوسرا wing یا دوسرا شعبہ کہنا چاہیے۔ دنیا کے ہر مذہب نے، دنیا کے ہر مسلک نے، دنیا کے ہر عظیم انسان نے اگر کسی مشن کو بطور مشن اپنا کر اس کی تبلیغ و اشاعت کی ہے تو وہ محبت ہے اور ہمارے آقا ﷺ نے انگشتِ مبارک اٹھا کر تین مرتبہ فرمایا: اَلاَ لاَ ایمانَ لِمَن لاَ محبة لَه، اَلاَ لاَ ایمانَ لِمَن لاَ محبة لَه، اَلاَ لاَ ایمانَ لِمَن لاَ محبة لَه۔ اب یہ یاد رکھیے! یہاں پر بڑے خوبصورت موضوعات نکلتے ہیں اور جب میں اس موضوع کو آپ کے سامنے مزید بیان کروں گا، تشریح کے ساتھ تو آپ حیران رہ جائیں گے کہ اس موضوع کے اندر سب کچھ بند ہے۔ جب کوئی شخص اپنا کام محنت کے ساتھ، دلجمعی اور لگن کے ساتھ ادا کرتا ہے تو اللہ کریم اس کو پاکیزہ سوچیں عطا کرتا ہے۔ ان پاکیزہ سوچوں میں سب سے بڑی سوچ جو اللہ کریم انسان کو عطا فرماتے ہیں وہ ہے محبت! اب وہ محبت اللہ کے لیے ہے، اللہ کے محبوب کی ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ وہ محبت اللہ کے محبوبؐ کے اہلِ بیت پاک کی ہے۔ وہ محبت اللہ کے محبوبؐ کے محبوب صحابہ کی ہے وہ محبت اللہ کے محبوبؐ کے محبوب اولیائے کرام کی ہے وہ محبت اپنے مشائخ و بزرگانِ دین کی ہے۔ وہ محبت ماں باپ کی ہے۔ وہ محبت اپنے شیوخ کی بھی ہے وہ محبت اولاد اور شاگردوں کی بھی ہے اور وہ محبت دینی اخوت کی بھی ہے۔

ہیں جذبِ باہمی سے قائم نظام سارے

پوری دنیا کے اندر اگر کسی چیز نے پوری دنیا کو آپس میں باندھ رکھا ہے، پوری دنیا کے رشتوں کو قائم کر رکھا ہے تو وہ محبت ہے اور اس محبت کو کیسے پیدا کیا جاتا ہے؟ جس طرح دنیا کی ہر چیز کہیں نہ کہیں پیدا ہوتی ہے، فصلیں کہاں پیدا ہوتی ہیں؟ ۔۔ زمینوں میں۔ پانی ہم کہاں سے حاصل کرتے ہیں؟ ۔۔ دریاؤں سے یا بارش برستی ہے تو پانی حاصل ہوتا ہے۔ اسی طریقے سے بجلی ہم کیسے پیدا کرتے ہیں؟ ایک جنریٹر ہے جس کو ہم استعمال کرتے ہیں۔ کھانے پینے کی چیزیں ہم کیسے پیدا کرتے ہیں؟ مختلف جگہوں پر مختلف پودے کاشت کر کے ہماری خوراک کی چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ پھل درختوں سے حاصل کرتے ہیں اور ہماری ضروریاتِ زندگی اور خورا کی اشیاء کے لیے کارخانے لگاتے ہیں، فیکٹریاں لگاتے ہیں اور کارخانوں میں ان چیزوں کو generate کرتے ہیں۔ محبت جو پوری کائنات کی سب سے پاکیزہ سوچ ہے وہ کہاں پیدا ہوتی ہے؟ انسان کے اندر ایک جنریٹر لگا ہوا ہے جس کا نام قلب ہے۔ جس کا دل جاری ہوگا، اس کا مطلب ہے کہ اس نے محبت پیدا کرنا شروع کر دی ہے۔ جس طرح جنریٹر چلے تو بجلی پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے، جس طرح پنکھا چلے تو ہوا آنا شروع ہو جاتی ہے، جس طرح بلب آن ہو تو روشنیاں پھیل جاتی ہیں، جس طرح فضاؤں میں بادل آئیں تو برستے ہیں، جس طرح سورج نکلے تو دھوپ آتی ہے اسی طریقے سے دل جاری ہو تو محبت پیدا ہوتی ہے!

اور یہ یاد رکھیے! کہ دنیا کا وہ شخص جو اولیائے کرام کے نظام کو پسند نہ کرتا ہو، وہ دنیا ادھر کی اُدھر کر دے لیکن محبت کے یہ generator فیل نہیں ہو سکتے اور نہ ان کو کوئی فیل کر سکتا ہے۔ جب محبت پیدا ہو رہی ہے تو بڑھتی چلی جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ آج اگر کوئی گولڑہ شریف میں جا کر سات لاکھ کا مجمع دیکھتا ہے تو اس کو حیران نہیں ہونا چاہئے کیونکہ وہاں پر محبت کا ایک

نہیں کتنے جنریٹر لگے ہوئے ہیں۔ محبت کا پیدا کرنے والا سب سے بڑا جنریٹر اللہ کریم نے انسان کے اندر رکھا ہوا ہے اور ہمارے حضرت شیخ مجدّد رحمۃ اللہ علیہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ سورہ الم نشرح پڑھنی چاہیے۔ ہمارے سالکین کو یاد رکھنا چاہیے کہ آپ کو سورۂ الم نشرح سے بڑی محبت تھی۔ **الم نشرح لک صدرک** ۔اس میں کشائشِ قلب کا ذکر ہے۔ شرحِ صدر کا ذکر ہے۔ جب دل کھل جائے تو پھر اس کی عظمتیں نجانے کہاں سے کہاں تک پہنچ جاتی ہیں۔ تو طریقت کے یہ دو wing میں نے آپ کی خدمت میں پیش کیے ہیں۔ پہلا wing ہے اپنے کام میں لگن پیدا کرنا اور دوسرا wing ہے محبت۔

طریقت کا تیسرا wing ہے اشغالِ طریقت: اشغالِ طریقت کو یوں کہنا چاہیے کہ علم شریعت کے بعد لایا جاتا ہے۔ اپنے کام کو صحیح معنوں میں انجام دینا۔ اس کا مطلب ہے کام کو بھی سمجھتا ہو، کام کی نوعیت کو بھی سمجھتا ہو، کام کی کیفیت کو بھی سمجھتا ہو یعنی حضور ﷺ کی شریعت کو سمجھتا ہو کیونکہ کام کی نوعیت، کام کی کیفیت، کام کا طریقِ کار اور کام کے ہر پہلو کو سمجھنے کے لیے لازمی ہے کہ حضورؐ کی شریعت کو سمجھے۔ سالک حضورؐ کی شریعت کو سمجھ کر اپنا کام صحیح سرانجام دے گا۔ جب اپنے کام کو صحیح سرانجام دے گا تو اللہ کریم اس کا نتیجہ ظاہر کرے گا، محبت پیدا ہوگی۔ اللہ کی محبت، سرکارؐ کی محبت، دین کی محبت، دین والوں کی محبت۔ جب یہ نعمت اسے مل گئی تو تیسرا مقام آتا ہے لطائف کا۔ لوگ پہلے دن آکر کہتے ہیں جناب ہمارے لطائف جاری کریں لیکن پڑوسی کی فصل ضرور کاٹوں گا۔ ہمارے لطائف جاری کریں لیکن دوسرے دوکاندار کے خلاف تعویذ ضرور لکھوں گا۔ ہمارے لطائف جاری کریں لیکن امتحان میں جا کر نقل ضرور لگاؤں گا، ایسے لطائف جاری کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ تیسرے مقام پر جو چیز آتی ہے وہ ہے اشغالِ طریقت

یعنی علمِ شریعت سیکھا، علمِ شریعت سیکھنے کے ساتھ ساتھ عمل شروع کیا۔ اب اس عمل کی برکات بصورتِ محبت ظاہر ہوں گی اور وہ محبت پھر انسان کے لطائف کی کشائش کا باعث بنے گی۔ اب ہمارے مشائخ نقشبندیہ شریف، مشائخ قادریہ شریف، مشائخ چشتیہ شریف اور مشائخ سہروردیہ شریف اور مشائخ اویسیہ شریف کا بھی دستور اسی نوعیت کا ہے کہ ہمارے ہاں اشغال کے تین زینے ہیں۔ ذکر، رابطہ اور مراقبہ۔ ذکر یہ ہے کہ انسان اپنے مذکور کا ظاہری بھی اور باطنی بھی ذکر شروع کردے۔ مثلاً ہمارا مذکور کون ہے "اللہ" تو ہمارے مشائخ فرماتے ہیں کہ:

زبان نے کہہ بھی دیا لا الہٰ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

ہمارے مشائخ فرماتے ہیں کہ ذکر پہلی منزل ہے اور ذکر تب مزہ کرے گا جب صرف زبان نہیں بلکہ بدن کا ہر ذرہ زبان بن جائے اور بدن کا ہر ذرہ زبان کیسے بنے گا، صرف اسی صورت میں کہ اس کو کنٹرول کرنے والی قوت ہاتھ میں آجائے، سرکار ﷺ نے فرمایا:
اَلاَ وَاِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا صَلَحَتْ، صَلَحَ جَسَدُ کُلُّهُ، وَاِذَا فَسَدَتْ، فَسَدَ جَسَدُ کُلُّهُ، اَلاَ وَ هِیَ الْقَلْب ۔ سرکار ﷺ نے فرمایا: یاد رکھو! انسانی بدن کے اندر گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جب وہ ٹھیک ہوگا سارا بدن ٹھیک ہوگا۔ جب وہ خراب ہوگا سارا بدن خراب ہوگا۔ یاد رکھو! کہ وہ قلب ہے۔ گویا ذکر کو پورے بدن میں جاری اور ساری کرنے کے لیے جو چیز controlling اتھارٹی کے طور پر انسانی بدن کے اندر کام کر رہی ہے وہ ہے انسان کا قلب لہٰذا سب سے پہلے ضروری ہے قلب کو ذاکر بنانا۔ ہمارے مشائخ فرماتے ہیں جس طرح ظاہری آنکھیں ہیں، ظاہری کان ہیں، ظاہری زبان ہے اور ظاہری

اعضائے انسانی ہیں اسی طریقے سے قلب کی دنیا میں یہ ساری چیزیں موجود ہیں لہٰذا ہمیں سب سے پہلے قلب کی زبان کھولنی ہے اور قلب کی زبان کھولنے کے لیے ضروری ہے، قلب ظاہری کسی زبان یا language کا پابند نہیں ہے، قلب کی ایک اپنی زبان ہے اور اس کی زبان کا نام ہے "تصور"۔ آپ نے اکثر، جب آپ بیٹھتے ہوں گے سوچتے ہوں گے تو تصور میں ایک آواز سنتے ہوں گے وہ جو اندر کی آواز ہے جسے نفسِ ناطقہ کہتے ہیں اور subconscious کہتے ہیں یا ضمیر کہتے ہیں۔ وہ نفسِ ناطقہ جب بھی بات کرتا ہے قلب سے بات کرتا ہے۔ اس نفسِ ناطقہ سے کہیں کہ تم بات کرو قلب سے اور قلب سے کہیں تم سنو اس کی بات اور ساتھ تم بھی بات کرو۔ بات کیا ہے تمہاری جو دھڑکن ہے وہ ہر دھڑکن 'اللہ' کہے۔ جب آپ اپنے بدن کو کسی چیز کا عادی بنا لیتے ہیں تو اہلِ نفسیات اس کو کہتے ہیں reflex۔reflex یہ ہوتا ہے کہ مثلاً ایک typist ہے وہ ٹائپ رائٹر کی keys کے اوپر اپنی انگلیاں مارتا مارتا اتنا عادی ہو جاتا ہے کہ اس کی انگلیاں یونہی بیٹھے بیٹھے بھی چلتی رہتی ہیں۔ آپ نے کبھی کسی خوش نویس کو دیکھا ہوگا، بیٹھے بیٹھے بھی یونہی اس کا ہاتھ چلتا رہتا ہے لاشعوری طور پر یا جس طالبعلم کو لکھنے کی عادت ہو اس کا ہاتھ ویسے ہی لکھتا رہتا ہے۔ جس کو تقریر کرنے کی عادت ہو تنہائی میں بیٹھے گا تو self-talking کرتا رہے گا۔ اس کو کہتے ہیں reflex یعنی کسی بات کا عادی ہو جانا۔ جب انسان کسی بات کا عادی ہو تو وہ چیز خود ہی اس کے بدن سے جاری رہتی ہے۔ اب آپ نے نفسِ ناطقہ سے کہا کہ تم قلب سے کہو کہ تم سانس کے ساتھ اور میرے ساتھ مل کے ذکر کرو۔ اب قلب کی کیفیت جب reflexes کی ہو جائے گی تو دل خود بخود beat کرنا شروع کر دے گا، کس پر ذکر اللہ پر۔ اب اس کی beating کے ساتھ ساتھ، اس کی دھڑکن کے ساتھ ساتھ پورے بدن کا ہر ذرہ ایک ایسا

channel بنا لے گا کہ پورا بدن ذاکر ہو جائے گا۔ یہ پہلا مقام ہے مقامِ ذکر۔ جب قلب ذاکر ہو تو پھر آپ روح، سر، خفی، اخفاء، نفسی اور قالبی کو ذاکر کرتے جائیں۔ جب یہ پانچوں بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ دسوں قسم کے اذکار جاری ہو جائیں تو پھر آپ کی nextstage آتی ہے رابطہ والی لیکن یہ بات یاد رکھیے کہ پہلی stage کو ختم کرنے کے بعد رابطے کی بات نہیں آتی بلکہ پہلی stage کے ساتھ ساتھ رابطے کی بات چلتی رہتی ہے۔

رابطہ شیخ جب آپ نے پکڑ لیا تو رابطۂ شیخ کے ساتھ آپ وہ انوارات وصول کرنا شروع کر دیتے ہیں جس طرح ہمارے ہاں محفل میں آپ دیکھتے ہیں کہ ساتھیوں کو جب انوارات ٹرانسفر ہوتے ہیں تو ساتھی تڑپتے ہیں اور جو شخص نادان ہو وہ نہیں سمجھتا، محبت والے خوب سمجھتے ہیں کہ وہ انوارات وصول کر رہے ہیں۔ جس طرح کہیں کرنٹ آ رہا ہو تو تھرتھراہٹ پیدا ہوتی ہے۔ اگر آپ کسی ایسی تار کو پکڑ لیں کہ جس میں کرنٹ آ رہا ہو تو آپ دیکھتے ہیں کہ اس کے اندر ایک throbbing موجود ہوتی ہے، ایک ارتعاش موجود ہوتا ہے تو وہ ارتعاش رابطے کا نتیجہ ہوتا ہے۔ تو پہلے ذکر پھر رابطہ۔ رابطہ قوی ہوتے ہوتے انسان کو دل ایک ایسے مقام تک پہنچا دیتا ہے کہ جہاں سے رابطہ جوڑا تھا وہاں پہنچا دیتا ہے۔ اس تیسری stage کا نام ہے مراقبہ۔ تین stages ہیں، ذکر، رابطہ اور مراقبہ! اب چوتھی stage ہے عرفانِ ذات، عرفانِ نفس: اس کے لیے جب ذکر بھی حاصل ہو جائے جب رابطہ بھی میسر آ جائے، جب مراقبے کی کیفیت حاصل ہو جائے اور انسان وہاں جا پہنچے جہاں پر انسان کچھ دیکھنا چاہتا ہو، وہاں جا پہنچے جہاں ملنا چاہتا ہو، وہاں جا پہنچے جہاں سے مبدائے فیض ہو؛ یاد ہے نا مبدائے فیض اور مورد فیض، جب وہاں جا پہنچے تو پھر دیکھے، پھر انسان یہ دیکھے کہ مجھے کس چیز نے یہاں پہنچایا تھا۔

پھر وہ اپنے اندر دیکھے۔ بقولِ حضرت علی المرتضیٰ:

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ

ترجمہ: جس نے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا۔

اور پھر اے مولا کریم جب میں تیری تلاش میں نکلا تو اپنے آپ کو پایا۔ اپنی تلاش میں نکلا تو تجھے پایا۔ گویا آج کے اس درس میں آپ کے لیے چار باتیں عرض کی ہیں۔ پہلی بات یہ کہ جو کام ملے اس کو لگن سے کریں۔ اپنے کام کو صحیح طریقے سے سرانجام دینا طریقت کا پہلا زینہ ہے۔ اگر کسی نے اپنا کام ٹھیک نہ کیا تو اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس کی اگلی رفتار ختم ہو جائے گی۔ دوم زینہ محبت کا ہے، محبت ایک ایسا نور ہے، محبت ایک ایسا آفتاب ہے کہ جس کی روشنی میں آپ چلتے ہیں۔ محبت اتنی بڑی متاع ہے کہ جس سے بڑھ کر پوری کائنات میں کوئی دولت نہیں اور پھر جب یہ دونوں چیزیں میسر آ جائیں تو تیسری چیز ہے اشغال کی دنیا۔ اشغال کی دنیا میں تین چیزیں ہیں ذکر، رابطہ اور مراقبہ اور پھر آگے چل کر اسرارِ نفس شروع ہو جاتے ہیں۔ یہ اسرارِ نفس کتنی قسم کے ہیں، کتنی نوعیتوں کے ہیں، کتنی جہتیں رکھتے ہیں اس پر آج دن تک کوئی آخری بات نہیں کر سکا۔ جب انسان آگے چلتا ہے تو پھر آگے ہی آگے جاتا ہے۔ بقولِ حضرتِ مجدد رحمۃ اللہ علیہ کہ یہ وہ دنیا ہے جس میں مقام کوئی نہیں۔ مقام کہتے ہیں ٹھہرنے کی جگہ کو۔ یہ وہ دنیا ہے جس میں ٹھہراؤ ہے ہی کوئی نہیں۔ آگے ہی آگے بڑھتے چلو۔ رب کی معرفت کے پیالے پیتے چلو!

وما علینا الا البلاغ المبین

وجدان وعشق

محفل میں دو قسم کی کیفیات دیکھنے میں آتی ہیں، ایک تو وہ ساتھی ہیں جن کو اللہ نے جذب وانجذاب کی نعمت سے نوازا ہے اوران کی کیفیات بظاہر بڑی جنون آمیز ہوتی ہے لیکن جن ساتھیوں کو اللہ نے جذب سے نوازا ہے ان سے پوچھا جائے کہ یہ کیفیت کیسی ہوتی ہے تو وہ کہتے ہیں پوری دنیا اس پر قربان کردی جائے تو یہ لذت نہیں مل سکتی۔ دوسری قسم کے ساتھی وہ ہوتے ہیں جو اُن جذب والے ساتھیوں کو دیکھ کر حیران رہتے ہیں کہ ان کی کیفیات کیسی ہیں کہیں مجھ پر طاری ہوگئیں تو چوٹ لگ جائے گی ذرا ڈرتے رہتے ہیں۔ ڈر کی یہ کیفیت دو قسم کے ساتھیوں پر ہوتی ہے ایک ان ساتھیوں پر ہوتی ہے جو نو وارد ہوتے ہیں تو نو وارد ساتھیوں کو پتا نہیں ہوتا کہ یہ کیفیات کس نوعیت کی ہیں اور پھر یہ کہ جس ساتھی پر جذب طاری ہو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کے لطائف کچھ نہ کچھ جاری ہو چکے ہیں۔ لطائف کا جاری ہونا، اس کا قدرتی نتیجہ ہے بدن میں vibration کا پیدا ہونا، vibration جس کا ترجمہ ارتعاش ہے یعنی بدن کا مرتعش ہو جانا، لرزہ براندام ہو جانا۔ جسے آپ لرزہ کہتے ہیں، اسے عربی زبان میں ارتعاش کہتے ہیں اور English میں vibration کہتے ہیں۔ آج کل موجودہ Biology اس بات کو ثابت کر چکی ہے کہ جب انسان کا بدن vibration شروع کردے، مرتعش ہو جائے تو اس کیفیت میں انسان کے اندر سے Alpha-rays نکلتی ہیں یہ شعاعوں کی ایک قسم ہے۔ جو انسانی بدن سے نور کی شعاعیں نکلتی ہیں اس کی بہت ساری قسمیں ہیں Beta-rays بھی ہیں، Gamma-ray بھی ہیں Delta-rays بھی ہیں لیکن ان

میں سب سے زیادہ روحانیت بھری جو شعاعیں ہیں وہ Alpha-rays ہیں۔ جب یہ الفاء شعاعیں نکلتی ہیں تو پورا بدن ان کی لپیٹ میں آجاتا ہے اور بدن کو اٹھا اٹھا کر پھرتی ہیں۔ اگر یہ نقطۂ عروج پر پہنچ جائیں تو انسان پرواز کرنے لگتا ہے۔ اگر آپ کسی ایسے ولی اللہ کا تذکرہ سنیں کہ جنھوں نے فضا میں پرواز کرنا سیکھ لی ہو یا کسی ایسی شخصیت کا تذکرہ سنیں جس نے فضا میں پرواز کرنا سیکھ لی ہو تو یہ حیرت کی کوئی بات نہیں کیوں کہ اس نے اپنے بدن پر کنٹرول حاصل کرلیا ہے اور بدن پہ کنٹرول حاصل کرنے کا ذریعہ اندر کے ان لطائفِ روحانیت کا جاری ہونا ہے جو ہر انسان کے اندر موجود ہیں۔ اب یہ انسان پر depend کرتا ہے کہ وہ ان کو کس حد تک جاری کرنے میں کامیاب ہوتا ہے۔ آپ اسی محفل میں دیکھتے ہیں کہ ایک ساتھی ہیں، تڑپ کر پانچ پانچ فٹ اوپر جا رہے ہیں اور نیچے زمین پر گرتے ہیں تو یوں لگتا ہے کہ جیسے ان کی ہڈیاں ٹوٹ جائیں گی لیکن اللہ ان کو سلامت رکھتا ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ان کی وجہ سے اوروں کو بھی سلامت رکھتا ہے تو جو ساتھی صاحبِ جذب نہیں ہیں ہماری محفل کے اندر ان کی دو قسمیں ہیں ایک وہ ساتھی جن کو آئے ہوئے ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا ان کے لیے 'نووارد' کا لفظ میں نے استعمال کیا۔ دوسرے وہ ساتھی ہیں کہ جن پر حیاتِ ذہنی کا غلبہ ہے۔

حیاتِ ذہنی کے غلبے دو قسم کے ہیں۔ جن کا ذہن ان کے دل پر چھایا ہو، جن کا ذہن دل کے تابع نہیں بلکہ دل ذہن کے تابع ہے۔ یہ دو قسم کی شخصیات ہوتی ہیں ایک اہلِ علم مثلاً ایک شخصیت ہیں، عالم ہیں، انہوں نے قرآنِ عظیم کو پڑھا ہے، انہوں نے حدیث پاک کو پڑھا ہے، انہوں نے فقہ اسلامی کا مطالعہ کیا ہے، ان کی نگاہوں میں تاریخ بھی ہے۔ انہوں نے ادبیات کا مطالعہ بھی کیا ہے۔ کوئی ساتھی انگریزی ادب کا مطالعہ کرتے ہیں، کوئی اردو ادب

کا مطالعہ کرتے ہیں، کوئی فارسی ادب کا مطالعہ کرتے ہیں اور اس طریقے سے شاعری پر ان کی گرفت ہوتی ہے۔ افسانوی ادب پڑھتے ہیں تو اس اعتبار سے ان کا علم بے کراں سمندروں کی طرح ہوجاتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اتنے بڑے پڑھے لکھے انسان کو مطمئن ہونے کے لیے بھی تو کچھ چاہیے۔ ہم یوں ہی کہہ دیں کہ جذب ہو جاؤ تو وہ اس طرح نہیں ہوں گے جب تک کہ ہم ان کو یہ نہ سمجھا سکیں کہ جذب کا method کیا ہے؟ اس کا طریقہ کیا ہے؟ اس کی theory کیا ہے؟ اس کے فوائد کیا ہیں؟ ایک تو وہ علمی ساتھی ہیں، ان کے لیے سامانِ تسکین فراہم کرنا، سامانِ اطمینانِ ذہنی فراہم کرنا، یہ اہل طریقت کی ڈیوٹی ہے۔ اہلِ طریقت کو چاہیے کہ علمی ساتھیوں کو مطمئن کرنے کے لیے ایسا علمی material تلاش کریں جو مدلّل ہو، جامع ہو اور ان کے سوالات کا شافی اور جامع جواب پیش کرتا ہو تاکہ یہ اہلِ علم جو شمشیرِ برہنہ ہوتے ہیں، جب وہ معاشرے میں جا کر تبلیغ کریں تو ان کے پاس دلائل کا ایک بہت بڑا خزانہ ہو۔ ایک یہ قسم ہے۔

اور دوسری قسم ان ساتھیوں کی ہے جو طبعاً تشکیک کا شکار ہوتے ہیں۔ تشکیک بابِ تفعیل سے ہے جس کا مطلب ہے شک کرنا۔ دنیا میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جو ہر بات کو تشکیک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ان کے لیے میری گزارش کہ تشکیک حیاتِ ذہنی کا سب سے بڑا ہتھیار ہے اور وجدان و عشق، حیاتِ قلبی کا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ ان کو چاہیے کہ جس طرح وہ تشکیک کا استعمال کر رہے ہیں ذرا عشق و وجدان کا استعمال کر کے بھی تو دیکھ لیں۔ جس طرح وہ شک کو ہر جگہ پر لگا کر؛ بجلی چیک کرنے والے کی طرح جس طرح وہ Tester لگا کر دیکھتا ہے کہ کرنٹ آرہا ہے کہ نہیں؛ تشکیک کا Tester لگا کر ہر مقام پر نئی

theoriesوضع کرنے کی عادت ،اچھی عادت ہے۔اسی طرح عشق و وجدان کاTester لگاکراس دنیاکوبھی دیکھ لیں توبات بن جائے گی اور یقیناًبن جائے گی۔

نکل جا عقل سے آگے کہ یہ نور

چراغِ راہ ہے ،منزل نہیں ہے

تو ابھی تک جو میں نے گفتگو کی ہے اس اعتبار سے میں نے ساتھیوں کی کچھ قسمیں عرض کی ہیں۔ایک وہ صاحبِ جذب ساتھی ہیں جن کے مقامات عروج کی طرف چل رہے ہیں اور صاحبانِ جذب ہیں، اللہ ان کو مبارک کرے۔دوسری قسم کے وہ ساتھی ہیں جو سوچ رہے ہوتے ہیں، تفکر میں ڈوبے ہوتے ہیں۔ایک نووارد ساتھی کہ جن کو ابھی theories کا پتا نہیں conceptsبھیclear نہیں۔وہ انشاءاللہ محفل میں سیکھ جائیں گے۔

دوسری قسم ان ساتھیوں کی ہے جو تشکیک کا شکار ہیں۔ان میں سے تو ایک وہ ہیں جو اہلِ علم ہیں۔ان کے لیے علمی خدمت کی ضرورت ہے۔اہلِ طریقت کو ان مسائل پہ سوچنا چاہیے۔کل آپ سارے انشاء اللہ العزیز فیلڈ میں جا کر کام کریں گے ،حضورؐ کے دین کی خدمت کریں گے تو میری یہ باتیں آپ کے کام آئیں گی تو تشکیک والے وہ ساتھی ایک تو اہلِ علم ہوتے ہیں کہ جن کے لیے علم چاہیے ،جن کے لیے قرآن وحدیث کا عمیق مطالعہ چاہیے، جن کے لیے تاریخ پر نگاہ چاہیے،تاریخِ تصوف انسان کے سامنے ہے۔مشائخ کے معمولات کا علم ہو،اشغالِ طریقت کا درک رکھتا ہو،وہ شخص ایسے ساتھیوں کو مطمئن کر سکتا ہے اور پھر ایک اور قسم جو بیان کی ہے جو تشکیک والے ساتھیوں کی ہے ان کو میںrecommend کروں گا کہ وہ حضرت پیرِ روم رحمۃ اللہ علیہ کی مثنوی شریف کا مطالعہ کریں۔ جو ساتھی سمجھتے ہیں کہ

میرے ذہن سے بار بار سوال اٹھتے ہیں اور اتنے سوالات اٹھتے ہیں کہ میں سوچتا ہوں، کہیں میں معاذ اللہ کافر تو نہ ہو جاؤں۔ ان کے لیے میں recommend کروں گا کہ وہ حضرت پیر رومی کی مثنوی شریف کا پڑھیں اور جہاں سے وہ آغاز کرتے ہیں پہلے ہی chapter کو غور سے پڑھیں۔ آج کل مثنوی شریف کا ترجمہ بھی مارکیٹ میں آیا ہوا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ مثنوی مولانا روم کے اشعار فارسی میں ہیں اور یہی وہ مثنوی تھی جس نے اقبالؒ جیسی ہستی کو اس مقام پر پہنچایا۔ اقبال فرماتے ہیں کہ

بود نقشِ ہستیم انگاری ای
نا قبولِ ناقصِ ناکارہ ای
عشق سوھان زد مرا، دم شدم
عالمِ کیف وکم عالم شدم
حرکت اعصاب گردوں دیدہ ام
در رگِ ماہ گردشِ خون دیدہ ام
پیرِ رومی خاک را اکسیر کرد
از غبارم جلوہ ہا تعمیر کرد
پیرِ رومی مرشدِ روشن ضمیر
کاروانِ عشق و مستی را امیر
گفت آں شعر کہ آتش اندراوست
اصلِ آں از گرمیٔ اللہ ھو ست

ترجمہ: کہ میری ہستی بالکل ایک بے کار چیز تھی۔ ناقص، نا قبول اور ناچارہ کہ عشق نے مجھے ایسی ریتی سے رگڑا ہے کہ میں بندہ بن گیا ہوں اور میں دنیا کی کیفیت اور کمیت quality and quantity کو جاننے والا بن گیا ہوں۔ میں نے آسمان کی رگوں کی دھڑکنیں دیکھی ہیں اور میں نے چاند کی رگوں میں خون کو دوڑتے دیکھا ہے۔ یہ سارا کمال کس کا تھا۔ یہ وہ پیر روم ہیں کہ جس نے میری خاک کو اکسیر بنا کے رکھ دیا ہے اور میری مٹی سے تجلیات کی تخلیق کی ہے۔ جلوہ در جلوہ پیدا کیا ہے۔ پیرِ روم جو مرشدِ روشن ضمیر ہیں اور کاروانِ عشق و مستی کے امیر ہیں۔ وہ شعر کہے ہیں کہ جن کے اندر آگ کے شعلے بند ہیں اور ان شعروں کی اصل اللہ ھو کی گرمی سے ہے۔

تو ابھی تک جو گفتگو ہوئی اس کا ملخّص یہ ہے کہ علم و حکمت کی دنیا میں ذہن کا استعمال ضرور کیجیے۔ بغیر علم کے؛ حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی خوبصورت مثال دی ہے ایک بے علم فقیر کی، جب میں یہ باتیں کروں تو یاد رکھیے کہ تردید علم کہیں بھی نہیں ہے، تائیدِ علم ہو گی اور پھر موئیدات علم کی بات ہو گی یعنی علم کی ہم تائید کریں گے، علم کی ہم تصدیق کریں گے اور ساتھ ہی ساتھ پھر علم کے ساتھ مدد کرنے والی چیزوں کی بات کریں گے تو حضرت داتا صاحبؒ فرماتے ہیں بے علم فقیر کی مثال، خرِ خراس کی سی ہے۔ خراس کہتے ہیں رہٹ کو۔ لوگ اس کے ساتھ گدھا یا بیل جوت دیتے ہیں اور اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دیتے ہیں اور اس کو چلا دیتے ہیں۔ وہ چلتا رہتا ہے، حتیٰ کہ شام ہو جاتی ہے اور سب اپنے گھروں کو لوٹ جاتے ہیں۔ اب اگر وہ یہ سمجھے کہ اس نے ہزاروں میل کا فاصلہ طے کیا ہے تو کیا وہ صحیح کہتا ہے؟ نہیں! وہ صحیح اس لیے نہیں سوچتا کہ وہ ایک ہی مقام پر پھر رہا ہے اور وہیں پھرتے پھرتے اس کی عمر تمام ہو

جائے گی۔ حضرت داتا صاحبؒ نے اپنی کشف المحجوب میں پہلا باب یہی باندھا ہے۔آپ کو اگر موقع ملے تو کشف المحجوب بھی پڑھیں لیکن یہ یاد رکھیے! کشف المحجوب میں بڑی بڑی چوریاں ہو رہی ہیں جس طرح ہمارا مذہب اغواء کرنے کی کوشش ہو رہی ہیں ناں۔سوادِ اعظم ہم ہیں! اور سوادِ اعظم کوئی اور بننے کی کوشش کر رہا ہے۔چشتی ہمارے، نقشبندی ہمارے، اویسی ہمارے، شاذلی ہمارے، یہ سب ہمارے ہیں لیکن آج کل ان سلاسل کی توہین کرنے والوں نے، جنہوں نے ان پر کفر کے فتوے لگائے تھے، آج کوئی قادری بنا بیٹھا ہے، کوئی نقشبندی بنا بیٹھا ہے، کوئی سہروردی بنا بیٹھا ہے۔تو پہچان چاہیے کہ وہ کون سے ہیں کہ جنہوں نے یہ سلاسل بھی ہم سے اغواء کرنے کی کوشش کی۔جس طرح سلاسل اغوا ہو رہے ہیں اس طرح داتا صاحبؒ کی کتاب 'کشف المحجوب بھی اغوا کرنے کی کوشش ہوئی ہے۔حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب 'فیضِ چشتیائی'، ایک مشہور کتاب ہے جو آپ نے مرزائیت کے رَد میں لکھی تھی۔اس کتاب کے اندر بھی آج کل interpolations ہو رہی ہیں: اپنی طرف سے باتیں گڑھ گڑھ کے اس میں شامل ہو رہی ہیں تو ہمارے اہلِ سنت کو چاہیے کہ ان تمام چیزوں پر نگاہ رکھیں، جہاں چوریاں ممکن ہیں۔حضور داتا صاحبؒ کی کتاب کا اصل ترجمہ جو آپ نے پڑھنا ہے وہ مولوی فیروز الدین صاحب کا ہے۔جو حضور داتا صاحبؒ کے مزار شریف پر ساٹھ سال تک جاتے رہے اور آخر میں داتا صاحبؒ نے فرمایا ''تم نے میرے ساتھ اتنا پیار کیا ہے کہ اب تم قیامت تک میرے ساتھ رہو گے''۔حضور داتا صاحبؒ کے مزار شریف کے ساتھ اگر آپ دیکھیں تو مزار کے بالکل ساتھ مولوی فیروز الدین کا مکتبہ ہے 'فیروز سنز' جہاں کتابیں شائع ہوتی ہیں، یہ ان کا ہے۔مولوی فیروز الدین صاحب نے ایک کتاب لکھی ہے 'جہادِ زندگی' وہ بھی

پڑھنے کے قابل ہے، بڑی روحانی کتاب ہے۔ داتا صاحبؒ کے مزار کے بالکل ساتھ ان کا مزار ہے۔ انہوں نے حضور داتا صاحبؒ کی کتاب کا ترجمہ کیا ہے اگر فیروز سنز والوں سے وہ مل سکے تو وہ پڑھنا ہے۔ اسی طریقے سے علامہ ابوالحسنات قادری صاحب نے بھی اس کا ترجمہ کیا ہے۔ اگر وہ مل سکے تو وہ پڑھنا ہے تو خاص طور پر ترجمہ پڑھتے ہوئے اپنے مکتبوں میں جا کر پوچھیں کہ یہ کس کا ترجمہ ہے کیوں کہ بعض ایسے بھی ہوتے ہیں کہ کسی چیز کو ہاتھ لگا دیں تو ان کا اتنا عجیب وغریب ہاتھ ہوتا ہے کہ ساری برکتیں سلب کر دیتے ہیں۔ آج بھی کچھ لوگوں نے ترجمہ کرنے کی کوشش کی ہے میں نام تو نہیں لیتا کیونکہ ہم اگر کوئی بات کر دیں تو کہتے ہیں ہمارے مسلکوں کی توہین ہوگئی ہے۔ مسلک کو مانتے ہی نہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے مسلک کی توہین ہوگئی۔ عجیب وغریب بات ہے۔ اگر کہیں چوری بتا دیں کہ میاں فلاں مقام پر چوری کی تو کہتے ہیں یہ printing mistake ہوگئی ہے۔ یہ شائع کرنے والے کی غلطی ہوگی تو اس طرح کے بہانے گڑھ کر جان چھڑا لیتے ہیں۔ تو اپنی کتابوں کو، اپنے مصنفین کو، اپنے بزرگوں کو پہچانیئے تو اہلِ طریقت کے لیے پہلی چیز ہے علم! علم کے ساتھ وجدان وعشق۔ آج کی محفل کا موضوع تو کچھ اور تھا لیکن محفل کے اندر مجھے یوں محسوس ہوا کہ کچھ ساتھیوں کو جو نو وارد ہیں ان کے لیے کچھ بنیادی باتیں عرض کر دوں۔

وما علینا الا البلاغ المبین

عقیدے کی ٹھوکر

الصلوٰۃ و السلامُ علیک یا رسول اللہ

الصلوٰۃ و السلامُ علیک یا حبیب اللہ

الصلوٰۃ و السلامُ علیک یا رحمۃ اللعالمین

الصلوٰۃ و السلامُ علیک یا خاتم النبین

الصلوٰۃ و السلام علیک یا شفیع المذنبین

الصلوٰۃ و السلام علیک یا خاتم النبیین

عزیز برادرانِ طریقت! اصل میں آج کا دن خصوصیت کے ساتھ ذکرِ سیدِ عالم ﷺ کا دن ہے کیونکہ یہ دن حضور شہنشاہِ دوعالم ﷺ کے میلاد شریف کی عید منانے کے ہیں اور جی چاہتا ہے کہ خالص روحانی اعتبار سے کچھ باتیں آپ سے ایسی کی جائیں کہ اہلِ طریقت کا حضور شہنشاہِ دوعالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ اقدس سے جو رابطہ اور تعلق ہے اس حوالے سے۔ یہ یاد رکھیے کہ عیدِ قربان بڑی عید ہے۔ عیدالاضحیٰ بڑی چیز ہے۔ عیدالفطر بڑی نعمت ہے۔ لیلۃ القدر بڑی نعمت ہے۔ اسمِ اعظم بہت ہی بڑی نعمت ہے لیکن یہ نعمتیں کن اداؤں سے بنی ہیں، یہ نعمتیں کس کی رحمتوں سے ترتیب پاتی ہیں اور یہ نعمتیں اور رحمتیں کس نے مانگی ہیں اور کس کے لیے؟ اپنے لیے؟ یہاں ایک خاص قیمتی بات آپ کو ذہن میں رکھنی چاہئے کہ کچھ عابد، عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ انہیں لیلۃ القدر نصیب ہو جائے۔ اچھی بات ہے کیونکہ لیلۃ القدر اگر مل جائے تو ساری بگڑی بن جاتی ہے کچھ بزرگ، کچھ اللہ کے نیک بندے قرآن و حدیث کو اس لیے پڑھتے ہیں کہ اس میں

سے ہمیں اسمِ اعظم کا نشان مل جائے اور کچھ ساتھی اس لیے محنت کرتے ہیں کہ جمعے کی وہ ساعت نصیب ہو جائے کہ جس میں دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ علیٰ ھٰذا القیاس دنیا اللہ کی بارگاہ میں استجابت کے رستے ڈھونڈ رہی ہے کوئی لیلۃ القدر کے رستے سے، کوئی اسمِ اعظم کے رستے سے، کوئی جمعے کی ساعت کے رستے سے، کوئی قرآن کے رستے سے، کوئی اسماء الحسنٰی کے رستے سے، کوئی چلّوں سے، عبادات واشغال سے، محنت وریاضت سے لیکن ایک رستہ ایسا بھی ہے کہ جس پر نہ تو مشقت ہے اتنی، جس میں نہ کسی چیز کا استرداد ہوتا ہے یعنی کوئی چیز رد نہیں ہوتی۔ لوگ ایک اسم کی تلاش میں رہتے ہیں یہاں ہر لفظ قبول ہے۔ لوگ کسی ادا کی تلاش میں رہتے ہیں اور یہاں ہر ادا مقبول ہے کیونکہ یہ لفظ، لفظِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے کیونکہ یہ ادا، ادائے رسول پاک ﷺ ہے کیونکہ یہ دعا، دعائے مصطفیٰ ہے صلی اللہ وتعالیٰ علیہ وسلم۔

اللہ کریم نے اسمِ اعظم ہو کہ لیلۃ القدر ہو، جمعے کی ساعت ہو یا اسماء الحسنٰی ہوں جتنی ساری برکتیں بکھیری ہیں وہ اپنی رحمت کے route سے بکھیری ہیں اور رحمت کا تاجدار ہونے کا تاج جس سر پر رکھا گیا، وہ سارے جانتے ہیں کہ

وَمآ ارسلنک الا رحمة اللعالمین۔

ہم لوگ حضور شہنشاہِ دوعالم ﷺ کی رحمت سے زندہ ہیں۔ جہاں انبیائے کرام نبوتیں لے کر آئے اور کہا مولا کریم! یہ بڑی چیز ہے لیکن ہمیں اس محبوب کی امت میں پیدا فرما دیتا تو یہ اس سے بھی بڑی بات ہوتی۔ اب ہمارے حضور ﷺ کیا ہیں؟ کوئی نہیں بتا سکتا۔ آج تک کسی ماں نے کوئی ایسا فرزند نہیں جنا کہ جو یہ بتا سکے کہ ہمارے حضور ﷺ کیا ہیں۔ المختصر! میں اپنے استادِ گرامی کا یہ جملہ آپ کی خدمت میں عرض کروں گا، حضرت سید السادات

حضرت سید عبد القادر شاہ صاحب الگیلانی ارشاد فرمایا کرتے ہیں کہ وہ کمال، کمال ہی نہیں کہ جو حضور ﷺ کی ذات میں نہ ہو۔ یوں کہنا چاہیے کہ

کائناتِ حسن جب پھیلی تو لا محدود تھی
اور جب سمٹی تو تیرا نام ہو کر رہ گئی

نبوت کو شرف حضور ﷺ کی بارگاہ سے ملا۔ رسالت کو شرف حضورؐ کی بارگاہ سے ملا۔ صحابیت کو شرف حضورؐ کی بارگاہ سے ملا۔ خلافت کو شرف حضورؐ کی بارگاہ سے ملا۔ امامت کو شرف حضور ﷺ کی بارگاہ سے ملا، ولایت کو شرف حضور ﷺ کی بارگاہ سے ملا، غوثیت کو شرف حضور ﷺ کی بارگاہ سے ملا، قطبیت کو شرف حضور ﷺ کی بارگاہ سے ملا، ابدالیت کو شرف حضورؐ کی بارگاہ سے ملا۔ مومنیت کو شرف حضور ﷺ کی بارگاہ سے ملا بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ کائنات کے ہر ذرے کو شرف حضور ﷺ کی بارگاہ سے ملا۔ ہمارے دادا استاد حضرت علامہ سردار احمد صاحب محدثِ فیصل آبادیؒ جو شہزادۂ اعلیٰ حضرت کے شاگرد ہیں اور اہلِ سنت کے مایہ ناز عالمِ دین اور اتنے پیارے بزرگ ہیں کہ ساری زندگی کسی بدعقیدہ سے ہاتھ نہیں ملایا اور مزے کی بات یہ ہے کہ چہرے پر نقاب ڈالے رکھتے تھے۔ ہر وقت مراقب رہتے تھے اور مراقبے کی کیفیت میں آپ کا چہرہ مبارک ہوتا تھا لیکن کیا مجال کہ کوئی بدعقیدہ آ کر ہاتھ ملا دے۔ لوگ Test کرنے کے لیے چیک کرنے کے لیے آتے تھے کہ دیکھیں سردار احمد کو پتا چلتا ہے کہ نہیں کہ یہ سرکارؐ کا محبت کرنے والا ہے یا سرکارؐ کا دشمن ہے، پتا چلتا ہے کہ نہیں۔ حضرت ہاتھ پیچھے کر لیتے۔ ایک دفعہ دہلی میں ایک مکتبے پر، مکتبے کا نام اس لیے نہیں لیتا کہ پھر لوگ کہتے ہیں کہ ہماری عزت کا نقصان ہوا ہے لیکن ان مکتبوں سے ایسی کتابیں شائع ہو رہی

ہیں کہ جو ناموسِ مصطفیٰ ؐ کو challenge کرتی ہیں، استغفر اللہ العظیم۔ خود ہی شرم آنی چاہئے۔ آپ خود اپنے اداروں پہ ذرا غور کریں ہم عرض کریں گے تو شکایت ہوگی تو حضرت کو کسی کتاب کی ضرورت تھی آپ تشریف لے گئے اسی مکتبے پر جو دہلی میں تھا۔ سرکارؒ کے کچھ گستاخ اپنی کتابیں وہاں پر شائع کیا کرتے تھے۔ آپ نے جا کر وہاں پوچھا کہ فلاں کتاب ہے؟ تو دوکاندار نے پوچھا آپ کہاں سے آئے ہیں؟ آپ نے جواب دیا فیصل آباد سے آیا ہوں تو اس دوکاندار کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ کہنے لگا وہاں پر ایک مولوی صاحب ہیں سردار احمد آپ جانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا جی ہاں جانتا ہوں۔ وہ کون ہیں؟ کہنے لگے کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ کے ایک سگ ہیں اور تمہارے سامنے کھڑے ہیں بتاؤ کیا بات ہے؟ اس نے کہا کہ آپ کا عقیدہ ہے کہ حضورؐ غیب کا علم جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، جی ہاں الحمدللہ میرا یہ عقیدہ ہے کہ حضورؐ علمِ غیب جانتے ہیں اور جس کا یہ عقیدہ نہ ہو ہم اسے منافق سمجھتے ہیں۔ ہم ڈنکے کی چوٹ پر کہتے ہیں کہ ہمارے آقا ہر چیز کو جانتے ہیں اور جو نہ جانتا ہو اس کو امامت اور بزرگی کا حق ہی کوئی نہیں ہے۔ جس کو اپنی اقلیم کا ہی پتا نہ ہو جس کو اپنی سلطنت کا پتا نہ ہو کہ میری سلطنت کہاں کہاں ہے میری سلطنت میں کیا کیا ہے تو وہ بھی کوئی بادشاہ ہے اس سلطنت کا۔ ہمارے حضور ﷺ پوری کائنات کے شہنشاہ ہیں اور پوری کائنات ہمارے حضورؐ کے قدموں میں ہے۔ حضورؐ ہر چیز جانتے ہیں تو اس بدبخت نے ایک تنکہ اٹھایا اور کہا کیا حضورؐ اس تنکے کا علم رکھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا جی ہاں ہمارے حضورؐ اس تنکے کا علم رکھتے ہیں۔ کہنے لگا دلیل لاؤ۔ بخاری شریف سے دلیل لاؤ۔ بخاری شریف ان کو بڑی پیاری لگتی ہے۔ آپ نے فرمایا دیکھو! یہ بتاؤں کہ حضورؐ اس کا علم رکھتے ہیں یا یہ بتاؤں کہ یہ حضورؐ کا علم رکھتا ہے یا نہیں؟

کہنے لگا کہ اگر یہ دلیل لاسکوتو کیا بات ہے۔آپ نے فرمایا! دل پہ ہاتھ رکھو، کھولو بخاری شریف اور پڑھو یہ حدیث کہ سرکار خود ارشاد فرماتے ہیں **لَا حَبَّةَ فِی الارضِ ولَا فِی السماءِ الا یَعلَمُو انی رَسول اللہ** کہ دنیا کے اندر کوئی تنکا بھی ایسا نہیں کہ جو یہ نہ جانتا ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔اب جب محترم نے یہ حدیث سنی تو گردن نیچے ہوگئی اور ایمان جو پہلے ہی کہیں الگ بیٹھا ہوا تھا وہ وہاں سے بھی اُڑ گیا۔حضرت مسکرا کر واپس تشریف لے آئے تو بدبختی بعض لوگوں کی یہ ہے کہ انہوں نے کمالاتِ نبوت کو چیلنج کیا ہے۔یہاں میں مثال کے طور پر ایک بات کرتا ہوں ایک بہت ہی بڑے مولانا کا یہ عقیدہ ہے۔اس دور کے بڑے بڑے لوگ پاسبانیوں کے دعوے کرتے ہیں، دین کی پاسبانیوں کے دعوے۔ان کے کسی بڑے گرو کا عقیدہ ہے کہ حضورؐ کو چالیس سال کی عمر میں نبوت ملی اس عقیدے کو ذرا assess کیجیے۔

میں آج سرکارؐ کی باتیں کر رہا ہوں کیونکہ آج کا دن خصوصاً علی الخصوص ہمارے آقا کا ہے۔ویسے تو ہر ساعت ہمارے آقا کی ہے ناں لیکن آج ہم حضورؐ کی ذاتِ پاک کی شان کے حوالے سے عرض کر رہے ہیں اور خاص طور پر آپ کو یہ بتانا مقصود ہے کہ اہلِ طریقت کا تعلق حضور شہنشاہِ دو عالم ﷺ سے کیسے ہے۔اب ایک صاحب کا عقیدہ ہے کہ حضورؐ کو نبوت ملی چالیس سال کی عمر میں اور تئیس سال اشاعتِ دین فرمانے کے بعد آپ فوت ہوگئے مرنے کے بعد نبی کا مشن مکمل ہوگیا۔اب آگے کام ہے لوگوں کا۔ نبی کے ماننے والوں کا۔گویا نبوت کی کل عمر بنی تئیس سال۔ ذرا میں آپ کو اس عقیدے کا شجرۂ نسب بتاتا ہوں۔ دیکھیں یہ عقیدہ کہاں سے نکلا ہے اور کتنا بڑا کافرانہ عقیدہ ہے۔لوگ بڑے طمطراق سے اسلامیات کی کتابوں میں لکھ دیتے 'چالیس سال کی عمر میں تھے تو نبوت عطا ہوئی'۔ شرم تم کو مگر نہیں آتی!

سرکارؐ فرماتے ہیں: **کنت نبی و آدمُ بین ماءِ متین** کہ میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام ابھی پانی اور مٹی کے درمیان تھے۔

اب جنابِ والا! جو شخص ختمِ نبوت کا منکر ہے، وہ کافر ہے۔ اب ختمِ نبوت کا منکر کافر اور خود نبوت کا منکر، کافر تر۔ جو ختمِ نبوت کا منکر وہ کافر اور جو ابتدائے نبوت کا منکر، وہ؟ غور کیجیے، ایک ہے ختمِ نبوت، ایک ہے تسلسلِ نبوت اور ایک ہے ابتدائے نبوت، تینوں پر عقیدہ ضروری ہے۔ تینوں میں سے کسی کا منکر بھی کافر ہے۔

☆ نبوت کی ابتدا کب ہوئی اس وقت سے لے کر نبوت ظاہر کب ہوئی یہ ابتدائے نبوت ہے۔

☆ نبوت نے ظاہر ہو کر کیا کیا، یہ تسلسلِ نبوت ہے، کارِ نبوت ہے۔

☆ سرکارؐ کے تشریف لے جانے کے بعد نبوت کا سلسلہ بند کر دیا گیا، یہ ختمِ نبوت ہے۔

ابتدائے نبوت کا منکر بھی کافر، تسلسلِ نبوت کا منکر بھی کافر اور ختمِ نبوت کا منکر بھی کافر!!

ڈیڑھ ڈیڑھ فٹ منہ کھول کے سرکار کی نبوت کا انکار کرتے پھرتے ہیں۔

غور کریں! نبوت کی تین sections بنتی ہیں۔ پوری کائنات میں کوئی بھی نہیں تھا ہمارے سرکارؐ تھے۔ پوری کائنات میں کوئی بھی نہیں تھا، ہمارے سرکارؐ کا نور تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام ابھی تک پانی اور مٹی کے درمیان تھے ہمارے آقا کی نبوت تھی۔ اس وقت سے لے کر ظہورِ نبوت تک ہمارے آقاؐ نبی تھے اور شہنشاہِ انبیاء تھے اور پھر جب ہمارے آقاؐ نے نبوت ظاہر فرمائی اس وقت سے لے کر وصال شریف تک تیئس سال تک بظاہر کارِ نبوت ہوتا رہا۔ اب جس

شخص نے تسلسلِ نبوت سے انکار کر دیا، ابتدائے نبوت سے انکار کر دیا اور نبوت کو سمٹا کر تئیس سال پر لے آیا گویا اس نے کروڑوں، اربوں، کھربوں کے سالوں میں سے صرف تئیس سال حضورؐ کی نبوت کو مانا ہے، باقی سارے سالوں کا منکر ہے یہ سوچنے کی بات ہے۔ اس لیے اگر کہیں کوئی نظر آئے جس نے اس عقیدے میں ٹھوکر کھائی ہو تو اس کو کان سے پکڑ کر کہیں میاں! منکرین ختمِ نبوت کو کافر کہنے والے تو ابتدائے نبوت کا کافر کیوں ہے؟ یہ بات سوچنے کی ہے۔

اور پھر انہوں نے اور کہاں ٹھوکر کھائی، جہاں ہمارے شہنشاہ کریمؐ کے والدینِ کریمین کو معاذ اللہ کافر کہہ دیا۔

شرم تم کو مگر نہیں آتی

اور اس کے بارے میں کتابیں لکھتے ہیں، دلیلیں دیتے ہیں۔ جونہی کوئی گیارھویں شریف پر یا میلاد شریف پر یا چہلم پر کوئی اعتراض کرنے والا نظر آئے تو پوچھیں تمہارا عقیدہ کیا ہے سرکار کے والدینِ کریمین کے بارے میں۔ جرأت نہیں ہوتی بات کرنے کی۔ ایک وہ جنہوں نے نبوت کے عقیدوں میں ٹھوکر کھائی، دوسرے وہ جنہوں نے سرکار کے والدین کے بارے میں گستاخی کا ارتکاب کیا ہے اور تیسرے وہ کہ مدینہ شریف کے اندر حضورؐ کے صحابہ کی محفل ہوا کرتی تھی اور اس میں سرکار کے محبّ بیٹھے ہوا کرتے تھے اور کچھ ایسے بھی ہوا کرتے تھے کہ جو آکر بیٹھ جاتے تھے اور دل میں سوچتے تھے کہ کون سا نبی کو پتا ہے کہ میں یہودی ہوں کہ مسلمان ہوں؟ ہوتا تھا کیا یہودی اور یہ سوچ کر آتا تھا کہ نبی کو پتا نہیں ہے کہ میں یہودی ہوں یا مسلمان ہوں تو جب سرکار نے اشارہ کر کے فرمایا فلاں تو بھی اٹھ، فلاں تو بھی اٹھ۔ تو پھر پتا چلا کہ نبی کو غیب کا علم ہوتا ہے۔ اس عقیدے کا شجرۂ نسب وہاں جا کر ملتا ہے اسرائیلیوں سے۔

ان یہودیوں سے جا کر ملتا ہے کہ جو سرکار کی محفل میں مدینہ شریف کی بستیوں میں یہ سوچ کرایا کرتے تھے کہ کون سا نبی کو پتا ہے کہ میں یہودی ہوں کہ مسلمان ہوں۔ ان سے کہیں کہ اپنے بھائیوں کے ساتھ کھڑے ہو کر اپنے عقیدے کی assessment کر لو اپنے عقیدے کا اندازہ کر لو کہ یہ تم نے وہاں سے ادھار لیا ہوا ہے۔ تیسرا گستاخ اس مقام پر ظاہر ہوتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس ہم ان سب گستاخوں کو دفع کرتے ہیں۔

ہم اپنوں کی بات کر رہے ہیں کہ ہمارے شہنشاہ دو عالم ﷺ ایمان کس طرح تقسیم فرما رہے ہیں۔ ایک کتاب ہے The Bible The Quran and Scienc یہ لکھی ہے Morris Bokai نے اس کتاب کے دونوں text میرے پاس موجود ہیں اردو بھی اور انگلش بھی۔ بائبل، قرآن اور سائنس۔ یہ اس کا ترجمہ ہوا ہے۔ اس شخص نے اسلام کیسے قبول کیا ہے یعنی کہاں سے چلا اور اس نے حقانیت مصطفیٰ کو کیسے تسلیم کیا۔ یہ ریسرچ کر رہا تھا کہ مسلمانوں کا دعویٰ ہے کہ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ ہم نے ہر چیز کو جوڑے جوڑے پیدا کیا لیکن پھولوں کے تو کوئی جوڑے نہیں۔ ہر چیز کا جوڑا ہے؟ یہ Botanical reseach تھی، باٹنی کی، تو پھولوں کا تو کوئی جوڑا نہیں ان میں نر اور مادہ نہیں بنتے اس پر وہ سوچ رہا تھا تو بات تھی قرآن کی اگر یہ ثابت ہو جائے کہ پھولوں کی بغیر جوڑے کے regeneration ہو جاتی ہے تو قرآن کی تردید ہو جائے گی اور بائبل کا جھنڈا بلند ہو جائے گا۔ اب ناموس قرآن ہو۔

عرشِ اعلیٰ پہ رب سبز گنبد میں تم
کیوں کہوں میرا کوئی سہارا نہیں

تو وہ مدتوں سوچتا رہا۔ آخر ایک دن ہمارے شہنشاہ دو عالم ﷺ اسے خواب میں ملے اور

آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم جس پر تحقیق کر رہے ہو، کسی نتیجے پر نہیں پہنچو گے۔ تمہیں میں بتاتا ہوں کہ ایک پھول کے زردانے جب دوسرے پھول تک اُڑ کر جاتے ہیں اور دوسرے پھول کے ساتھ جب جا کر ملتے ہیں تو ان کی pollination اس طرح ہوتی ہے اور اگر تم تجربہ کرنا چاہتے ہو تو ایک پھول کے گرد غلاف چڑھالو کسی چیز کا کہ اس کے زردانے اُڑ کر کسی دوسرے پھول تک نہ جا سکیں اور پھر دیکھنا کہ وہ زندہ رہے گا یا نہیں۔ اس کی افزائشِ نسل ہوگی یا نہیں۔ اس نے کچھ پھول ادھر رکھے، کچھ پھول اُدھر رکھے، دونوں اطراف کو cover کر دیا اور زردانوں کو اُڑنے سے روک دیا چنانچہ سب کے سب پھول مرجھا گئے ان کی نسل ختم ہوگئی۔ پھر انہی پھولوں پر دوبارہ تجربہ کیا۔ کھلی فضا میں رکھا ان کے زردانے اڑ کے اُن کی طرف یا ان کے زردانے اڑ کے ان کی طرف چلے گئے pollination ہوگئی اور ان کی نسل بڑھتی چلی گئی۔ اب دو روایات تھیں یہاں پر کہ اس کو پھر سرکارؐ خواب میں ملے اور فرمانے لگے تم جانتے ہو میں کون ہوں؟ میں مسلمانوں کا Prophet محمدؐ ہوں اور اس کے بعد اس نے یہ کتاب لکھی ہے۔

اب اگر کوئی کافر ہو تردیدِ قرآن پہ کام کرنا شروع کر دے، تردیدِ قرآن پہ بات کر رہا ہوں، ہمارے شہنشاہِ دو عالمؐ کرم فرما کر کہتے ہیں نہیں تم میرے قرآن کی تردید نہیں کر سکتے کیونکہ میرا رب فرما رہا ہے:

اِنَّآ نَحنُ نَزلنا الذکرَ وَ اِنَّآ لهُ لَحفِظُون

ہم نے یہ ذکر نازل کیا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

اب اگر کوئی تائیدِ قرآن میں کام کر رہا ہو، ادھر تردید ہے ادھر تائید ہے، ادھر کافر ہے ادھر مسلمان ہے، ادھر دشمن ہے ادھر پیار والا ہے تو کیا خیال ہے کرم کی کوئی حد ہوگی۔ ہمارے حضورؐ اپنے ان دوستوں پر جو حضورؐ کے مشن کی خاطر کام کرتے ہیں، خود کرم فرماتے ہیں۔

ہمارے ہاں تین قسم کے لوگ ملتے ہیں: ایک وہ لوگ جو کہ سرکار کا کلمہ پڑھ کر بھول جاتے ہیں کہ ہم نے کلمہ کس کا پڑھا ہے۔ دن رات لہو ولعب میں، تجارت میں، کھیل کود میں، عیاشیوں میں اور تعیش میں پڑے ہوئے ہیں اور یہ بھولے ہوئے ہیں کہ ہم نے کس آقا کا کلمہ پڑھا ہوا ہے۔ سیاست کی خاطر کام کریں گے، اقتدار کی خاطر کام کریں گے، gazzetted کلاس ون سیٹوں کی خاطر کام کریں گے، گورنمنٹ میں employement کے لیے کام کریں گے، مکان چڑھانے کے لیے کام کریں گے اگر کام نہیں کریں گے تو دین کے لیے نہیں کریں گے لیکن جب بات آئے گی تو کہیں گے کہ تمہیں پتا ہے میں کس کا غلام ہوں۔ بہرحال ان سب چیزوں کے باوجود بھی دعویٰ ہو تو پھر بھی بڑی بات ہے پھر بھی ایک ایمان کا نور ہے جو کسی نہ کسی وقت جگمگا اٹھے گا۔

اپنے صحرا میں بہت آہو ابھی خوابیدہ ہیں
بجلیاں برسے ہوئے بادل میں ابھی پوشیدہ ہیں

ان میں سے بھی کبھی کبھی کوئی غازی علم دین تاش کے پتے پھینک کر اٹھ کر ایک انقلاب برپا کر دیتا ہے۔ یہ مسلمانوں کی دنیا کے معجزے ہوتے رہتے ہیں۔ یہ ایک پہلے طبقے کی بات ہے۔ اس طبقے پر تبلیغ کی بھی ضرورت ہے اور ان کو ذکر سکھانے کی ضرورت ہے اور ان پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ دوسرا طبقہ ہے علماء کا جنہوں نے آقا کی حدیث کی مثلاً ایک حدیث جس کے حضرت مولا علی المرتضیٰ شیرِ خدا راوی ہیں ان کے بعد ان کے ساتھی راوی ان کے ساتھی راوی یہاں تک کہ وہ حدیث روایت در روایت در روایت ہم تک پہنچ رہی ہے یا کسی ایک بزرگ نے قرآن جمع کیا اور وہ قرآن جمع ہوتے ہوتے اپنی فائنل صورت تک پہنچ گیا۔ کسی نے تاریخِ اسلام کو بیان کرنا شروع کیا، بیان ہوتے ہوتے یہاں

تک پہنچ گئی اور بیان کرنے والوں کے نسب بھی لکھے کہ یہ بات فلاں نے کی تھی یہ بات فلاں نے کی تھی۔ اسلام کا کمال یہ ہے کہ اسلام نے باقاعدہ اسماءُالرجال کا پورا علم وضع کیا ہے کہ جتنے محدثین ہیں، جتنے راویانِ احادیث ہیں ان سب کے شجرہ ہائے نسب ریکارڈ کیے ہیں تو ایک یہ طبقہ ہے علماء کا کہ جو کچھ بھی سنا من وعن جو کچھ بھی پایا اسی طرح امت کی امانت امت کے سپرد کرتے چلے گئے۔ یوں کہنا چاہئے کہ امت کے اور سرکارؐ کے درمیان جو ایک قدر مشترک ہے جو ادھر سے فیض لے کر ادھر پہنچا رہے ہیں وہ ہمارے آقاؐ کی امت کے علماء ہیں۔ اب یہ لاؤڈ اسپیکر ہے نا میں آپ سے بات کرنے کے لیے اسے استعمال کر رہا ہوں تو میرے اور آپ کے درمیان جو آسانی پیدا کر رہا ہے وہ یہ لاؤڈ اسپیکر ہے۔ یوں کہنا چاہئے کہ سرکار کے دربار کے لاؤڈ اسپیکر علمائے کرام ہیں۔ یہ غور کریں جو لوگ علماء کے خلاف زبانیں کھولتے ہیں ان کو شرم آنی چاہئے کہ سرکارؐ کی امانت لے کے تمہارے پاس کون آیا۔ حضورؐ کی حدیث سینوں سے لگا کے کس نے رکھی ہیں؟ رب کے قرآن کی تفاسیر کس نے لکھی ہیں؟ ہمارے شہنشاہِ دو عالمؐ کی امت کے علماء کا کام ہے۔ قرآن عظیم کہتا ہے:

یخشی اللہ مِن عبادہِ العلماء

ترجمہ: اللہ سے ڈرنے کا حق اگر کوئی صحیح معنوں میں ادا کرتے ہیں تو وہ علماء ادا کرتے ہیں لیکن علماء جہاں ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں کہ اگر

یکسر موئے برتر پرم
فروغِ تجلی بسوزد پرم

کہ یہاں تک تو ہم بات کر سکتے ہیں لیکن آگے ایک ایسی درگاہ ہے جہاں ہم

نہیں جا سکتے۔ وہاں پھر اولیائے کرام آتے ہیں، وہاں حضرت شاہ ولی اللہؒ کے الفاظ ہیں آپ کی ایک کتاب ہے؛ الدرُّ صمیم فی مبشرات نبی الامین۔ اس کے اندر آپ نے چالیس حدیثیں لکھی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ان حدیثوں کی صحت کے بارے میں مجھے کچھ شک تھا تو میں نے یہ شک دور کرنے کے لیے روحانی طریقے سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ سے رابطہ کیا۔ خود سرکار سے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ! یہ آپ کی حدیثیں ہیں کہ نہیں۔ سرکارؐ نے تائید فرمائی کہ یہ میری حدیثیں ہیں تو گویا ایک channel ایسا بھی ہے کہ جہاں علماء بھی بس کر جائیں وہاں پھر ہمارے آقا جس کو چاہیں اپنے دربار میں طلب فرما کر نواز دیں اور بتا دیں کہ یہ بات میری کہی ہوئی ہے اور کہی ہوئی نہیں۔

آج کل بعض لوگ؛ یہاں اہلِ روحانیت کے لیے ایک نصیحت بعض لوگ گلیوں میں بھی پھرتے ہیں، لطیفے جاری کروا لو جی، حضورؐ دی زیارت کر لو جی، چلو دربارِ نبیؐ وچ، اس طرح کے لوگ آپ کو ملیں گے۔ یاد رکھئے! کہ لطیفہ بغیر کرمِ خدا کے جاری نہیں ہوتا اور لطیفہ وہی جاری کر سکتا ہے جس کے اپنے جاری ہوں، ایک بات۔ دوسری بات حضورؐ کی بارگاہ وہ بارگاہ ہے جہاں کوئی دم نہیں مار سکتا۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ میں حضورؐ کی زیارت کروا سکتا ہوں۔ بھئی تم کون ہو؟ حضورؐ جسے چاہیں اپنے کرم سے نواز دیں، جسے چاہیں اپنے دربار میں بلا لیں۔ وہ شہنشاہِ کائنات ہیں۔ تجھ جیسے لاکھوں گزرے ہیں جنہیں سرکار کی بارگاہ میں جانا نصیب نہیں ہوا تو لوگ آج کل حضور شہنشاہِ دو عالمؐ کا نام اپنی روحانیت چمکانے کے لیے بھی استعمال کر رہے ہیں۔ ان لوگوں سے بچنا ہے۔

ہماری ایک ہی بات ہے! ہمارے اولیائے نقشبندیہ شریف، چشتیہ شریف، قادریہ

شریف، سہروردیہ شریف سارے اولیاء اللہ فرماتے ہیں کہ:

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر

نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید اینجا

جہاں جنید و بایزید بھی آئیں تو ان کے دم رک جاتے ہیں، سانسیں رک جاتی ہیں اور سراپا ادب و سپاس بن کر کہتے ہیں یا رسول اللہؐ! یہاں تک اس غلام کی ہمت تھی حاضر ہو گیا ہوں آگے آپؐ کی ذات ہے، آپ کرم فرمائیں، آپؐ کی امت ہے اور آپ شہنشاہ ہیں۔ یہاں تک ہماری بات ہے۔ اگر ہم یہاں بیٹھ کر دعوے کریں کہ ہم حضورؐ کی زیارت کرا سکتے ہیں تو خدا کی قسم یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ ہم نہیں کرا سکتے حضورؐ ہم پر کرم فرماتے ہیں۔ ہم نہیں کرا سکتے حضورؐ کرم فرماتے ہیں۔ امت ہمارے آقا کی ہے اور جس کو چاہتے ہیں اتنا عطاء کرتے ہیں۔ اگر اجازت فرما دیں کہ ہاں تو فلاں فلاں کو لے آیا کر تو ٹھیک ہے۔ یہ بھی حضورؐ ہی کا کرم ہے کسی کا کوئی کمال نہیں۔ اگر کوئی اس کو اپنا کمال سمجھ کر بیان کرتا ہے تو جھوٹا ہے، کذاب ہے! اس سے بچنا چاہیے۔

آج بہت سی متفرق باتیں میں نے آپ کی خدمت میں عرض کی ہیں اور خاص طور پر اس حوالے سے کہ عقیدے کی ٹھوکریں کہاں کہاں لوگوں نے کھائی ہیں اور اہلِ روحانیت کی approach کیا ہے۔ دنیا والے کس حالت میں ہیں، علماء کا ایک درجہ کتنا بلند ہے اور اس کے بعد اولیاء حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ کے پیغام لینے والے اور پیغام پہنچانے والی ہستیاں ہیں اور حضورؐ کے دربار سے ان کے براہِ راست رابطے ہیں۔

وما علینا الا البلاغ المبین

واصل باللہ ہونے والے لوگ

برادرانِ طریقت! راہِ سلوک میں قدم قدم پر لغزشیں بھی ہوتی ہیں اور قدم قدم پر رحمتیں بھی ہوتی ہیں۔ایک سالک کے لیے یہ جاننا بہت ضروری ہے کہ جس طرح پرندے کو پرواز کے لیے پروں کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح ایک سالک کو راہِ سلوک میں پرواز کے لیے یا فضائے سلوک میں پرواز کے لیے جن پروں کی ضرورت ہوتی ہے وہ لطائف ہیں اور لطائف کے حوالے سے ایک بات یادرکھیں کہ اولیائے کرام نے جو recommendation یا سفارش کی ہے وہ اس طرح ہے کہ ہر سالک کو ہر لطیفے پر کم از کم دو ہزار مرتبہ اسمِ ذات پڑھنا چاہیے یعنی لطیفۂ قلبی پر دو ہزار مرتبہ،لطیفۂ روحی پر دو ہزار مرتبہ،لطیفۂ سرّی پر دو ہزار مرتبہ ،لطیفۂ خفی پر دو ہزار مرتبہ،اخفاء،نفسی اور قالبی پر دو ہزار مرتبہ۔ یہ کتنے ہو گئے، چودہ ہزار مرتبہ اور جو ہستیاں قطبیت ،ابدالیت ،افرادیت ،اوتادیت ،قطب مدار یا قطب ارشاد کے مقامات تک پہنچی ہیں وہ ہر لطیفے پر کم از کم پانچ ہزار مرتبہ روزانہ ذکرِ اسمِ ذات کرتی ہیں اس طریقے سے جب لطائف منور ہو کر ذاکر ہو جاتے ہیں اور اپنے اصل کی طرف رجوع کرتے ہیں تو اس کی پرواز کو دنیا کی کوئی قوت نہیں پہنچ سکتی۔اس لیے بعض سالک ساتھی اکتفا کر لیتے ہیں ذرا سی محنت پر ابتدائی دنوں چونکہ ذوق ذرا زیادہ ہوتا ہے اس لیے اگر کسی کو حسنِ اتفاق سے خوش نصیبی سے کشف ہو جائے تو وہ انوارات دیکھنے تک اکتفا کر لیتے ہیں اور اگر کسی لطیفے کا نور نظر آ گیا تو کہہ دیتے ہیں کہ ٹھیک ہے مجھے چونکہ لطیفۂ قلبی کا نور نظر آ رہا ہے لہٰذا کافی ہے۔

یاد رکھیے! اس سفر میں کوئی پڑاو نہیں ہے جتنا آگے چلتے جائیں گے اتنے عجائبات بھی

آتے جائیں گے اور کشف کی اتنی لاکھوں کروڑوں صورتیں ہے کہ آپ تصور نہیں کر سکتے تو جن ساتھیوں کو اللہ نے کشف سے نوازا ہے ان کو چاہیے کہ وہ کسی بات پر اکتفا کر کے نہ بیٹھ جائیں۔ لطائف پر اور ہر لطیفے پر کم از کم دو ہزار مرتبہ ذکر کرنا لازم سمجھئے، اگر مقامات پانے ہیں۔ کیفیت کا آ جانا یہ بھی نعمت ہے اور اس کیفیت کو قائم رکھنا، اس کے لیے بڑی استقامت، بڑے حوصلے اور بڑی بلندی خیال اور محنت کی ضرورت ہے اس لیے اس بات کو دل میں بٹھا لیجیے۔

بعض اوقات انسان حیاتِ ذہنی کی طرف زیادہ راغب ہو جاتا ہے مثلاً کوئی طالبعلم ہے اس نے پڑھنا شروع کر دیا اور اس کا ذہن زیادہ حیاتِ ذہنی کی طرف چلا گیا ہے، حیاتِ عقلی کی طرف چلا گیا یا دنیاوی امور میں اتنا الجھ گیا ہے کہ حیاتِ ذہنی و عقلی کے جو گورکھ دھندے ہیں ان میں اس کی ساری شخصیت الجھ کر رہ گئی ہے تو فوراً رجوع کرنا چاہیے حیاتِ قلبی کی طرف کیونکہ قلب ایک ایسی چیز ہے کہ جس سے مسلسل رابطہ رہے گا، اس کی طرف آپ متوجہ رہیں گے تو مقامات کو آپ retain کر سکیں گے۔ اسی طریقے سے دیگر لطائف کی کیفیت ہے۔ جس ساتھی کا جو ذکر ہے، اس ذکر کے ساتھ ساتھ ہر وقت متوجہ رہے مثلاً اس وقت اس محفل میں ہمارے کسی ساتھی کا ذکر اگر سرّی ہے تو باقی جو مرضی ہے ذکر کریں لیکن اس ساتھی کو ساری محنت سرّی ذکر پہ کرنی چاہیے۔ اگر کسی کا ذکر قالبی ہے تو اس ساتھی کو محنت قالبی پر کرنی چاہیے۔ اگر کسی ساتھی کا ذکر نفی اثبات ہے، سلطان الاذکار ہے تو اس کو اس پر محنت کرنی چاہیے کیونکہ جو سبق ہے وہ جتنا پختہ ہوگا آگے کی گرہیں اتنی ہی آسانی کے ساتھ کھلیں گی۔ یہ ضروری ہدایت سالکین کے لیے۔ ابتدا کا ذوق ایک نعمت ہے اور اس کو قائم رکھنے کے لیے بہت بڑی استقامت کی ضرورت ہے، اس بات کو سمجھئے اور خوب سمجھنے میں کوئی شک نہیں ہے کہ امام ربانیؒ

نے فرمایا کہ ہمارا تھوڑا بھی بہت کچھ ہے لیکن بہر حال یہ ایک ایسی منزل ہے، ایسی راہ ہے کہ جس کی طرف جانے کے لیے آپ کبھی بھی تھکیں گے نہیں! تھکنا چاہیے بھی نہیں تا کہ آگے بڑھتے چلے جائیں، آگے بڑھتے چلے جائیں، آگے بڑھتے چلے جائیں۔

اس راہ کے مسافروں کی عمومی تقسیم اگر ہم کریں تو چار قسم کے لوگ ہمارے سامنے آئیں گے یعنی چار طریقے ہیں واصل ہونے کے یعنی وصالِ الٰہی کے، اپنی منزل کی منتہا تک پہنچنے کے چار طریقے ہیں اور اس اعتبار سے چار قسموں کے لوگ ملیں گے۔ پہلا طریقہ ہے کام جو آپ کو دیا گیا ہے اس کام کو اتنی نیک نیتی سے کریں کہ رزق حلال ہو جائے۔

اور بقول اقبالؒ

چیست دین صدقِ مقال، اکل حلال

دین کیا ہے سچی بات کرنا اور حلال کھانا۔ سارا دین دو چیزوں میں بند ہے تو پہلا طریقہ ہے اس قسم کے لوگوں کا کہ ان کو جو کام ملتا ہے اس کو حلال کرتے ہیں مثلاً اگر کوئی استاد ہے اور وہ پڑھ کر نہیں پڑھاتا تو اس کا رزق حلال ہوگا کہ حرام ہوگا؟ حرام ہوگا ناں۔ اگر کوئی خطیب صاحب ہیں مخلوق کہتی ہے کہ وہ ہمیں قرآن و حدیث سنائیں گے لیکن وہ صرف ختم پڑھنے پہ گزارہ کرتے ہیں تو کیا خیال ہے ان کے بارے میں۔ ان کا اپنا ہی رزق حرام نہیں، پوری قوم کو تباہ کر رہے ہیں۔ ایک انجینئر اگر غلط پل بنائے گا، بلڈنگ غلط ہوگی، کنسٹرکشن غلط ہوگی تو کتنوں کا بیڑا غرق کر دے گا۔ ایک دکاندار جو اپنے امور میں صادق نہیں، کتنا فساد برپا کرے گا۔ ایک سیاستدان جس نے کرپشن اپنا معمول بنا رکھی ہے کیا قیامت نہیں ڈھائے گا۔ علیٰ ہذا القیاس ایک قسم کے وہ لوگ ہیں کہ ان کو جو کام ملتا ہے اس کام کو مکمل

دیانتداری کے ساتھ مکمل صدق وصفا کے ساتھ سرانجام دیتے ہیں اور اسی صدق وصفا کے نتیجے میں وہ واصل الی اللہ ہو جاتے ہیں۔ یہ ان لوگوں کی منزل ہے جو اپنا کام راست بازی سے کرتے ہیں۔

دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں کہ جنہیں آپ اہل محبت کہتے ہیں مثلاً اپنے شیخ کو دیکھا، اپنے بزرگ کو دیکھا، اپنی محبوب شے کو دیکھا تو ہر چیز کو بھول بھال کر ہر چیز کو چھوڑ چھاڑ کر اسی راہ پر لگ گئے۔ دنیا ادھر کی اُدھر ہو جائے، زمانے لاکھ بدلیں، آندھیاں آئیں کہ جھکڑ چلیں، طوفان آئیں یا بگولے اٹھیں، دریا ہوں کہ صحرا ہوں، زمین ہو کہ آسمان ہو، ان کے ذہن میں ایک خیال رہتا ہے اور وہ ہے فکرِ محبوب۔ دنیا کی کوئی قوت ان کا راستہ نہیں روک سکتی۔ جس طرح ہمارے دادا استاد حضرت شیخ الحدیث علامہ سردار احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کالج کے ایک طالبعلم تھے اور شہزادہ اعلیٰ حضرت کو دیکھا؛ وہ رہی طالبعلمی، وہ رہا علم، وہ رہی دنیا، سب چھوڑ چھاڑ کے ان کے پیچھے لگ گئے اور وہ کمال پایا کہ ساری زندگی اہلِ باطل سے ہاتھ نہیں ملایا۔ منہ پر نقاب رکھتے تھے لیکن کیا مجال کہ اہلِ باطل میں سے کوئی آکر ہاتھ ملا دے۔ بتا دیتے تھے کہ یہ کسی ایسے شخص کا ہاتھ ہے جس کا باطن پاک نہیں، جس کا عقیدہ خراب ہے۔ لوگوں نے آزمائش کے طور پر ہاتھ ملانے کی کوشش کی لیکن آپ نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔ یہی منزلِ محبت تھی جو حضرت پیرِ روم رحمۃ اللہ علیہ کو نصیب ہوئی۔ مشہور واقعہ کہ آپ ایک حوض کے کنارے تدریس میں مصروف ہیں۔ ایک مستوار شخصیت وہاں نمودار ہوئی اور آکر آؤ دیکھا نہ تاؤ کتابیں اٹھائیں اور حوض کی نذر کر دیں۔ شیخِ روم کو جلال آ گیا، آپ کے شاگردوں کے اوپر ایک تذبذب کی کیفیت طاری ہو گئی اور قریب تھا کہ اس درویش کو کوئی ایذا پہنچ جاتی وہ بزرگ محسوس

کر گئے کہ رومی ناراض ہوگیا ہے۔ انہوں نے اپنا دستِ تصرف استعمال کر کے حوض میں ہاتھ ڈالا اور کتابیں خشک کی خشک پانیوں سے نکال کر سامنے رکھ دیں اور ساتھ ہی وہ نگاہ استعمال کر دی کہ

بس اک نگاہ سے ہوتا ہے فیصلہ دل کا
نہ ہو نگاہ میں شوخی تو دلبری کیا ہے

اور پھر دنیا نے یہ دیکھا کہ حضرت پیرِ رومؒ پیچھے پیچھے تھے اور شہنشاہ شمس تبریزؒ آگے آگے تھے۔ حضرت شبلی نعمانیؒ نے 'سوانح مولانا روم' میں جو تفصیلات لکھی ہیں، آپ کبھی موقع ملے تو پڑھا کریں، اس میں وہ لکھتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت پیرِ رومؒ کے سامنے جب بھی یہ شعر پڑھا جاتا کہ

باز گو از نجد و از یارانِ نجد
تا در و دیوار را آری بہ وجد

تو آپ کی زبان سے شعر پھولوں کی طرح نکلنا شروع ہو جاتے۔ حضرت حسام الدین چرخی اور حضرت صدرالدی زرکوف یہ دو ہستیاں ہیں جو حضرت پیرِ رومؒ کے پیچھے پیچھے پھرتے رہے اور جو کچھ زبان سے نکلتا رہا وہ نوٹ کرتے گئے۔ یہ وہ 'مثنوی و معنوی' ہے جو آج کل آپ کے سامنے موجود ہے اور جس کے متعلق اور پیر روم رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں علامہ اقبالؒ نے فرمایا کہ

پیرِ رومی مرشدِ روشن ضمیر
کاروانِ عشق و مستی را امیر

گفت آں شعر کہ آتش اندراوست

اصلِ آں از گرمیٔ اللہ ھو ست

تو یہ راہِ محبت کے مسافروں کی بات ہے کہ بعض درویش، بعض اللہ کے طالب اپنا سب کچھ چھوڑ کر گھر بار چھوڑ کر، جائیداد و میراث چھوڑ کر، معمولات و اعمال چھوڑ کر، سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے، اپنے شیخ کے ساتھ ایسے وابستہ ہو جاتے ہیں کہ جیسا شیخ ہو گیا ویسے وہ ہو گئے۔ یہ دوسری راہ ہے اہلِ محبت کی۔ پہلی راہ ہے اہل کار کی، جو کام کے اندر دیانتداری سے کام لیتے ہیں۔ اور دوسری راہ اہلِ محبت کی ہے یہ بھی اپنی محبت میں اتنی تیزی سے ترقی کرتے ہیں کہ پتا نہیں کہیں سے کہیں پہنچ جاتے ہیں۔

تیسری راہ، اہلِ سلوک کی ہے جو باقاعدہ طور پر علمِ سلوک حاصل کرتے ہیں مثلاً انہوں نے دنیا کے امور کو بھی قائم رکھا ہوا ہے۔ وہ اپنا کاروبار بھی کرتے ہیں۔ کاروبار کے امور میں بھی دلچسپی لیتے ہیں۔ بازار میں بھی چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے ہیں اور اپنے معمولات میں سے کچھ وقت نکال کر باقاعدہ طریقت کا علم حاصل کرتے ہیں۔ ایک شیخ کے پاس جا کر پہلے شریعت کا علم سیکھتے ہیں۔ یاد رکھیں! کہ لطائف اور اشغال یہ بعد کی بات ہے، پہلے علم شریعت ہے۔ ایسے ایسے جاہل فقیر بھی ملتے ہیں کہتے ہیں، ''نماز پڑھنے کی تو خیر بعد میں دیکھیں گے پہلے لطائف جاری کرالو'۔ ان کو پتا ہونا چاہیے پہلے شریعت پھر طریقت۔ ہماری ترتیب یہ ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کوئی سمجھے کہ نماز کا فارمولا آئے نہ آئے لطائف ضرور آنے چاہئیں۔ میں نے بازاروں میں ایسے لوگوں کو دیکھا ہے کہ لاؤڈ اسپیکروں پہ کھڑے ہو کر کہتے ہیں، 'جناب لطائف جاری کرا لو جی'۔ یہ بالکل ایسا ہے جیسا 'پھانڈے قلعی کرالو'۔ ہم نے ایسے لوگوں کو

سنا ہے۔ایک دفعہ ایک صاحب اعلان کررہے ہیں لاؤڈ اسپیکر پر، آؤ! قلبی، روحی، سری،
خفی، اخفا، قالبی جاری کرالو۔ میں حیران رہ گیا کہ اولیائے کرام کا دستور و معمول تو یہ رہا ہے لیکن
لاؤڈ اسپیکر پر آج تک کسی نے یہ اعلان نہیں کیا۔ آپ یقین کیجیے کہ میں ان محترم کی محفل میں
چلا گیا۔ وہاں جا کر یونہی روحانی شرارت اس کو کہہ لیں توجہ کی کہ خود تو دیکھوں کہ اس کے اندر کیا
ہے؟ اور حیرت ہوئی کہ محفل کے اندر بیٹھے ہوئے ایک نوجوان کا قلب تو جاری تھا لیکن محترم جو
لاؤڈ اسپیکر پہ کھڑے تھے ان کے پاس کچھ بھی نہیں۔

یاد رکھیں پہلے علم شریعت، آقا کا قرآن، آقا کی حدیث، فقہا کی محنتیں مطالعہ کریں
اور پھر ساتھ ساتھ علمِ طریقت سیکھیں۔ لطائف، سلطان الاذکار، مراقبات اور پھر جس کا جو
نصیب بڑھتا جائے، بڑھتا جائے۔ یہ تیسری قسم ہے اہلِ اشغال کی۔

اور پھر ایک چوتھی قسم بھی ہے اہلِ علم کی: یہ ہستیاں جیسے سرکار غوثِ اعظمؒ،
حضرت داتا صاحبؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ، امامِ اعظم ابوحنیفہؒ، یہ وہ ہستیاں ہیں جو آنکھیں
بند کر کے ہر چیز کو تسلیم نہیں کر لیتیں، سارے علماء اس طبقے میں آتے ہیں کہ جب کوئی چیز
سامنے آتی ہے تو اس کو من و عن تسلیم نہیں کر لیتے۔ کہتے ہیں میاں! ماننے سے پہلے تحقیق
کرو۔ اگر کسی نے کہہ دیا لطائف کو جاری ہونا چاہیے تو لطائف کیا ہوتے ہیں؟ اس کا نام
سری کیوں رکھا گیا؟ اس کا نام اخفاء کیوں رکھا گیا؟ اس کا نام خفی کیوں رکھا گیا؟ قالبی کسے
کہتے ہیں؟ نفسی کیا چیز ہے؟ مراقبہ کسے کہتے ہیں؟ اس کی کیا کیفیات ہوتی ہیں؟ مراقبات
کتنی قسم کے ہوتے ہیں؟ اور کونسا مراقبہ کیا کمال دکھاتا ہے؟ یہ اہلِ علم کی دنیا ہے اور یہ اصل
میں حقیقی خدمت کرنے والی ہستیاں ہوتی ہیں کہ جو ہر چیز پر تحقیق کر کے ساری زندگی لگا کر

محنت کر کے قوم کے سامنے وہ روحانی کھانا، وہ روحانی طعام، وہ روحانی خوراک مہیا کر کے رکھ دیتے ہیں کہ یہ لو میرے دوستو، عزیزو، بھائیو یہ ہم خدمت کر کے لے آئے ہیں۔ داتا صاحبؒ نے کشف المحجوب لکھی تو محنت اور تحقیق کر کے لکھی۔ سرکار غوث اعظمؒ کے Lectures 'الفتح الربانی' آپ پڑھتے ہیں اس میں بڑی تحقیق پائی جاتی ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات شریف آپ کے سامنے آتے ہیں تو اس میں تحقیق کے سمندر پائے جاتے ہیں۔ اگر آپ کو موقع ملے تو حضرت امامِ ربانیؒ کی تصانیف معارف لدنیہ، مبداء و معاد، رسالہ تہلیلیہ، اثبات و نبوت، مکاشفاتِ عینیہ، پڑھیں۔ یہ ساری چیزیں اگر آپ پڑھیں تو حیران رہ جائیں کہ امامِ مجددؒ جب دلائل دیتے ہیں تو وہ علمِ باطن پر انحصار نہیں کرتے، وہ قرآن و حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ اگر آج بھی مجھے کوئی 'توضیح و تلویح' پڑھائے تو میں آج بھی اس کے پاس بیٹھ کر پڑھنے کے لیے تیار ہوں۔ یہ چوتھا طبقہ ہے اہلِ علم کا جو محنت کر کے اللہ سے واصل ہو جاتے ہیں، علمی محنت کر کے، تحقیق کر کے، تجسس کر کے اور شائد یہی وجہ ہے کہ فرمایا گیا:

اِنَمَا یَخشَی اللهَ مِن عِبَادِہِ العُلمٰٓؤُا

کہ اللہ سے ڈرنے کا حق علماء ہی ادا کر سکتے ہیں اور شائد اس حدیث کی تشریح بھی ہم اس context میں کر سکتے ہیں کہ 'میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں جیسے ہوں گے۔

سرکارؐ نے اسی لیے فرمایا تھا کہ یہ لوگ تحقیق کریں گے اور میری امت ان کی تحقیقات کی روشنی میں آگے بڑھے گی۔

تو چار قسم کے سالک اور چار قسم کے راستے جن سے اہلِ حق واصل باللہ ہوتے ہیں۔

ایک وہ لوگ جو اپنے کام میں راستباز ہیں، رزقِ حلال کا اکتساب کرتے ہیں، اپنے فرائضِ منصبی سے کماحقہٗ انصاف کرتے ہیں اور اسی راستے سے اپنی دیانت اور اپنے عمل کے اخلاص کی بناء پر واصل ہو جاتے ہیں چونکہ دین کا ایک نام اخلاص بھی ہے۔

دوسری قسم اہلِ محبت کی ہے جب جذبۂ محبت جوش مارے تو دنیا کے ہر بندھن کو توڑ کر، دنیا کے ہر دستور و منشور کو پرے رکھ کے، دنیا کی ہر چیز سے دامن چھڑا کر، محبوب کی طلب میں ایسے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں کہ ان کا استقلال پہاڑوں سے بھی بڑھ جاتا ہے اور یا تو اس راہ میں فناء ہو جاتے ہیں یا اپنی منزل کو پا لیتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو مجذوب، جذبی، جنونی، عجیب قسم کی ان کی کیفیات ہوتی ہیں۔ عام دنیا ان کو نہیں سمجھ سکتی یا بہت کم سمجھتی ہے۔

تیسری قسم کے لوگ وہ ہوتے ہیں جو صاحبانِ عقل و شعور ہوتے ہیں اور صاحبِ حکمت ہونے کی بنا پر باقاعدہ سلوک کی تربیت حاصل کرتے ہیں اور ایک اچھے طالب علم کی طرح سے کہ جو پہلی جماعت سے لے کر پرائمری کا امتحان پاس کرے، پھر میٹرک کرے، پھر الیف۔اے، بی۔اے کرے اور پھر ایم۔اے پر جا نکلے۔ اسی طرح ایک سالک اپنے سلوک مکمل کر کے برھانِ رب بن جاتا ہے۔ وہ اللہ کی ایسی شمشیر بن جاتا ہے جس کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا۔ یہ لوگ باقاعدہ اشغال کرتے ہیں، باقاعدہ سلوک طے کرتے ہیں اور منزلوں سے ہمکنار ہو جاتے ہیں۔

اور چوتھے وہ لوگ جو اہلِ علم ہیں، تحقیق و تدقیق اور تجسس ان کی زندگی کا سب سے بڑا سرمایہ ہوتا ہے اور وہ محنت کر کے اپنے دوستوں اور عزیزوں کے لیے، اپنے طبقے کے

لیے اتنا روحانی سامان فراہم کر دیتے ہیں کہ قوم ان کے کارناموں پر فخر کرتی ہے۔ جس طرح ایک سپاہی کسی سرحد پہ کھڑا پہرہ دے رہا ہو، کوئی پاسبان کسی محل کی پاسبانی کر رہا ہو۔ اسی طریقے سے کچھ ہستیاں ایسی بھی ہوتی ہیں جو علم و حکمت کی دنیا میں تحقیق اور تجسس سے کام لے کر ان تمام سوالات کے جوابات دینے کے لیے آگے بڑھ آتی ہیں جو کسی سلسلے پر کیے جاتے ہیں۔

چار قسم کے لوگ ہیں اور یہ چار راستوں سے واصل ہوتے ہیں۔ اب جو شیخ ہے وہ یہ دیکھتا ہے کہ میرے اس عزیز کا مزاج کیسا ہے۔ اگر کسی کا مزاج علمی ہے اور اس کو دوسرے section میں رکھ دیا جائے، جذب وجنوں کے section میں تو کیا وہ کر سکے گا؟ بہت مشکل بات ہے۔ اگر کسی کا مزاج اہلِ محبت میں سے ہے اور انسان اس کو علم کے دقائق میں پھنسا دے تو کیا وہ چل سکے گا؟ نہیں! شیخ کا کام یہاں ہے کہ اپنے عزیز اور مرید کا مزاج دیکھے، مذاق دیکھے؛ مذاق کا معنی ہے ذوق اور اس کے مطابق اس کی تربیت کرے۔ بڑی غلطی ہو جاتی ہے اس وقت مشائخ کی طرف سے جب اپنے عزیز کا اور مرید کا مزاج نہ سمجھا ہو اور اس کا مزاج سمجھے بغیر تربیت شروع کر دی تو نتیجہ کیا ہوتا ہے کہ مرید شاید رستے میں ہی رک کر بیٹھا رہ جائے۔ اللہ کریم ہمیں ان حقائق و معارف کو سمجھنے کی توفیق عطاء فرمائے۔

کوشش یہ ہوتی کہ کوئی نہ کوئی ایک نکتہ آپ کی خدمت میں عرض کر دیا جائے اور آج جو میں نے چار sections بتائی ہیں، اپنی اپنی طبیعت اور مزاج کے مطابق غور کیجئے۔ ویسے یہ یاد رکھیئے کہ یہ ایک دوسرے سے مختلف نہیں ہیں، ایک section دوسرے کی مددگار ہے۔ یاد رکھیں سلسلۂ نقشبندیہ کا کمال یہ ہے کہ چاروں کا جامع ہے۔ اس میں راستیٔ کار بھی ہے، اس میں محبت بھی ہے، اس میں اشغال بھی ہیں، اس میں علم بھی ہے۔ اب کسی کی فائق

نسبت کونسی ہے یہ trace کرنی ہوتی ہے ورنہ یہ چاروں sections ہمارے پاس موجود ہیں سلسلہ عالیہ مجددیہ شریف کے اولیائے کرام جو ہمارے بزرگ ہیں ان کے پاس سب کچھ موجود ہے، اب ہم کتنا حاصل کرتے ہیں یہ ہمارا کام ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

مقامِ فناء

بعض اوقات اس دنیا میں کچھ مسائل ایسے ہوتے ہیں کہ جن کو بظاہر مسئلہ سمجھا جاتا ہے لیکن یہ یاد رکھیں کہ اللہ کی ذات جو ہر حال میں، ہر وقت، ہر ساعت، ہر لمحہ، ہر آن اپنے بندوں پر مہربان ہے وہ ہمیشہ رحمت کی صورتیں پیدا کرتی ہے۔ جب اللہ سے محبت کرنے والے پر کوئی ایسا وقت آئے جو بظاہر پریشانی کا ہو تو اُس وقت دو چیزیں واضح ہوتی ہیں پہلی چیز یہ کہ وہ وقت لانے والے لوگ جو ہیں وہ اپنے اعمال کی وجہ سے اپنے کیفر کردار کو پہنچنے والے ہوتے ہیں۔ جب خدا چاہتا ہے کہ کسی کی ناموس کے پردے چاک کر کے اس کو دنیا میں ذلیل و خوار کر دے تو اس کی ٹکر کسی درویش سے کرا دیتا ہے۔ سب سے بڑا کائنات کے اندر بدنصیب وہ ہے جو خدا کے کسی دوست سے ٹکر مول لے لے کیونکہ ہماری دوستیاں، ہمارے رشتے اور ہمارے رابطے اللہ کے دوستوں سے ہیں۔ اس لیے اس بات پر یقین کامل رکھیے کہ آپ سے محبت کرنے والا خدا کا محبوب ہو گا اور آپ کو ضرر پہنچانے والا اپنے کیفر کردار کو ضرور پہنچے گا۔ یہ ہمارا ایمان ہے، آج بھی ہے اور آئندہ بھی رہے گا اور دوسری بات جو ہمیں یاد رکھنی چاہیے وہ یہ ہے کہ کوئی کیفرِ کردار کو پہنچے یا نہ پہنچے اللہ کریم اپنے دوستوں سے محبت کرنے والوں کو اور اپنے دوستوں کو بعض اوقات بظاہر کسی پریشانی میں مبتلا کر کے ان لوگوں کے مسائل حل کرنا چاہتا ہے جو ان کی خدمت کے لیے آگے بڑھ آتے ہیں مثلاً آپ دوستوں میں سے کسی کا کوئی مسئلہ پیدا ہو تو جو دوست آپ کی مدد کرے گا وہ خدا کا محبوب بن جائے گا کیونکہ آپ کا وجود خدا کی بُرہان ہے۔ نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی چلتی پھرتی توجہ ہے۔ جو آپ سے پیار کرے گا اس نے

اُس نے نبی پاک ﷺ سے پیار کیا، اُس نے اللہ سے پیار کیا۔ بعض احباب نے گزشتہ چند دنوں میں کسی پریشانی کا اظہار کیا تھا تو اُس حوالے سے میں آپ کو عرض کر رہا ہوں تو یاد رکھیئے! جس نے خدا سے محبت کی، خدا کے محبوبوں سے محبت کی، خدا کے محبوبوں کے غلاموں سے محبت کی اُس کو اللہ کریم اس دین و دنیا میں سُرخرو کر دیتا ہے۔ اس طریقے سے سعید، خوش بخت اور عظیم لوگ سامنے آتے ہیں اور اللہ پاک ان پر اور کرم فرماتا ہے۔ ان دو باتوں کو یاد رکھیے گا! کبھی کسی ظلم و زیادتی کرنے والے کی پرواہ نہیں کرنی۔ اُمید رکھنی ہے کہ اللہ کریم ایسے محبوب بھی رکھتا ہے جو اُن سے مرتبے میں بڑھ کر ہوتے ہیں، محبت میں بڑھ کے ہوتے ہیں، عظمت میں بڑھ کر ہوتے ہیں اور خُدا کے انعامات اِن لوگوں کے لیے ہوتے ہیں۔

آج کا جو نکتہ میں نے آپ کی خدمت میں عرض کرنا ہے وہ پہلے کے بیانات سے ذرا آگے کا سبق ہے۔ ابھی تک تو ہماری گفتگو لطائف کے بارے میں ہوتی رہی ہے کہ لطائف کیا ہیں اُن کے اَثرات و تاثیرات کیا ہیں؟ اِن کو جاری کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ عالمِ خلق اور عالمِ اَمر کے دس لطائف کو جمع کر کے اِنسان ترتیب پاتا ہے اور اِنسان جہانِ صغیر ہے یعنی عالمِ خلق اور عالمِ اَمر دونوں کو جمع کریں تو جو چیز ترتیب پاتی ہے اُس کو عالمِ امکان کہتے ہیں، تفصیل آپ جانتے ہیں۔ عالم اِمکان میں عالمِ خلق بھی ہے اور عالمِ اَمر بھی ہے اور جو دس لطائف جن کا ہم نے ذکر کیا ہے اور بار بار میں دہراتا اس لیے ہوں کہ ہمارے ساتھیوں کو اپنا سبق یاد ہو جائے۔ یہ کوئی تقریر نہیں ہوتی یاد رکھیں! یہ ایک درس ہے، درسِ طریقت! کل آپ کا دور ہوگا، کل آپ مخلوقِ خُدا کے پیشوا ہوں گے، کل آپ سے لاکھوں سینے روشن ہوں گے۔ سبق اچھی طرح یاد کیجیے گا۔

عالم امر کے پانچ لطائف آپ جانتے ہیں قلب، روح، سر، خفی اور اخفاء اور عالم خلق کے لطائف آپ جانتے ہیں کہ نفسی اور قالبی کہ جس میں عناصر اربعہ کا امتزاج موجود ہے اور عناصر اربعہ سے مراد ہے پانی، مٹی، آگ اور ہوا۔ جب انسان عالم امر کے پہلے پانچ لطائف کو جاری کر کے عالمِ خلق میں قدم رکھتا ہے تو پھر اس کو نفس اور عناصری حقیقتیں کھولی جاتی ہیں۔ یوں سمجھ لیں اگر کوئی جنگل میں چل رہا ہو اور تاریکی ہو، ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دے، تاریک رات ہو، سیاہ بادل چھائے ہوئے ہوں تو وہ کہاں جائے گا۔ کسی گڑھے میں گر کر ہلاک ہو جائے گا۔ کسی چرام سے گر کر ہڈیاں تڑوالے گا یا کسی تالاب میں گر کر غرق ہو جائے گا کیونکہ جنگل ہے، رات ہے، اندھیرا ہے۔ اس دُنیا کی عام حالت میں مثال بالکل ایسی ہے لیکن جب آپ جنگل میں ہوں اور اُس تیرہ و تار جنگل میں کوئی اعلیٰ قسم کی ٹارچ مل جائے یا کوئی ایسی روشنی مل جائے جس سے آپ کا ایریا area دور دور تک روشن ہو جائے تو آپ اپنے آپ کو کتنا خوش نصیب پائیں گے۔ آپ دور دور تک اپنا رستہ دیکھ لیں گے۔ تو یہ عالمِ خلق جو ہے یہ جن نوروں سے مل کے بنا ہے وہ نور عالمِ امر سے آتے ہیں۔ یاد رکھیں! یہ جو کائنات ہے ہماری، یہ نوروں کا مجموعہ ہے یہ روشنیوں سے مل کر بنی ہے۔ سائنس بھی اب اس بات کو ثابت کر چکی ہے کہ اس وقت کائنات کی جو formation ہے، اس کی جو ترکیب ہے، اس کی جو ساخت ہے وہ روشنیاں جمع کر کے solid ہوتی گئی۔ یہ روشنیاں عالمِ امر سے آتی ہیں۔ جب آپ عالم امر سے آنے والی روشنیوں کو نہ سمجھ سکے تو آپ نے اس دنیا کو نہ سمجھا۔ جب آپ نے لطائف کے انوارات کے ساتھ اس عالمِ خلق کو سمجھنے کی کوشش کی تو آپ سب کچھ سمجھ گئے۔ اب جہاں سے یہ انوارات اور روشنیاں آرہی ہیں، وہ عالمِ امر سے بھی کہیں بالا کی چیز ہے۔ یہ خُدا کی ذات کی

طرف سے آنے والی چیزیں ہیں۔اب جب آپ اپنے لطائف میں اپنی منزل کو عبور کر لیتے ہیں اور عالمِ خلق اور عالمِ امر سے گزرتے ہیں، یوں کہہ لیں کہ آپ دائرہ امکاں کو طے کرتے ہیں تو وہ روشنیاں بجائے خود ظاہر ہوتی ہیں۔ظاہری آنکھ سے آپ یہ روشنیاں نہیں دیکھ سکتے۔ظاہری وسیلوں سے آپ یہ روشنیاں نہیں دیکھ سکتے۔جب آپ کا دائرہ امکان طے ہوتا ہے تو آپ ان روشنیوں کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

اب جو بات میں نے آج آپ کو سمجھانی ہے وہ یہ ہے کہ دائرۂ امکان طے ہونے کی علامتیں کیا ہیں۔کیسے پتا چلے کہ میرا دائرہ امکان طے ہو گیا ہے؟ جب کوئی درویش، بیٹھے بیٹھے اُس پر اِستغراق طاری ہونا شروع ہو جائے اور وہ چاہے کہ میں باہر نہ دیکھوں بلکہ اپنے اندر دیکھوں۔باہر کی دُنیا کو آفاق کہتے ہیں۔اندر کی دُنیا کو انفُس کہتے ہیں۔آپ نے یہ اِصطلاح سنی ہے 'انفُس و آفاق' تو جب درویش عالم اِمکان کو طے کر لیتا ہے تو اس کی توجہ آفاق سے ہٹ کر اپنی طرف ہو جاتی ہے۔آپ دیکھتے ہیں کہ جو سالک ساتھی ہمارے انتہائی اسباق کی طرف بڑھ رہے ہیں۔وہ اچھی طرح اس بات کو سمجھتے ہیں کہ بیٹھے بیٹھے اچانک قلب زور سے چلنا شروع ہو جاتا ہے یا لطیفہء روح تیزی سے حرکت میں آجاتا ہے یا سِرّ، خفی اور اخفاء کی یہ حالت ہو جاتی ہے۔اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ عالم امکان سے اوپر سے کوئی چیز آرہی ہے۔جب یہ کیفیت پیدا ہو جائے تو آپ یہ سمجھ لیں کہ دائرہ امکان طے ہو گیا ہے!

یاد رکھیں! صاحب توجہ وہ شخص ہوتا ہے کہ یا تو کیفیت کو منتقل کر دے یا نور کو منتقل کر دے۔یوں تو آج ہر ایک آدمی کہتا ہے کہ میں صاحب توجہ ہوں لیکن ہمارے ہاں صاحب توجہ وہ ہے کہ جو ایک نگاہ کے ساتھ یا کیفیت منتقل کر دیے یا نور کو منتقل کر دے اور اس اعتبار سے

صاحب توجہ وہ بنتا ہے جو نگاہ کے ساتھ دائرہ امکان عبور کر لے کیونکہ کیفیت آئے یا نور آئے، یہ دونوں چیزیں دائرہ امکان طے ہو جانے کی علامتیں ہیں۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے۔ اب آپ کی طرف سے یہ سوال ہونا چاہیے کہ یہ 'دائرہ دائرہ' لفظ جو آپ استعمال کر رہے ہیں یہ کیا چیز ہے؟ تو یاد رکھیے کہ لطائف کے جاری ہونے کے بعد کی پہلی منزل فناء ہے جب فنائے لطائف میسر آئے گا تب جا کر دائرے نظر آئیں گے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ نے منزلِ فناء کو عبور کر کے، پھر منزلِ فناء الفناء کو عبور کر کے، پھر منزلِ بقا کی طرف سفر شروع کیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ جب انسان منزلِ فناء سے گزرتا ہے تب اُس کو دائرے نظر آتے ہیں۔

لیکن یہ دائرے کیسے نظر آتے ہیں؟ یہاں تو یہ مسئلہ بنا ہوا ہے کہ ہمارے بعض ساتھی جذب سے ڈرتے ہیں۔ کہیں اگر جذب ہو گیا تو چوٹ لگ جائے گی تو اُن کو یہ جانا چاہیے کہ اس ڈرنے سے، اس خوف سے، جذب سے آپ ہراساں ہیں تو یاد رکھیے کہ ولایت کی پہلی منزل یہی ہے کہ آپ خوف سے نجات پا جائیں۔ بعض ساتھی خوف کی وجہ سے ذکر ذوق سے نہیں کرتے کہ کہیں جذب ہو گیا تو مارا جاؤں گا۔ کچھ بھی نہیں ہوتا۔ جب تک اس منزل سے نہیں گزریں گے مقامات تک رسائی نہیں ہوتی اور جو زنانہ ٹائپ کا اللہ ھوُ کراتے ہیں ناں بعض، کہیں درد نہ ہو جائے۔ اللہ ھوُ درد دور کرنے والی چیز ہے۔ اللہ ھوُ بیڑے کنارے لگانے والی چیز ہے اور جو لوگ کیفیتِ جذب سے ڈرتے ہیں انہیں جاننا چاہیے کہ ذکرِ پاک کی پہلی کیفیت یہی ہے۔ مومنین کی پہچان یہی ہے کہ جب اُن کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے تو اُن کے جگر پانی پانی ہو جائیں، اور جذب یہی ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ حضرتِ مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ نے دائروں کو دیکھنے کا پہلا

نکتہ جو تجویز کیا ہے وہ ہے مقامِ فناء: یاد رکھیں ! کہ سالک کے ساتوں لطائف جب جاری ہو جاتے ہیں تو اُس کے اندر یہ صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ اپنے بدن میں جہاں چاہے ذکر جاری کر سکتا ہے یعنی اگر چاہے تو کان ذاکر ہے، اگر چاہے تو آنکھ ذاکر ہے، اگر چاہے تو ناک ذاکر ہے، اگر چاہے تو دست و بازو ذاکر ہیں اور بدن کی جتنی رگیں ہیں؛ آپ جانتے ہیں اچھی طرح ذکر کرتی ہیں یا نہیں؟ تمام ساتھی جانتے ہیں کہ بدن کی ایک ایک رگ ذکر کرتی ہیں اور اس ذکر میں جوں جوں ذوق بڑھتا جاتا ہے توں توں روشنیاں، انوارات، تجلیات، کیفیات آتی جاتی ہیں۔ جب ایک درویش کو اپنے بدن کے cells پر؛ cell سمجھتے ہیں خلیہ جس سے اِنسان کا بدن ترتیب پاتا ہے، cells کے اندر ذکر جاری کرنے کی صلاحیت اگر میسر آجائے تو وہ cells کو decompose بھی کر سکتا ہے۔ compose کہتے ہیں ایک چیز کو اکٹھا کرنا اور decompose کہتے ہیں اُس کو جدا جدا کرنا۔ جب انسان لطائف کی منزل کو حاصل کر لے اور اُس کا لطیفہ قالبی بھی ذاکر ہو جائے تو اِس کا مطلب ہے کہ اُس کے بدن کے چاروں عناصر بھی ذاکر ہو گئے ہیں؛ پانی، مٹی، آگ اور ہوا۔ جتنی بھی اُس کے بدن میں ترتیب پانے والی چیزیں ہیں، سب ذاکر ہو گئی ہیں۔ اب چونکہ cells اُس کے بدن کے components ہیں یعنی بدن کے اجزائے ترکیبی ہیں، اِس اعتبار سے اب اُس کو یہ بھی قدرت حاصل ہو گئی ہے کہ cells کو ذاکر بنا سکے۔ سائنسی گفتگو کر رہا ہوں تا کہ آپ نوجوان جو کتابوں میں پڑھنے والے ہیں اُن کو بھی سمجھ آئے۔ جب انسان ہر cell کی طرف توجہ کر کے اُس کو ذاکر بنا سکے، آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب ہم ذکر کرتے ہیں تو لطائف کی جگہ پر ایک ایسی خاص قسم کی حرکت پیدا ہوتی ہے جس کو ہم کہتے ہیں رونگٹوں کا کھڑا ہونا۔ لوگوں کے رونگٹے اس

وقت کھڑے ہوتے ہیں جب کوئی شیر حملہ کرے یا کوئی لاٹھی مارے لیکن ہمارے ہاں رونگٹے کھڑے کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ پورے بدن کے رونگٹے ایک لحظے میں آپ کھڑے کر کے، پورے بدن میں ذکر کی کیفیت طاری کر سکتے ہیں۔ تو یہ کیفیت بدن پر جب طاری ہوتی ہے تو اس کا مطلب ہے کہ بدن کے تمام cells ذکر سے متاثر ہو رہے ہیں۔ وہ رونگٹے تو خوف سے کھڑے ہوتے ہیں اور یہاں رونگٹے محبت سے کھڑے ہوتے ہیں۔ جب رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں تو cells کو وہی غذا ملتی جس کی وجہ سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں مثلاً اگر خوف سے کھڑے ہوں تو cells میں خوف بھر جائے گا اور خوف جمع ہوتے ہوتے cells کو destroy کر کے اس شخص کو تباہ و برباد کر دے گا۔ اگر یہ رونگٹے محبت سے کھڑے ہوتے ہیں یا کیفیتِ ذکر سے کھڑے ہوتے ہیں تو یاد رکھیں! ان میں یہ ذکر سما جائے گا، ان میں یہ محبت سما جائے گی، ان میں یہ کیفیت سما جائے گی اور ایک وقت ایسا آئے گا کہ انسان کا ایک ایک خلیہ، ایک ایک cell ذاکر ہو کر اس کو پتا نہیں کہاں سے کہاں لے جائے گا۔ جب انسان ان تمام خلیات کو ذاکر کر لے تو پھر اس طرح ذکر کرے، اس کو تصوف کی اصطلاح میں مقامِ احدیت کہتے ہیں۔

مقامِ احدیت یہ ہے کہ انسان یہ سمجھے اے میرے مولا! سوائے تیرے اور کوئی ہے ہی نہیں! نہ میں ہوں، نہ کائنات میں کوئی ہے، جو کچھ ہے، تو ہی تو ہے! اِسی مقام کو مقامِ وحدت الوجود کہتے ہیں۔

جس وچ آپڑاں آپ گماوے
آپ اوہا بنڑ جاوے

یعنی یہ پہلی stage ہے۔ بعض نادان وحدت الوجود والے اولیاء کرام کو غلط کہہ کر اپنا بیڑہ غرق کر لیتے ہیں۔ ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ وحدت الوجود والے اولیاء کرام بھی سچ فرماتے ہیں اور جو وحدت الشہود والے اولیاء کرام ہیں وہ بھی سچ فرماتے ہیں، کیفیت اپنی اپنی ہے اور یہ یاد رکھیں! وحدت الوجود اور وحدت الشہود یہ عقیدوں کا نام نہیں کیفیات کا نام ہے۔ بعض لوگ ان چیزوں کو بطور عقیدہ پیش کر کے لوگوں کو گمراہ کہہ دیتے ہیں۔ اب بے شمار اولیائے قادریہ شریف جنہوں نے وحدت الوجود کا درس دیا ہے۔ ہمارے بزرگ حضرت شیخ مجدد پاکؒ نے وحدت الشہود پہ زور دیا، ہمارے آقا ہیں، ہمارے سید ہیں، تمام اولیاء اللہ کے سردار ہیں۔ تو ان میں سے کسی بھی طبقے کو غلط نہیں کہنا۔ یاد رکھیں! ہمارا مشرب کیا ہے کہ وحدت الوجود والے ہوں یا وحدت الشہود والے ہوں، کسی کو غلط نہیں کہنا۔

مقامِ فناء کی پہچان یہ ہے کہ اِنسان کو سوائے اللہ کی ذات کے باقی ہر چیز بھول جاتی ہے اور وہ اولیاء اللہ جو وحدت الشہود کے قائل ہیں، وہ اس کیفیت میں ہیں، اس منزل میں ہیں۔ تو یہ مقامِ فناء ہے کہ ایک درویش جب تک اس میں سے نہیں گزرے گا اُس وقت تک اُس کو دائرے نظر نہیں آئیں گے۔ جب ایک درویش اس مقام پہ اپنے آپ کو فناء کر لے، cells کو بدن کے components کو اتنا ذاکر کر لے کہ اب willingly یعنی چاہتے ہوئے اپنے اوپر یہ کیفیت طاری کر لے کہ اب میرے سارے cells، destroy ہو چکے ہیں۔ تمام چیزیں میرے بدن کی فناء ہو چکی ہیں۔ کائنات میں ایک ہستی باقی ہے اور وہ میرے اللہ کی ذات ہے اور واقعی اس کو ہر چیز بھول جائے اور یاد رکھیں یہ کیفیت مراقبے سے پیدا ہوتی ہے۔ جن ساتھیوں کو میں نے مراقبہ کا درس دیا ہوا ہے، وہ مراقبۂ احدیت میں یہ کیفیت طاری

کر کے ذکر کریں اور یوں سمجھیں کہ اے میرے مولا! پوری کائنات کوئی شے ہی نہیں۔ کائنات کے اندر کچھ موجود نہیں۔ ایک تو ہے بس! یہ مقام فناء ہے اور اس مقام میں اپنے بدن کو واقعی فناء کر دیں اور یہ کیفیت آجاتی ہے جب انسان practice مسلسل کرتا ہے ذکر کی۔ جب اللہ کریم آپ کو اِس منزل سے گزارے گا تو پھر اُس کے بعد جب اوپر پرواز کریں شروع گے تو آپ کو دائرے نظر آئیں گے۔ دائرہ امکان اور دائرہ امکان سے آگے دائرہِ ولایتِ صغریٰ اور پھر دائرہِ ولایت کبریٰ، یہ دوائر کیا کیا کیفیات رکھتے ہیں، آئندہ کی محفلوں میں اِنشاءاللہ یہ گفتگو چلے گی۔ آج کی گفتگو ذرا پرانے موضوعات سے ہٹ کر تھی اور اُن دوستوں کو بھی اندازہ ہو گیا ہوگا جو لطائف کو آخری منزل سمجھ بیٹھتے ہیں۔ یاد رکھیں لطائف کی حیثیت الف ب ت کی ہے۔ یہ صرف alphabets ہیں یہاں سے آگے جانا ہے۔ بعض ساتھی آکر فرماتے ہیں ''سروہ ہمارے سبق پورے ہو گئے ہیں ناں'' تو مجھے بڑی ہنسی آتی ہے۔ یہ الف ب سیکھا ہے ابھی منزلیں بڑی دور ہیں۔

حضرت مجدد پاک ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے دس سال اور کچھ ماہ میں سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ شریف کے اسباق کو مکمل کیا۔ یہ کوئی بازیچۂ اطفال نہیں ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ خود حضرت مجدد پاک کسی کو ایک لمحے میں کرا دیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ ہمارے ہاں علم پڑھنا موجبِ ترقیِ درجات ہے۔ حضرت سیّدی امامِ ربّانیؒ اور دیگر اولیائے سلسلہ مجدّدیہ شریف نے پوری پوری زندگی لگا کر ایک ایک نکتے کو اخذ کیا اور پھر تجربے کے ساتھ دوسروں کو سمجھانے کی کوشش کی۔ جن مقامات سے خود گزرے ان مقامات تک دوستوں کو پہنچا کر مشاہدہ کرایا کہ جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں وہی دیکھ رہے ہیں۔ جو دیکھ رہے ہے

ہیں وہی محسوس کر رہے ہیں اور جب ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں دوستوں کے تجربات یکساں نکلے تو اس وقت اس کو قطعیت کا درجہ دے دیا یعنی یہ بات فائنل ہے۔ جیسے چاند طلوع ہوا اور ایک آدمی اس کو دیکھ لے، پھر دوسرے سے کہے لو تم بھی دیکھ لو، تیسرے سے چوتھے سے علیٰ ہذا القیاس پورے علاقے کے لوگوں کو دکھا دے۔ تو اب کوئی شک نہیں رہا کہ چاند طلوع ہو چکا ہے۔ اسی طریقے سے مشائخِ سلسلۂ مجددیہ شریف نے جو کچھ بھی بیان کیا وہ بعض دوسرے لوگوں کی طرح ٹامک ٹوئیاں نہیں ماریں؛ میں اس وقت سلسلۂ عالیہ قادریہ شریف یا چشتیہ شریف یا سہروردیہ شریف کے اولیاء اللہ کی بات نہیں کر رہا۔ میں ان کی بات کر رہا ہوں کہ جنہوں نے وقتی طور پر کوئی خواب دیکھا، خواب میں کسی بلی کو دیکھ لیا تو اس کو اپنی کرامت سمجھ بیٹھے۔ اولیائے نقشبندیہ شریف نے کسی فضولیات پر اتفاء نہیں کیا۔ اولیائے نقشبندیہ شریف نے جو بھی بات کی لاکھوں کروڑوں افراد کے تجربے سے گزار کر جو نتیجہ نکلا وہ بات کی اور اس کو قطعیت کا درجہ دیا۔

گزشتہ محفل میں جو بات آپ کو عرض کی گئی تھی وہ یہ تھی کہ دائرہ امکان کے طے ہونے کے بعد جو پہلی منزل کسی درویش پر آتی ہے وہ ہے مقامِ فناء۔ یاد ہے ناں! اور جب تک کوئی سالک مقامِ فناء سے نہ گزرے، دائرہ امکان کے بعد کے مشاہدات اس کو نہیں ہو سکتے۔ سلوکِ مجددیہ شریف میں حضرت مجدد الف ثانیؒ جتنی بحث کرتے ہیں ساری دوائر سے کرتے ہیں۔ دوائر جمع ہے دائرہ کی اب دائرہ امکان سے آگے جتنے دائرے ہیں وہ کشف میں دیکھے گئے۔ ظاہر ہے کہ دائرہ امکان کے اندر عالمِ امر سے بھی نیچے عالمِ خلق کی آنکھ عالمِ امر کو عبور کرتے ہوئے دائرہ امکان سے پرے کی چیزوں کو مشاہدہ نہیں کر سکتی۔

اس لیے یقیناً کسی اور آنکھ کی ضرورت ہوتی ہے جو اوپر جا کر ان مشاہدات کو حاصل کرے۔
آپ کو یہ بتایا گیا تھا کہ دائرہ امکان کو عبور کرنے کی پہلی علامت تلوینات کا ظاہر ہونا ہے۔
آج میں ایک نئی اصطلاح آپ کی خدمت میں عرض کر رہا ہوں تلوینات۔ لون عربی زبان میں رنگ کو کہتے ہیں تو اللہ کے لیے جب استعمال ہوگا تو صبغۃ آئے گا، صبغۃ اللہ۔ اللہ کا رنگ۔ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰہِ صِبْغَۃً۔ اللہ سے اچھا رنگ کس کا ہے لیکن جب مخلوق کے لیے استعمال ہوگا تو 'لون' کا لفظ استعمال ہوگا تو لون کہتے ہیں رنگ کو۔ جب کوئی سالک دائرہ امکان کو طے کرتا ہے اور دائرہ امکان کی آخری حد کو چھو لیتا ہے تو یوں کہنا چاہئے کہ وہ تلوینات کی دنیا میں پہنچتا ہے۔ تلوین عربی زبان میں بابِ تفعیل ہے یعنی کسی چیز کو رنگوں میں رنگنا لہٰذا جو سالک اس شرف سے مشرّف ہے کہ اللہ کریم نے اس کے لطائف کے انوارات روشن فرما دیے ہیں تو یہ علامت اس بات کی ہے کہ وہ دائرہ امکان کراس کر چکا ہے۔ ان کے لیے بہت بڑی بشارت ہے! جب کوئی سالک تلونیات سے گزرتا ہے تو آگے کی دنیا تمکینات کہلاتی ہے۔ آج میں دوسری اصطلاح جو آپ کو دے رہا ہوں وہ ہے تمکینات۔ کسی کو کسی خاص مقام پر پہنچانا اس کو کہتے ہیں تمکین یہ اطمینان کا مترادف ہے۔ جس طرح شیخ سعدیؒ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

تو را عز لولاک تمکین بس است
ثنای تو طٰہٰ و یٰسین بس است

جب کوئی دائرہ امکان سے گزرا؛ گفتگو مشکل تو نہیں ہے کوشش کر رہا ہوں کہ آپ کو سمجھ آئے اور دائرہ امکان سے گزرنے کے لیے سب سے بڑی چیز ہے جذب، بعض ساتھی

جذب سے ڈرتے ہیں۔ جذب کا مطلب ہے انسانی بدن کی وہ vibration جو انسانی cells کو کھول دیتی ہے۔ انسانی بدن کے components کو، انسانی بدن کے اجزائے ترکیبی کو کھول کر اس کے خصائص کو روشن کر دیتی ہے اس کو جذب کہتے ہیں۔ ارتعاش vibration انسان کے اندر ایک ایسی کیفیت کہ پورا بدن vibrate کر رہا ہے اور اس کیفیت میں پیدا ہونے والی rays جن کو سائنس نے Alpha rays کا نام دیا ہے وہ generate ہوتی ہیں۔ Alpha rays کی خاصیت یہ ہے کہ تیزی کے ساتھ خلاؤں میں سفر کرتی ہیں۔ یہاں سے امریکہ تک یا اس سے بھی پرے دنیا کے کسی کونے میں کوئی rays پہنچ سکتی ہیں تو وہ صرف Alpha rays ہیں، باقی rays بھی ہیں لیکن جو آپ continuously استعمال کر سکتے ہیں ان میں ایک Delta rays بھی ہوتی ہیں لیکن وہ rays؛ بعض ساتھی کہیں گے ray کیا ہوتی ہے میں گفتگو کے دوران ترجمہ کرنا بھول گیا؛ شعاع کو انگریزی زبان میں ray کہتے ہیں تو ایک ہوتی ہیں Delta rays: جو انسان کے (brain) دماغ سے نکلتی ہے اس ray کو اس وقت حاصل کیا جا سکتا ہے جب انسان مکمل طور پر بے ہوش ہوتا ہے لیکن جذب میں اور بے ہوشی میں فرق یہ ہے کہ مجذوب، جذب میں بھی ہوتا ہے اور ہوش میں بھی ہوتا ہے۔ ہمارے اپنے مجذوب کی بات کر رہا ہوں میں ان مجذوبوں کی بات نہیں کر رہا جو راہوں میں گم ہو کر پتا نہیں کیا سے کیا بن گئے۔ میں سلسلۂ عالیہ مجذدیہ کے مجذوب کی بات کر رہا ہوں جس نے تجلیاتِ الٰہی کو جذب کیا اگر کسی اور وجہ سے مجذوب ہوا تو ہو گیا، اس کے احکامات اور ہوں گے لیکن ہمارے ہاں اسمِ ذات کے ذکر میں مجذوب ہوا ہے۔ اللہ کے ذکر میں مجذوب ہوا ہے لہٰذا یہ بے ہوش نہیں ہے، باہوش ہے! اس جذب کی کیفیت میں اردگرد کا

مشاہدہ کر رہا ہے۔اس کو سب کچھ دکھایا جارہا ہے۔اچھی طرح باہوش بھی ہے!

عالمِ امکان سے گزرنے والا آدمی جب تک جہانِ جذب سے نہیں گزرے گا عالمِ ... طے نہیں کر سکتا۔یہی وجہ ہے کہ جو صاحبِ جذب ساتھی ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ ... انسان پر تلوینات کا اظہار ہوتا ہے جب انسان کا جسمِ نوری ان رنگوں کو اخذ کر کے اپنے ... کا اظہار کرتا ہے تو اس کے اوپر ایک بے خودی اور مدہوشی کی کیفیت طاری ہو جاتی ... یہ صاحبانِ کشف کا مشاہدہ ہے! جب کوئی ساتھی تلونیات سے گزرا، اب اس کو تمکین میں ... کے لیے ایک بنیادی خیال کو ذہن میں رکھنا ہے۔آج کل کی اصطلاح میں جس کو آپ Hypnotic trance کہتے ہیں یعنی تنویمی وجد، تنویمی مدہوشی۔تنویم کہتے ہیں کسی پر نیند کا طاری ہونا یا طاری کرنا یہ بھی بابِ تفصیل ہے اور انگریزی میں اسے Hypnosis کہتے ہیں۔ لوگوں نے ہپناٹزم، مسمریزم یا اس طرح کے علوم کو بڑے علمی اعتبار سے study کرنے کے بعد جو نتائج نکالے، الحمدللہ! ہمارے مقتدی وہاں سے لوٹے، اللہ کا کرم ہے۔ان کا نتیجہ کیا نکلا، نتیجہ یہ ہے کہ بدنِ انسانی اور روحِ انسانی یہ دو چیزیں اپنے اپنے planes پر، اپنی اپنی جگہوں پر، اپنی اپنی جاہائے وجود پر اپنے اپنے خصائص رکھتی ہیں یعنی یہ جو physical body ہے یہ ظاہری جسم اور دوسرا جسمِ لطیف یا روح یا جسمِ مثالی کچھ بھی آپ اس کو کہہ لیں، ان دونوں سے صحیح معنوں میں فائدہ اٹھانے کے لیے دو قسم کی approaches کی ضرورت ہے۔دو قسم کے دستور ہائے زندگی کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔کچھ تقاضے جسمِ مادی کے ہیں اور ہمارے اندر جو چیز ہے وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي اس کے خصائص کو سمجھنے کے لیے ایک دستور ہے۔اب اس physical body کو ظاہری جسم کو ترقی دینے کے لیے اچھی

غذا، exercise یہ دونوں چیزیں بہت ضروری ہیں جو شخص اچھی غذا کھائے گا اس کا بدن تنومند ہوگا جو شخص exercise کرے گا اس کے بدن میں چستی اور تیزی آجائے گی اور جتنا جتنا اس شعوری دنیا میں Conscious world میں، ظاہری عالمِ خلق کو جس کو ہم عالمِ خلق کہتے ہیں اس کو نفسیات میں یا موجودہ روحانی علوم کی اصطلاح میں The World of Conscious کہتے ہیں یعنی ظاہری دنیا تو جسمِ انسانی، جسمِ مادی جتنی اچھی غذا کھائے گا جتنی اچھی exercise کرے گا اس کے نتیجے میں اس کی قوتیں اتنی ہی نکھرنا شروع ہو جائیں گی اور اس وقت اس کے اوپر جن روحانی شعاعوں کا غلبہ ہوگا انھیں Beta rays کہتے ہیں۔ میں خالص سائنسی جہت کے حوالے سے آپ کو سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں تا کہ آپ سمجھیں ایک بنیادی نکتہ ہے جس کو آپ نے سمجھنا ہے۔ جذب، عالمِ امکان کے اندر جب تک ہے یا عالمِ خلق میں جب تک کام کر رہا ہے تو اس کے اوپر غلبہ ہے Beta rays کا لیکن جوں جوں وہ دائرہ امکان کو کراس کرے گا تو اس کے اندر جو شعاعیں کام کریں گی وہ Alpha rays ہیں۔ اب جس طرح ایک ظاہری بدن کو، physical body کو، غذا اور خوراک نے B-rays پیدا کرنے کے قابل کر دیا۔ یہ جتنا active زیادہ ہوگا اتنی rays زیادہ پیدا کرے گا۔ اب قانون یہ نکلا کہ ظاہری جسم، مادی جسم جتنا active ہوگا وہ Beta rays اتنی ہی زیادہ generate کرے گا اور اس دنیا میں، ظاہری دنیا میں وہ زیادہ کامیاب ہوگا

اب دوسرا جسم، جسمِ نوری! جس طرح یہاں پر active ہونے کی ضرورت ہے Beta rays کو generate کرنے کے لیے اسی طریقے سے جسمِ نوری کی ضرورت ہے inactive ہونے کی Alpha rays کو generate کرنے کے لیے یعنی جسمِ نوری

ہماری روح یا روح کا وہ جسم، جسمِ مثالی وہ جتنا inactive، جتنا relax ہوگا جتنا پرسکون ہوگا۔ اتنی ہی زیادہ Alpha rays اس سے نکلیں گی اور اس کی پرواز کا باعث ہوں گی۔ ادھر حرکت ہے اُدھر سکون ہے۔ ادھر activity ہے سرگرمی اُدھر lack of activity ہے یعنی عدم سرگرمی۔ ادھر چستی اور تندی ہے اور اُدھر آرام وسکون ہے۔ یہ تلوینات کی دنیا ہے وہ تمکینات کی دنیا ہے، اب بات سمجھ گئے ہیں آپ!

اب اس تمکینات کی دنیا کو آپ مقامِ فناء کہتے ہیں، اس سے آگے کی بہت ساری باتیں ہیں لیکن اس کا پہلا مقام، مقامِ فناء ہے اور مقامِ فناء کو ہم آج کل کی اصطلاح میں Self Hypnosis کہتے ہیں یعنی اپنے آپ کو اتنا پرسکون کر لینا اتنا inactive کر لینا، اتنا غیر متحرک کر لینا کہ ظاہری دنیا سے رابطہ کٹ جائے۔ ظاہری دنیا سے رابطہ کٹ جائے گا تو یہاں پھر دو قسم کی approaches شروع ہوتی ہیں ایک وہ لوگ کہ جو اسی دنیا کی خاطر سارا گورکھ دھندا کر رہے ہیں وہ اوپر نہیں جا سکتے، کوئی کافر، کوئی مشرک، کوئی بدعتی اور کوئی بھی سرکار ﷺ کا غلام نہ ہونے والا اوپر کی دنیا میں جس کو آپ Transcendental world کہتے ہیں اس پر نہیں جا سکتا۔ ان تمکین کی دنیا تک تو وہ اپنے حربے استعمال کر کے پہنچنے کی کوشش کر رہا ہے لیکن بالا کی دنیا میں صرف اور صرف مسلمان جائے گا۔ میں ذمہ داری کے ساتھ یہ بات کر رہا ہوں کہ یورپ کے researchers کی ہزاروں کتابیں دیکھنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اوپر کی دنیا کا ان کو کوئی پتا نہیں! جبکہ ہمارے مشائخ اور ہمارے بزرگ ہر level کی بات کرتے ہیں ہر سطح کی بات کرتے ہیں۔

تو اب جس کو ہم تمکین کہتے ہیں جس کو ہم Self Hypnosis کہتے ہیں، جس کو

ہم مقامِ فناء کہتے ہیں لوگوں کے ہاں totally inactive ہو جانا ہے لیکن ہمارے ہاں یہ نہیں ہے۔ ہمارے ہاں اس طرح inactive ہونا ہے کہ یہ تصور غالب آ جائے کہ پوری کائنات کے اندر ایک اللہ ہی اللہ ہے۔ ھُو کا ایک عالم ہے جس میں ایک ذات وحدہٗ لاشریک ہے۔ اس وقت ایک تصور باقی رہے۔ اُن کے ہاں ہے کہ کوئی تصور باقی نہ رہے اور ہمارے ہاں ہے کہ ایک تصور باقی رہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ کی ذات۔ اس طریقے سے پوری کائنات کے خدا کے ذکر میں یا خدا کی ذات میں، خدا کی ذات کے علاوہ اور کسی چیز میں نہیں؛ فناء ہونے کے تصور کو تصورِ فناءُ الفناء کہتے ہیں کہ پوری کائنات کے اندر کوئی بھی چیز باقی نہیں ہے۔

اب ظاہر ہے کہ مقامِ فناء میں آپ کس طرح قدم رکھیں گے ایک رستہ ہے صرف اور وہ رستہ ہے مراقبے کا اور ہمارے ہاں مجدّدیہ شریف میں وقوفِ لطائف یعنی لطائف سے واقف ہونے والے جو مراقبات ہیں اس کے بعد اصولِ لطائف یعنی لطائف کی جو اصل ہے، اس کے بعد جو پہلا مراقبہ کرتے ہیں وہ ہے مراقبۂ احدیت۔ احدیت کا مطلب یہ ہے کہ ایک ذات پاک وحدہٗ لاشریک کے علاوہ کوئی اور کائنات میں موجود ہے ہی نہیں۔ اس مقام احدیت کو مقامِ فناء، مقامِ تمکین کا نام دیا گیا ہے اور اس مقام کو حاصل کرنے کا بہترین طریقہ مراقبہ ہے۔

خلاصہ یہ کہ مراقبے کا مطلب اتنا پرسکون بیٹھ جانا کہ اپنے بدن کا بھی ہوش نہ رہے۔ ظاہر ہے کہ آپ ہڈیوں کو تو فناء نہیں کر سکتے۔ اپنے گوشت پوست کو تو آپ فناء نہیں کر سکتے۔ آپ اپنے بدن کو خلاؤں اور فضاؤں میں تحلیل تو نہیں کر سکتے لیکن آپ یہ تو کر سکتے ہیں کہ آپ کو اپنے بدن کا ہوش نہ رہے اس کیفیت سے گزر کر آگے کی بات چلے گی۔ بہت سارے

لوگ، بہت سارے لوگ یہیں پر گم۔ آگے پتا نہیں چلتا کدھر جائیں۔

تو ہی نادان چند کلیوں پر قناعت کر گیا

ورنہ گلشن میں علاج تنگیِ داماں بھی تھا

اس نکتے کو اچھی طرح سمجھئے گا کہ عالمِ امکان سے آگے گزرنے کے لیے مراقبے کی انتہائی، انتہائی درجے کی concentration کی وہ stage چاہیے جس میں ایک وحدہٗ لاشریک کا تصور باقی رہے باقی پوری کائنات کا تصور معدوم ہو جائے۔ بس تصورِ معبودیت انسان پر چھا جائے تب جا کر اگلی بات ممکن ہوگی۔

وما علینا الا البلاغ المبین

نورانیتِ مصطفیٰ ﷺ بے مثل ہے
بشریتِ مصطفیٰ ﷺ بے مثل ہے

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مختلف شانیں ہیں۔ حضور ﷺ کی ایک شان بشریت ہے۔ حضور ﷺ کی ایک شان نورانیت ہے اور حضور ﷺ کی ایک شان محمدّیت ہے۔ ہر شان کے مرتبے جدا ہیں اور کسی بھی شان کا بیان ممکن ہی نہیں یعنی ہمارے شہنشاہ دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام جب ہماری طرف ہیں یعنی اس دنیا میں ہیں تو آپ پر شانِ بشریت غالب ہے۔ جب ہمارے شہنشاہِ دو عالمؐ ملائکہ میں ہیں تو آپ پر شانِ نورانیت غالب ہے اور جب ہمارے شہنشاہ دو عالمؐ ان عوالم کو چھوڑ کر، اپنے رب کے پاس ہیں تو شانِ محمدّیت غالب ہے لیکن یہاں سمجھنے کی بات جو عرض کرنی ہے، وہ یہ ہے کہ جب ہمارے شہنشاہ دو عالمؐ ہم میں ہیں تو شانِ بشریت کے غلبے کے باوجود بشریت عامہ یہ دعویٰ نہیں کرسکتی کہ ہم نے حضور کی بشریّت کو سمجھا ہے۔ جب ہمارے شہنشاہ دو عالمؐ ملائکہ کی دنیا میں ہیں، نوریوں کی دنیا میں ہیں تو اس وقت نوری یہ دعویٰ نہیں کرسکتے، جہانِ نور یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ ہم نے حضورؐ کو سمجھا ہے اور جب ہمارے شہنشاہِ دو عالم ﷺ محمدّیت کی شان میں ہیں تو وہاں صرف اتنی بات کہہ دی گئی ہے۔

فَاَوحیٰ الیٰ عبدِہ ما اَوحیٰ

کہ رب نے اپنے بندے کو جو دینا تھا سو دے دیا۔

بشریت کی شان میں ہمارے شہنشاہِ دو عالمؐ کو کیوں رکھا گیا؟ اس کی مثال سمجھنے کے لیے یوں کہہ لیں جس طرح حضرت پیر رومؒ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ جب تک کوئی کسی کی مماثلت اختیار نہ کرے، رابطہ ممکن نہیں، فیض ممکن نہیں، توسل ممکن نہیں۔ جب تک قدرِ مشترک نہ ہو باہم بیٹھنا ممکن نہیں۔ اب ہم میں قدرِ مشترک ہے تو ہم بیٹھے ہیں۔ جب باہر ہوٹل پر بیٹھ کر دو چار آدمی کھانا کھا رہے ہوں تو قدرِ مشترک ہے تو کھانا کھا رہے ہیں۔ حضرت پیر رومؒ اس کو ایک مثال سے سمجھاتے ہیں۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دن دیکھا کہ ایک چیل جو مردے کھاتی ہے اور ایک شاہین، یہ دونوں اکٹھے بیٹھے ہوئے تھے تو میں نے سوچا کہ قانونِ نشست تو یہ ہے کہ دو چیزوں میں جب تک قدرِ مشترک نہیں ہوگی، اکٹھی نہیں ہوں گی۔ اب چیل مردے کھانے والی، شہباز فضاؤں میں شکار کر کے کھانے والا یہ اکٹھے کیسے ہوئے؟ آپؒ فرماتے ہیں کہ میں نے قریب جا کر دیکھا تو دونوں اندھے تھے۔ گویا اندھا ہونا ان کی قدرِ مشترک ہوگئی جس نے ان کو اکٹھا کر دیا۔

اب ہمارے شہنشاہِ دو عالمؐ تشریف فرما ہیں اور مکے کی عورت آ کر کہتی ہے، کچھ عرض کرتی ہے تو ڈرتی ہے۔ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے کیا فرمایا؟ قرآنِ عظیم کہتا ہے کہ قُل اے محبوب فرما دیجئے، اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِثْلُ کُمْ کہ میں تمہاری طرح کا انسان ہوں، بشر ہوں، ڈرتی کیوں ہو؟ اب اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ عورت بھی حضورؐ جیسی ہے۔ حضورؐ نے ایک مثال دے کر سمجھایا کہ میں جب جہانِ بشریت میں ہوں تو میں تمہارے جیسا ہوں، کیوں ڈرتی ہو، خوف کو ختم کر کے میرے قریب آ جاؤ، سنو! میں کیا کہتا ہوں اللہ کا پیغام لایا ہوں، ربّ کی بارگاہ سے توحید کا پیغام لایا ہوں، ہدایت کا پیغام لایا ہوں۔ اس صورتحال میں سرکارؐ نے

آلِ بشریت کو یہ بتایا کہ اے بشر! تو گھبرا نہ میں تم میں سے ہی مبعوث کیا گیا ہوں اور جو کچھ تمہاری زندگی میں ہے، سب کچھ میری زندگی میں ہے، اگر تو کھاتا ہے تو میں کھاتا ہوں، اگر تو سوتا ہے تو میں سوتا ہوں، اگر تو چلتا ہے تو میں چلتا ہوں، اگر تو روتا ہے تو میں روتا ہوں، اگر تو ہنستا ہے تو میں ہنستا ہوں، اگر تو شادی کرتا ہے تو شادی میں نے بھی کی ہے، اگر تیری اولاد ہے تو اولاد میری بھی ہے۔ جو تیری زندگی کے تقاضے ہیں سارے میرے پاس ہیں، تو یہ نہ سمجھ بیٹھنا کہ یہ کوئی اور چیز ہے۔ میں اللہ کی بارگاہ سے تیری دنیا کا سارا سامان لے کے آیا ہوں تا کہ تو یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ ہم حضورؐ کا اس لیے اتباع نہ کر سکے کہ ان کی فلاں چیز ہم سے مختلف تھی۔ جب میں اتباع کا درس دوں گا تو خود وہ چیز کر کے دکھاؤں گا پھر تمہیں کہوں گا یہ کر کے دکھاؤ۔

اب سوچنے کی بات، جب حضورؐ نے یہ بات فرما دی، اس کے بعد اب سوچنے والے کو چاہیے کہ دیکھے کہ میں، کیا ہوا میں اڑ سکتا ہوں۔ اگر ایک عام آدمی سے کہا جائے کہ تو فضا میں پرواز کر تو کیا خیال ہے وہ پرواز کر سکے گا؟ نہیں! لیکن ہمارے شہنشاہِ دو عالم ﷺ نے پرواز فرمائی تو گویا ہمارے سرکار کی ایک بشریت وہ ہے جو ہم میں ہے اور ایک بشریت وہ ہے کہ جو جب یہاں سے اوپر اٹھے تو ساتھ تھی اور جب نوریوں میں پہنچے تو ساتھ تھی اور نوریوں سے بھی آگے جب جبریل تھک گئے، رہ گئے اور کہنے لگے بقول سعدی!

اگر یک سرِ موئے برتر پرم
فروغ تجلی بسوزد پرم

میں بات آپ کو سمجھا رہا ہوں، بڑی آہستہ رفتار میں تا کہ آپ ایک ایک نکتے کو سمجھ سکیں۔ جب ہمارے شہنشاہِ دو عالم ﷺ سدرۃ المنتہیٰ سے آگے نکل گئے تو جبریل امین رہ

گئے۔ جبریل امین نوری تھے اور سارے نوری قافلے، ساری نوری مخلوق، نوریوں کا شہنشاہ رہ گیا تو حضور ﷺ آگے نکل گئے۔ ساری نوری دنیا نیچے رہ گئی۔ نوری مخلوق ساری نیچے رہ گئی۔ اب جب انسانوں کی دنیا سے اٹھے تو بشریت کا ایک حصہ بلکہ پوری بشریت ساتھ، یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ جب حضور ﷺ یہاں سے بلند ہوئے تو سارے خصائصِ بشریت نیچے چھوڑ گئے اور اوپر کچھ اور لے گئے۔ نہیں! سارے خصائصِ بشریت ساتھ تھے! گویا ہمارے شہنشاہِ دو عالم ﷺ کے خصائص جو اس دنیا میں ہیں اور یہاں ظاہر ہیں لیکن جب بشریت کی دنیا سے اوپر جاتے ہیں تو سرکار کے خصائصِ بشریت قائم رہتے ہیں اور پھر جب نوریوں کی دنیا سے بھی آگے نکلے تو بھی خصائصِ بشریت قائم رہتے ہیں، جسم ظاہری قائم رہتا ہے، حواسِ ظاہری قائم رہتے ہیں، قوائے ظاہری قائم رہتے ہیں تو یوں کہنا چاہیے کہ ایک بشریت وہ ہے جو یہاں قائم ہے، ایک بشریت وہ ہے جو نوری دنیا میں بھی قائم ہے۔ ایک بشریت وہ ہے جو نوری دنیا سے بھی اوپر قائم ہے۔ گویا بشریتِ مصطفیٰ ؐ کے کتنے حصے ہوئے؟ ایک وہ حصہ جو یہاں ہے اور یہاں کی بشریت کو نیچے چھوڑ کر پھر دوسرا حصہ اوپر چلا گیا اور یہاں کے تمام خصائص وہاں موجود اور وہاں کے اور خصائص بھی وہاں موجود پھر جب وہاں سے آگے نکلے تو نورانیت بھی نیچے رہ گئی اور بشریت بھی نیچے رہ گئی لیکن بشریتِ مصطفیٰ ؐ پھر بھی قائم ہے تو یوں کہنا چاہیے کہ ادھر سے بشریت چلی، نوریوں سے گزری، بشریت ہی تھی، یہاں سے چلی بشریت ہی تھی اور لامکاں پر پہنچی بشریت ہی تھی۔ الغرض یہاں سے لے کر جو سفر تھا سارے کا سارا بشریّت کا تھا۔

اس کے بعد، جب ہمارے شہنشاہِ دو عالم ﷺ اوپر سے مبعوث کیے گئے نیچے کی

طرف تو آپ حدیثِ پاک کی کتابیں اٹھا کر دیکھیں لحظہ بہ لحظہ، لمحہ بہ لمحہ، معجزہ در معجزہ، نور در نور اور اس حدیثِ پاک سے شروع کریں جب حضرت جابر بن عبداللہ نے حضورؐ سے پوچھا کہ یارسولؐ اللہ! سب سے پہلے کیا تخلیق کیا گیا تھا؟ تو سرکارؐ نے فرمایا کہ اللہ نے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا کیا۔

اول ما خلق اللہ نور نبیک من نورھم

کہ سب سے پہلے اللہ نے تیرے نبیؐ کا نور اپنے نور سے پیدا کیا۔

اس کے بعد ساری کائنات اسی نور سے پیدا کی۔ اس وقت سے لے کر اس دنیا میں تشریف لانے تک ولادت ہوتی ہے تو حضرت سیدہ آمنہ ارشاد فرماتی ہیں کہ جونہی میرے اس عظیم فرزند کی ولادت ہوئی تو پوری دنیا میں ایک نور چمکا اور میں نے اس نور کی روشنی میں دور دور کے محلات دیکھے اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سوئی گم ہوتی ہے تو سرکار مسکرائے اور سارا کمرا جگمگا اٹھا اور میں نے سوئی تلاش کر لی۔ صحابی کو رات کا وقت ہے اندھیری رات میں چلنا ہے، سرکار نے لاٹھی عطاء کر دی اور وہ ہماری ٹیوب لائٹ سے زیادہ جل اُٹھی۔ یہ سب کچھ کیا ہے؟ یہ نورانیتِ مصطفیٰ ﷺ کے جلوے ہیں۔ یوں کہنا چاہیے کہ رب سے جدا ہونے سے لے کر بطور مخلوق نورانیت کی دنیا میں آنے تک بھی وہ نور تھا، نورانیت کی دنیا میں بھی نور ہی نور تھا اور اس دنیا میں آکر بھی نور ہی نور تھا۔ اب یوں کہنا چاہیے کہ ہمارے شہنشاہِ دو عالمؐ یہاں سے بشریت لے کر جہاں تک بھی پہنچے بشریت ساتھ گئی لہٰذا ہمارے حضورؐ کی بشریت بھی بے مثل ہے! وہاں سے چلے جہاں تک آئے، نورانیت ہی نورانیت ہے۔ ہمارے شہنشاہ دو عالم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی نورانیت بھی بے مثل ہے! یوں کہنا چاہیے کہ بشروں کی ایک دنیا

ہے بشر وہاں سے آگے نہیں جا سکتا۔ ہمارے حضورؐ کی بشریت آگے جا سکتی ہے۔ نوریوں کی ایک دنیا ہے وہاں تک بشر پہنچ نہیں سکتا۔ نوری بھی آگے نہیں جا سکتا وہاں سے آگے کی دنیا میں حضورؐ کی بشریت جا سکتی ہے۔ اب نوریوں کی دنیا میں ایک نوری قید ہے، نہ اوپر جا سکتا ہے، نہ نیچے اپنا تصرف کر سکتا ہے لیکن ہمارے سرکار اوپر سے نور کو ساتھ لے کر، نوریوں کی دنیا سے گزر کر، نور کو ساتھ لاتے ہیں۔ یوں کہنا چاہیے کہ نورانیتِ مصطفیٰ ﷺ بھی بے مثل ہے اور بشریت مصطفیٰ ﷺ بھی بے مثل ہے! اب نور اور بشر کے سارے تقاضوں کو چھوڑ کر جب ہمارے شہنشاہِ دو عالمؐ اوپر تشریف لے کر گئے تو وہاں کیا ہوتا؟ کوئی نوری ساتھ نہیں، کوئی خاکی ساتھ نہیں، اپنی بشریت بھی ساتھ ہے، اپنی نورانیت بھی ساتھ ہے۔ اب وہاں ثُمَّ دَنیٰ فَتَدَلّٰی ،قریب ہوا اور نیچے اتر آیا۔ میں بعض ساتھیوں کے لیے یہ قول دہرا بھی رہا ہوں۔ ثُمَّ دَنیٰ فَتَدَلّٰی ،قریب ہوا اور نیچے اتر آیا۔ کون؟ جو اوپر ہوتا ہے وہی نیچے آتا ہے۔ نیچے وہ آتا ہے جو اوپر ہوتا ہے۔ غور کرنے کی بات ہے جو نیچے سے جا رہا ہے وہ تو اوپر نہیں ہوتا ناں؟ اب کسی نے اپنے مہمان کو Receive کیا اور ثُمَّ دَنیٰ فَتَدَلّٰی۔ اس آیت پر غور کیا کریں۔ دوستوں سے کہا کریں جب کوئی عقیدے کی بات کرے تو اس سے کہا کریں کہ اس آیت پر بھی غور کر لو کہ وہ لا مکاں کا خدا قریب کیسے ہوا؟ قرب ہو یا بعد ہو: یہ عالم امکان کی باتیں ہیں یہاں پر قرب و بُعد کا تصور ہے یا زمان و مکان کا تصور ہے یا time اور space کا تصور ہے، وہاں قرب کا کیا تصور ہے؟ کیا معنیٰ دو گے اس بات کو قریب ہوا اور نیچے اتر آیا۔

فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى

دوقوسوں کا فاصلہ رہ گیا بلکہ اس سے بھی کم

اب وہاں پر قوسیں کہاں تھیں؟ قوس کہتے ہیں کمان کو جس سے تیر مارا جاتا ہے تو یہ عالمِ امکان کی باتیں ہیں، یہ اس دنیا کی باتیں ہیں، وہاں کون سی کمانیں تھیں؟ **فاوحیٰ الیٰ عبدہٖ مَاَوحیٰ** اوراس کے بعد اپنے بندے کو جو دینا چاہا سو دے دیا۔ کوئی نہ پوچھے کیا دیا۔ جتنا وہ خود بتادیں، سن لو، ضد نہیں کرنی۔ یہ معبود کا مسئلہ ہے اور عبد کا مسئلہ ہے تو اس مقام پر شانِ مصطفیٰ ﷺ نہ نوری سمجھ سکتا ہے نہ بشر سمجھ سکتا ہے۔ وہاں نور کے بھی پر ٹوٹ رہے ہیں۔ نور کی مخلوق کی بات کر رہا ہوں اور وہاں بشریت بھی دم سادھ کے کھڑی ہے اور ہمارے شہنشاہِ دو عالمؐ وہاں سے آگے جا رہے ہیں۔

اب یہاں سمجھئے جو نکتہ آپ کی خدمت میں عرض کرنا ہے۔ بعض دوستوں کے لیے یہ بات دہرائی ہے تاکہ ایک خاص نکتے کو سمجھ سکیں کہ نورانیت اور بشریّت کی یہ بحثیں دائرۂ امکان کے اندر ہیں۔ دائرہ امکان میں دو عوالم ہیں۔ عوالم جمع ہے عالم کی۔ عالم کہتے ہیں دنیا کو۔ اس میں دو عوالم ہیں: ایک عالمِ خلق ہے اور ایک عالمِ امر ہے۔ عالمِ خلق جسے میں نے بارہا آپ کو سمجھایا ہوا ہے اور آپ اس سبق کو اچھی طرح یاد کریں تاکہ دوستوں کی تربیت میں آپ کے لیے آسانی ہو۔ عالمِ خلق وہ عالم ہے، وہ دنیا ہے کہ جس کو ہم دیکھ سکتے ہیں، چھو سکتے ہیں، محسوس کر سکتے ہیں۔ دیکھنا، سننا، سونگھنا، چکھنا، محسوس کرنا یعنی یوں کہہ لیں یہ visible world ہے نظر آنے والی دنیا اور عالمِ امر وہ دنیا ہے جس طرح فرشتے ہیں، نظر نہیں آتے لیکن موجود ہیں، وہ عالمِ امر ہے۔ جنت اور دوزخ ہے، یہ عالمِ امر ہے۔ حور و غلمان ہیں، یہ عالمِ امر کی چیزیں ہیں۔ اسی طریقے سے جنات ہیں، ان کو بھی آپ عالمِ امر میں شمار کریں۔ اس طریقے سے

بہت ساری چیزیں کہ جو نظر نہیں آتیں لیکن ہیں، وہ کیا ہیں سارا عالمِ امر ہے۔ اب عالمِ خلق کو تدریجاً پیدا کیا گیا۔ یہاں ایک بڑا قیمتی نکتہ عرض کر رہا ہوں۔ عالمِ خلق کو تدریجاً پیدا کیا گیا یعنی ایک چیز دوسری چیز کا باعث بنتی ہے۔ ایک چیز دوسری چیز کی تخلیق کا ذریعہ بنتی ہے۔ لیکن عالمِ امر ایک لفظ کن سے پیدا کیا گیا۔

اِنَّمَا اَمْرُهٗ اِذَا اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْن

(سورۃ یٰسین)

کہ اس کا امر یہ ہے کہ جب وہ چاہے کہ کوئی بات ہو جائے تو وہ فرماتا ہے 'کن' اور وہ چیز ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کوئی ولی ولایتِ عظمٰی کے مقامات پر فائز ہو جاتا ہے تو اس کو لفظ کن عطاء کر دیا جاتا ہے کہ تو عالمِ خلق میں تصرف کر سکتا ہے، لفظ کن کے ساتھ۔ اس کو سرکار غوثِ اعظم تکوین کا نام دیتے ہیں۔ یُرَدُّ اِلَیہِ تکوین کہ اس کی طرف تکوین لوٹا دی جاتی ہے۔ وہ لفظ کن کہتا ہے اور عالمِ امر کی دنیا کے تصرفات کو عالمِ خلق میں جاری کر دیتا ہے۔

اب عالمِ خلق اور عالمِ امر دونوں کو جب اکٹھا کریں تو عالمِ امر محسوس نہ ہونے والا اور عالمِ خلق محسوس ہونے والا، اب ان دونوں عوالم کو جو چیز جوڑتی ہے وہ لطیفۂ قلب ہے یعنی عالمِ خلق کو عالمِ امر سے جوڑنے کے لیے جو چیز رابطے کے طور پر استعمال ہوتی ہے وہ لطیفۂ قلب ہے۔ جب لطیفۂ قلب نے اس دائرہ امکان کے اندر عالمِ خلق اور عالمِ امر کو جوڑ دیا۔ اب آگے اس سے بحث چلتی ہے کہ ایک ہے دائرہ امکان، عالمِ خلق اور عالمِ امر اور اس کے بعد ہے لامکان اور پھر ثم دنیٰ والی بات، اللہ کی ذات۔ بات سمجھئے! سرکار ہمارے کہاں سے چلے تھے؟ عالمِ خلق سے۔ عالمِ خلق سے چلے عالمِ امر سے گزرے، دائرہ امکان پر پہنچے اور درمیان میں کیا

تھا؟ ہمارے شہنشاہِ دوعالمؐ جانیں یا خدا جانے! اب دائرہ امکان کی کوئی چیز آگے جا نہیں سکتی۔ نور، فرشتے کیا کوئی جا سکتا ہے آگے؟ جبرئیل امین آگے جا سکے؟ فرشتے کا نور آگے نہیں جاسکتا۔ جنت کی کوئی اور چیز آگے جاسکتی ہے؟ جاسکتی ہوتی تو براق جاتا۔ حور وغلمان میں سے کوئی دعویٰ کرے کہ آگے جاسکتا ہے؟ انبیاء میں سے کسی کا دعویٰ ہے، آگے جا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں! یہ ساری عالمِ خلق اور عالمِ امر کی یعنی دائرہ امکان کی چیزیں ہیں۔ جہاں دائرہ امکان ختم ہوگیا وہاں سے ہمارے حضورؐ خدا تک پہنچے۔ یوں کہنا چاہیے کہ اوپر خدا ہے نیچے یہ دائرہ امکان ہے درمیان میں مصطفیٰؐ ہیں اور یوں کہنا چاہیے اے عالمِ خلق والو! تمہیں بھی جو کچھ ملے گا حضورؐ کے قدموں سے ہوکر ملے گا۔ اب اس کی مثال سمجھئے کہ ایک light آرہی ہے، بجلی آرہی ہے اور یوں ہی apparatus کے بغیر آپ بجلی کو وصول نہیں کر سکتے۔ روشنی آرہی ہے جب آپ بلب روشن کریں گے تو پھیل جائے گی۔ یوں کہنا چاہیے کہ بلاتشبیہ وتمثیل کہہ رہا ہوں اگر عالمِ لامکان سے، ربِ کریم کی خلوتوں سے، اگر کسی نور کے بلب نے اس دائرہِ امکان میں روشنی پہنچائی ہے تو وہ حضورؐ کی ذات ہے۔

اب دیکھئے کہ ایک بلب ہے، اس کے نیچے ایک شیشہ لگا ہوا ہے تو بلب کی جو روشنی آئے گی شیشے سے گزر کے آئے گی کیونکہ اس جگہ میں اور بلب کی روشنی میں شیشہ حائل ہے۔ کوئی دعویٰ نہیں کرسکتا کہ شیشے کے بغیر یہ روشنی یہاں آئی ہے لیکن کیا شیشہ اور وہ روشنی ایک ہیں؟ نہیں! شیشہ اور ہے روشنی اور ہے لیکن کیا جدا ہیں؟ کوئی کر کے دکھائے ناں۔ یہ روشنی شیشے سے گزر کر آرہی ہے تو کیا روشنی اور شیشے کو کوئی جدا کرسکتا ہے؟ نہیں کرسکتا۔ ایک بھی نہیں اور جدا بھی نہیں۔

گویا یوں کہنا چاہیے کہ ہمارے شہنشاہ دو عالم ﷺ اس عالمِ امکان اور ربِ کریم کے درمیان ایک برزخ ہیں جس کو کہتے ہیں برزخِ کبریٰ۔ عالمِ خلق اور عالمِ امر؛ اب میں تصوف کی اصطلاح میں بات کر رہا ہوں، کے درمیان کون سی چیز تھی؟ برزخ۔ قلب کو کہتے ہیں برزخ اور عالمِ امکان اور لامکان کے درمیان برزخ کون سی ہستی ہوئی؟ ہمارے حضور شہنشاہِ دو عالم ﷺ۔ گویا قلب ہوا ہمارا برزخ، شہنشاہِ دو عالمؐ ہوئے برزخِ کبریٰ۔

آئندہ یہ اصطلاحات جب بھی تصوف میں حضرت امام ربانیؒ کے ہاں پڑھیں تو برزخ کیا ہے؟ قلب ہے اور برزخِ کبریٰ ہمارے شہنشاہِ دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔

تو اب دیکھیں فیض اپنی نسبت کو پہنچتا ہے؟ تو برزخِ کبریٰ سرکار ہیں تو آپؐ کا فیض برزخ پر ہی آئے گا ناں۔ اسی بات کو سمجھا ہے اقبال نے اور کہتے ہیں، 'در دلِ مسلم مقامِ مصطفیٰؐ است' کہ حضورؐ کا فیض جب بھی آئے گا قلب پر آئے گا اور یہاں قرآن کو بھی آپ نے دیکھنا ہے کہ قرآن جب بھی اترے گا قلب پر اترے گا۔ گویا یوں کہہ لیں:

در دلِ مسلم مقامِ مصطفیٰؐ است
آبروئے ما زنامِ مصطفیٰؐ است

دعا کریں کہ ہمارے قلب کے رابطے حضور شہنشاہِ دو عالمؐ سے قائم رہیں اور ہمارے حضور ﷺ کا نور ہم پر اسی طرح برستا رہے، سایہ فگن رہے۔ آمین۔

و آخر دعو نا عن الحمد للہ رب العالمین

حقیقتِ لطائف اور حقیقتِ جذب

آج میں آپ کے دو سوالوں کے جواب دے رہا ہوں اور یہ دو سوال اکثر برادرانِ طریقت کرتے ہیں اور خود میرے ذہن میں بھی یہ سوال اٹھتے رہے ہیں اور ہر سالک کو ان سوالات سے سابقہ پڑتا ہے۔

نمبر ا: کل ہی مجھے ایک خط موصول ہوا ہے ایک برادرِ طریقت کا کہ یہ کیا وجہ ہے کہ جب میں محفل میں ہوتا ہوں اپنی اسی پندرہ روزہ محفل میں تو میرا قلب چلنا شروع ہو جاتا ہے اور میرے لطائف ذکر کرنا شروع کر دیتے ہیں لیکن جب میں اس محفل سے دور ہو جاتا ہوں چند دنوں کے لیے تو میرے قلب کی وہ رفتار کم ہو جاتی ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے لطائف بند ہیں اور وہ حرز، لطف و اعتزاز حاصل نہیں ہوتا جو کہ محفل کے اندر حاصل ہوا کرتا تھا۔ وہ ایک فوجی ہیں اور کسی دور دراز علاقے میں ان کی ڈیوٹی ہے۔

اب یہ سوال ہر سالک کا ہونا چاہئے۔ اس سوال میں ایک بنیادی نکتہ پوشیدہ ہے کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ بعض سالک جب محفل کے اندر موجود ہیں تو ان کا ذکر جاری ہے اور جب محفل سے باہر چلے گئے تو ان کے ذکر میں وہ لذت باقی نہ رہی اور لطائف بند ہوتے محسوس ہوئے۔ یاد رکھئے! کہ جس طرح بدن کے ظاہری اعضائے رئیسہ ہوتے ہیں مثلاً انسان کا دل ہے، دماغ ہے، جگر ہے، معدہ ہے اور گردے ہیں۔ یہ سارے اعضائے رئیسہ کہلاتے ہیں اور ان کی proper functioning یعنی درست فعل سے بدن انسانی کی درستی موجود رہتی ہے اور صحتِ انسانی قائم رہتی ہے۔ ان میں سے جب کوئی عضوِ رئیس بیمار ہو جائے تو بدنِ ظاہری

بیمار ہو جاتا ہے۔ان میں سے کسی کا عمل وقتی طور پر معطل ہو جائے یا خراب ہو جائے تو بدنِ انسانی بیماری کا شکار ہو جاتا ہے۔

جس طرح اس جسمِ ظاہری کے اعضائے رئیسہ ہیں اسی طریقے سے جسمِ باطنی کے بھی اعضائے رئیسہ ہیں اور روح کے ان اعضائے رئیسہ کا نام ہے لطائف۔اب دیکھنا یہ ہے کہ اعضائے رئیسہ ظاہری کا قانون کیا ہے؟ کہ جو عضوِ رئیس بگڑ جائے ایک تو اس کی تشخیص ضروری ہے کہ اس کا مرض کن اسباب کے نتیجے میں شروع ہوا۔اس وقت مرض کی stage کیا ہے۔کونسی دوا دینے کی ضرورت ہے اور کتنا عرصہ دوا دینے کی ضرورت ہے۔اسی طریقے سے جب کوئی روحانی عضوِ رئیس بیمار ہو جائے،کوئی لطیفہ جب اپنا کام چھوڑ دے اور لطائف کے متعلق آپ جانتے ہیں کہ لطائف کی اصول یعنی اصلِ لطائف عالمِ امر میں ہے۔اصلِ قلب عالمِ امر میں ہے۔اصلِ روح عالمِ امر میں ہے۔اصل سّر سب عالمِ امر میں ہیں۔عالمِ امر سے آنے والی روشنیاں،انوارات اور کیفیات اگر یہ صحیح وصول کر رہے ہیں تو پھر یہ صحت مند ہیں اگر صحیح وصول نہیں کر رہے ہیں تو یہ بیمار ہیں۔اسی طریقے سے لطائف،عالمِ امر سے جن کی اصل ہے،بے شمار مخلوق ایسی ہے جن کے لطائف بیمار ہیں۔اب ان بیمار لطائف کو اگر وقتی طور پر اس محفل میں غذا مل گئی یا دوا مل گئی تو چند قدم چلے۔اب آگے دوا نہیں مل رہی رک کر بیٹھ گئے۔یہاں آنے والے نے یہ سمجھ لیا کہ اب چونکہ میرے لطائف چل گئے ہیں اب انھیں دنیا کی کوئی قوت نہیں روک سکتی لیکن یاد رکھیں کہ یہ بہت پہلی stage ہے اور یہاں پر لطائف کے چل جانے کا مطلب یہی ہے کہ ابھی اس مریض کو وقتی طور پر timely relief کے لیے دوا مل گئی یعنی وقتی طور پر اس کو فائدہ ہوا ہے۔جس طرح کوئی مرض اچانک زیادہ ہو جائے تو اس کو

روکنے کے لیے وقتی طور پر اس کی تکلیف کو کم کرنے کے لیے اس کو غذا دی جاتی ہے یا دوا دی جاتی ہے۔ وہ غذا یا دوا وقتی طور پر اس کو فائدہ دیتی ہے لیکن جب اس دوا اور غذا کا اثر کسی اور چیز کے نتیجے میں کم ہو جائے تو پھر وہی کیفیت لوٹ آتی ہے۔

جب ایک ساتھی یہاں تشریف لائے اور ان کو اس محفل میں قلبی، روحی، سری، خفی، اخفا میں سے کسی لطیفہ کا ذکر اور سبق مل گیا۔ وہ سبق ملنے کے نتیجہ میں وہ لطیفہ غذا حاصل کر گیا اور وہ لطیفہ جاری ہو گیا اور اس نے پرواز تک شروع کر دی، عروج شروع کر دیا اور محفل میں ممکن ہے کہ اس دوست کو وقتی طور پر کوئی مشاہدہ بھی ہو گیا ہو۔ ہوتے ہیں مشاہدات لیکن جب وہ ساتھی باہر نکلے اور پھر حیاتِ ذہنی نے غلبہ کر لیا اور وہ کیفیات کہ جن کے نتیجے میں پہلے لطائف بیمار ہوئے تھے وہ لوٹ آئیں تو وہ لطیفہ پھر بیمار ہو جائے گا اور سفر بند کر دے گا۔

اب اس کا علاج کیا ہے؟ علاج یہ ہے: پہلی بات یہ ہے کہ کچھ ساتھیوں کا ایک circle بنا لیا جائے۔ جہاں بھی کوئی دوست ہے۔ آپ جتنے ساتھی یہاں تشریف فرما ہیں اپنا ایک ایسا circle بنائیں کہ اس circle میں یہ ذکرِ پاک عام کر دیں تا کہ جب بھی محفل ہو، جہاں محفل ہو، وہاں لطائف کو غذا ملتی رہے اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے عالمِ روحانیت کی کہ جب ایک ساتھی کہیں بیٹھا ہو گا اور دوسرے ساتھی سے اس کی ملاقات ہو گی تو یا تو وہ دونوں ایک لطیفے کے ہوں گے۔ ہر انسان کا ایک مؤردِ فیض ہوتا ہے یعنی وہ لطیفہ جو قوی ہوتا ہے اور اس کے ذریعے اس شخص کو فیض ملتا ہے۔ اگر دونوں کا مؤردِ فیض ایک ہے تو مؤردِ فیض ایک ہونے کی وجہ سے دونوں جب اکٹھے ہوں گے تو فیض double ہو جائے گا۔ فیض کی duplication ہو جائے گی اور پھر ان دونوں میں سے جس دوست کا لطیفہ زیادہ کام کر رہا ہو گا اس دوست سے

دوسرے دوست کو فیض پہنچے گا۔ ایک بات ! اگر دونوں کا موردِ فیض مختلف ہے یعنی فرض کریں ایک کا لطیفہ' اخفاء قوی ہے اور دوسرے کا لطیفہ' سرّی قوی ہے تو ان کے اخفاء سے اُن کے اخفاء کو فائدہ پہنچے گا اور ان کے سرّی سے ان کے سرّی کو فائدہ پہنچے گا تو پہلی اس میں آپ لوگوں نے جو بات ذہن میں رکھنی ہے وہ یہ ہے کہ جہاں کہیں بھی آپ ہوں جس جگہ پر ہوں اپنا ایک circle بنایئے اور یہ ضروری نہیں ہے کہ پہلے ہی دن آپ کو بڑے بڑے عارف مل جائیں۔ اس محفل میں بھی جو ساتھی تشریف فرما ہیں، کوئی کہاں سے تشریف لائے ہیں، کوئی کہاں سے تو یاد رکھیں ! اللہ کے محبوب بندے بڑے تھوڑے ہوتے ہیں لیکن ہوتے ضرور ہیں۔ خدا کے عاشق ہر جگہ پر ملتے ہیں۔ نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے عاشق ہر جگہ پر ملتے ہیں تو کوشش کریں کہ جیسے بھی مجھ جیسے گنہگار مل جائیں جہاں بھی ملیں دو، چار، آٹھ، دس ساتھی مل کر ایک circle بنالیں۔ اس کا اتنا فائدہ ہوگا اتنے حیرت انگیز فوائد جنم لیں گے آپ سوچ بھی نہیں سکتے۔

ابھی جب میں نئے کالج میں ٹرانسفر ہو کر گیا تو وہاں کے پرنسپل مجھ سے کہنے لگے کہ جناب! اگر آپ کے پاس اس مسئلے کا کوئی حل ہو کہ میں چاہتا ہوں کہ خدا کی طرف آؤں لیکن دنیا کے امور مجھے اللہ کی طرف آنے نہیں دیتے کیا کروں؟ تو میں نے کہا جناب!

دل بدست آور کہ حجِ اکبر است
از ہزار ہا کعبہ یک دل بہتر است
کعبہ بنیادِ خلیل آذر است
دل گزر گاہِ جلیلِ اکبر است

کہ جب انسان اپنا دل قابو کر لے، دل پر کنٹرول کر لے تو اللہ کی طرف توجہ آسان ہو جاتی ہے۔ چونکہ وہ ساتھی نیک تھے، پارسا تھے تو ابھی کل مجھے بتا رہے تھے کہ ایک ہفتے کے اندر مجھے اتنا فائدہ ہوا ہے جتنا کبھی بھی نہیں ہوا۔ کیا کیا کہ دل کی طرف توجہ کی کیونکہ دل گزرگاہِ جلیلِ اکبراست۔

تو اب یہ کرنا ہے آپ نے کہ جو ساتھی آپ خود یا کوئی اور ساتھی جن کو محسوس ہوتا ہو کہ ذکر بند ہو گیا ہے جو ساتھی جہاں تشریف فرما ہیں اگر اکیلے ہیں تو ذکر رابطہ کریں یعنی فوراً اپنے مشائخ سے رابطہ کریں اور نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات تک ایک channel جوڑ لیں۔ جہاں کہیں سے رابطہ کریں گے، مشائخ نقشبندیہ، قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ، یہ ان کی بڑی پرانی عادت ہے کہ یہ پہنچتے ہیں:

مرداں نوں کوئی یاد کرنیدا اوکھے سوکھے ویلے
مرد بگھاریا ہارے ناہیں جیوں شیر وچ بیلے

یہ پہنچتے ہیں اور پہنچ کر دکھاتے ہیں۔ وہ ہمارے پیر کی بات ہے کہ:

تو از چو بارہ آمدی من از بخارہ آمدم

ایک عیسائی لڑکی نے اسلام قبول کر لیا اور عیسائیوں نے اس کو دہلی کے شہر میں مارنا چاہا اور کہا کہ کلمہ سے دوبارہ روگردانی کر لو۔ اس نے کہا نہیں میں حضرت شاہ نقشبند یہ کی مرید ہوں تو انہوں نے کہا ہم تمہیں مار دیں گے۔ اس نے کہا یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشی اتار دے۔ مار دو موت منظور ہے۔

اسی کو موت کہتے ہیں تو فوراً دوڑتی آئے
یہ سرکٹ کر سوئے پائے محمدؐ دوڑتا جائے

تو انہوں نے کہا ہم تجھے چوبارے سے نیچے گرائیں گے۔ اس نے کہا بسم اللہ۔ ہمارے اسلام میں موت سے پیار کرنا سکھایا گیا ہے چنانچہ اس کو وہ چوبارے پر لے گئے اور وہاں سے گرانا چاہا تو اس نے کہا ٹھہرو! پہلے بخارہ میں مجھے اپنے پیر کو آواز دے لینے دو تو وہاں پر اس نے ایک بات کی، آخری بات وہ یہ تھی ''یا شاہِ نقشبند المدد'' اے شاہِ نقشبند میری مدد کر! اوپر سے اس کو گرایا گیا اور ربِ کعبہ کی قسم نیچے شہنشاہِ نقشبند جھولی پھیلائے کھڑے تھے اور مسکرا کر فرما رہے تھے،

''تو از چوبارہ آمدی من از بخارہ آمدم''

تو جن ہستیوں کے ہم مرید ہیں ان کے کمالات یہ ہیں کہ ہم چوبارے سے نیچے نہیں اترتے اور وہ بخارے سے آجاتے ہیں تو اس لیے جہاں کہیں جو دوست ہے جو ساتھی جہاں ہے وہ جہاں ذکر کرے، ذکرِ رابطہ کرے۔ حضرت شیخ شہنشاہِ نقشبندؒ کے سینے کا فیض آئے گا۔ حضرت شیخ مجددؒ اعظم کا فیض آئے گا۔ حضرت خواجہ عبید اللہ ہرات کا فیض آئے گا۔ حضرت باقی باللہ کا فیض آئے گا۔ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کا فیض آئے گا۔ سرکار غوثِ اعظم کا فیض آئے گا۔ آپ توجہ کر کے دیکھیں اور سب سے بڑھ کر شہنشاہِ دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نظر کرم ضرور آئے گی۔

اور دوسری بات کہ اپنا circle بنالیں۔ جہاں بیٹھے ہوئے ہیں خدا کا ذکر کریں۔ خدا کے ذکر میں اتنی برکتیں ہیں یہ کائنات کی اتنی بڑی مقناطیس ہے کہ یہ ہر چیز کو اپنی طرف جذب کر لیتی ہے۔ ان دو طریقوں سے آپ کا قلب دوبارہ اپنی منزل کی طرف لوٹتا رہے گا اور تیسری بنیادی حقیقت یہ ہے کہ ہم ہر وقت ذہن کا استعمال کر رہے ہیں۔ خیالات کا آنا جانا، دنیا کا

نظام، ترتیب اور کاروبار دنیا، روزانہ کے معمولات یہ سب کچھ چل رہا ہے۔ چوبیس گھنٹوں میں سے آٹھ گھنٹے یا چھ گھنٹے سونے کے نکال دیں تو باقی تقریباً سولہ اٹھارہ گھنٹے ہم کیا کرتے ہیں۔ خالصتاً دماغ کا ہی استعمال کرتے ہیں۔ ان میں سے کچھ وقت آپ ضرور نکال کر کوشش کیجئے کہ دماغ کے اوپر دل چھایا رہے یعنی حیاتِ قلبی، حیاتِ ذہنی پر چھائی رہے۔ یہ تین pre-requisites ہیں یعنی بنیادی ضروریات ہیں جو آپ نے کرنی ہیں۔

۱) ایک تو یہ کہ تنہائی میں بیٹھ کر جب بھی ذکر کریں تو ذکرِ رابطہ کریں۔

۲) جہاں کہیں بھی آپ ہیں؛ جس جگہ پر ہیں، گھر میں ہیں تو، دفتر میں ہیں تو، گاؤں میں ہیں تو، دوستوں کی محفل میں ہیں تو، ہر جگہ پر جہاں کہیں آپ موجود ہیں، وہاں دوستوں کا ایک circle بنالیں تو آپ یقین کیجئے گا کہ بڑے بڑے پیارے لوگ سامنے آئیں گے۔ بڑے بڑے عاشق اللہ کریم کے سامنے آئیں گے۔ آپ سوچ بھی نہیں سکتے، کیوں، اتنی اتنی ہستیاں پوشیدہ ہیں۔ ہم نے نوجوانوں میں اولیاء اللہ دیکھے ہیں، بڑے بڑے پاکیزہ لوگ دیکھے ہیں۔

۳) اور تیسری بات یہ کہ ہمیشہ کوشش کریں کہ حیاتِ ذہنی پر حیاتِ قلبی غالب رہے۔

اس سوال کا میں نے بڑا مختصر جواب دیا ہے مثلاً ایک جواب اس کا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ قلب اور نفس کا بڑا گہرا رابطہ ہے۔ ایک عجیب وغریب بات کر رہا ہوں اور نفس ہے کیا؟ ایک طرف ہے روح اور ایک طرف ہے جسم۔ روح کے اپنے تقاضے ہیں۔ اس کی اپنی قوتیں ہیں، اس کی اپنی حیثیتیں ہیں اور اس کی اپنی دنیا ہے۔ اسی طریقے سے جسم ہے، جسم کے اپنے تقاضے ہیں، جسم کے اپنے خصائص ہیں، جسم کی اپنی قوتیں ہیں، اس جسم کی اپنی دنیا ہے اور اپنے احوال

ہیں۔روح لطیف بلکہ لطیف ترین چیز ہے وہم وگمان میں نہیں آسکتی۔یہی وجہ ہے کہ جب لوگوں نے سرکارؐ سے سوال کیا کہ روح کیا ہے؟ تو قرآنِ عظیم اس کو بیان کرتا ہے:

يَسئَلُو نَکَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ اِنَّ الرُّوحُ مِن اَمرِ رَبِّیِ

اے نبی لوگ آپ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ فرما

دیجئے کہ روح اللہ کے عالمِ امر کی ایک چیز ہے

وَمَآ اُو تِیتُم مِنَ العِلمِ اِلّاَ قَلِیلاِ

کہ اس کا علم تمہیں بہت تھوڑا دیا گیا ہے۔

تو روح بہت ہی لطیف چیز ہے۔اس کا علم وہم وادراک میں آ ہی نہیں سکتا۔کسی کے بس کی بات نہیں کہ روح کی ان لطافتوں کو سمجھ سکے یا ان پر دستِ تصرف دراز کر سکے کہ جو اس کی حقیقتیں ہیں۔اب وہ لطیف ہے اور یہ بدن کثیف ہے۔کثیف بمعنیٰ material، کثیف بمعنیٰ گندہ نہیں۔کثیف کے بالعموم دو معنیٰ لوگوں کے ذہن میں ہوتے ہیں ایک گندہ کے معنی میں اور ایک مادی یا material کے معنی میں۔یہاں جب بھی ہم کثیف کا لفظ استعمال کریں گے تو ہم بمعنیٰ مادہ یا material کے استعمال کریں گے تو بدن ایک material، کثیف اور مادی چیز ہے۔اب ان دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ جس رشتے سے جوڑا گیا ہے، وہ نفس ہے یعنی یوں کہہ لیں، ایک ندی کے پار کا ایریا ہے، ایک ندی کے اس طرف کا area ہے۔دونوں کو ملانے کے لیے جو چیز بنتی ہے اسے کیا کہتے ہیں 'پل'۔اسی طریقے سے روح انسانی اور بدنِ انسانی یا جسمِ انسانی کو اگر کوئی چیز ملا رہی ہے تو وہ نفس کا پل ہے لہٰذا روح کے خصائص ادھر لانے کے لیے اور بدن کے خصائص ادھر لے جانے کے لیے یعنی روح کا

رابطہ جسم سے اور جسم کا رابطہ روح سے جوڑنے کے لیے نفس کا استعمال ہوتا ہے چونکہ ہم عالمِ خلق میں ہیں اور عالمِ خلق عالمِ کثیف ہے۔ عالمِ کثیف سے ہمارا immediate contact ہے ہمارا فوری رابطہ عالمِ خلق سے ہے لہٰذا عالمِ خلق کی لذتوں سے ہم بخوبی واقف ہیں تو لذت روح کی ہو یا جسم کی ہو یہ نفس کے ذریعے حاصل ہوتی ہے۔ لہٰذا ہمارا اس وقت کا موجودہ رابطہ نفس کا، عالمِ کثافت سے یعنی عالمِ خلق سے یعنی عالمِ بدن سے زیادہ ہے یہی وجہ ہے کہ نفس ادھر رابطہ زیادہ کرنے کی وجہ سے نفسِ امارہ بنا ہوا ہے۔ اب جب اس کا رابطہ ادھر زیادہ ہو جائے گا، درمیان میں ہے ناں، تو یہ لوامہ کہلائے گا۔ اب میں نے بارہا محافل میں آپ کی خدمت میں عرض کی ہے کہ لطیفۂ روحی میں کس چیز کی حقیقت کھلتی ہے، عناصر میں سے؛ آپ کو یاد ہونا چاہیے سبق اپنا؛ ہوا کی، عالمِ بادکی یعنی لطیفۂ روحی میں ہواؤں کی حقیقتیں کھلتی ہیں۔ جس کا جتنا لطیفۂ روحی قوی ہوگا ہواؤں کے تصرفات جو کائنات میں جاری ہیں اسے حاصل ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت سلیمانؑ سے بھی رابطے ہوئے ہیں لوگوں کے جنہوں نے لطیفۂ روحی پہ محنت کی ہے کیونکہ آپ کا تخت فضاؤں میں اڑتا تھا۔ جب لطیفہ سری پر عبور حاصل ہوگا تو پانیوں کی حقیقت کھلے گی جب لطیفۂ خفی پر عبور حاصل ہوگا تو آگ کی حقیقت کھلے گی اور جب لطیفۂ اخفاء پر control ہوگا تو مٹی کی حقیقت کھلے گی اور میں نے آپ سے ایک دفعہ پہلے بھی عرض کی تھی غالباً کہ خواجۂ خواجگان حضرت پیر نذیر احمد صاحب موہڑوی ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھے تین سال تک صرف مٹی کی حقیقت سمجھائی گئی یعنی حقیقتِ اخفاء میں رکھا گیا۔ اب رہ گئی بات قلب کی تو قلب میں نفس کی حقیقت کھلتی ہے یعنی روحی میں ہوا کی، سری میں پانی کی، خفی میں آگ کی، اخفاء میں مٹی کی حقیقتیں کھلتی ہیں لیکن رہ گیا قلب اب قلب میں جو حقیقت

کھلتی ہے وہ نفس کی حقیقت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت مجدد پاکؒ کے صاحبزادے تھے آپ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص لطیفۂ قلبی کے بعد براہِ راست لطیفۂ نفسی کر لے تو اس کے سارے مقامات طے ہو جاتے ہیں۔ عجیب وغریب بات ہے اور یہی وجہ یہ کہ آپ نے تقریباً پچاس ہزار افراد کو اس طریقے سے واصل کر دیا تھا۔ آپ کے پچاس ہزار خلفاء تھے لہٰذا یاد رکھیں کہ چوتھی چیز جو اس مسئلے میں recommend کروں گا وہ یہ ہے کہ جو ساتھی محسوس کرتے ہیں کہ ذکر میں ذرا سی کمی آ گئی ہے وہ قلبی اور نفسی کو ملا کر کریں۔ قلب، نفس۔ نفس، قلب۔ وہ لطیفۂ قلبی پر محنت کریں ساتھ ہی لطیفۂ نفسی پر محنت کریں اور جب دیکھیں کہ لطیفۂ نفسی قوی ہو کر دنیا کے امور میں عجیب وغریب سختیاں پیدا ہو رہی ہیں تو اس وقت آپ قلب کی طرف رجوع کر لیں۔ تو جتنا لطیفۂ نفسی لطیف ہو جائے گا قلب کے ذکر کی وجہ سے، لطیفۂ نفسی کو لطیف تر کرنے کے لیے قلب کا ذکر چاہیے۔ تو جب بھی محسوس کریں کہ رجوع الی الحق کم ہو رہا ہے تو آپ قلب کے ذکر پر محنت کریں اور اس کو ذکر نفسی کی طرف لانے کی کوشش کریں۔ انشاء اللہ العزیز اسی وقت دوبارہ کشائش شروع ہو جائے گی۔ میرا خیال ہے کہ پہلے سوال کا جواب کافی ہے، کافی تفصیل ہو چکی ہے۔

اب ایک دلچسپ سوال جو ہر دوست سے ہوتا ہے اور ویسے تو اس کا جواب یہی ہے کہ ہم ہنس کر ٹال دیں کہ **اِنَّھُم قَومٌ لا یعلَمُونَ ولا یَعقِلون** یعنی جس قوم کو علم ہی نہ ہو اور عقل ہی نہ ہو تو خاموش رہنا اس کا بہترین جواب ہے لیکن آپ کے اپنے اطمینان کے لیے، اپنی سمجھ کے لیے مختصراً ایک بات کہ اکثر نیا آنے والا ساتھی جب اس محفل کی کیفیات کو مشاہدہ کرتا ہے۔ کوئی ادھر تڑپ رہا ہے کوئی ادھر تڑپ رہا ہے۔ کوئی کس رنگ میں کوئی کس رنگ

میں چونکہ ہماری محفلِ پاک کی جو حضور ﷺ کی محفل ہے، کی کیفیات دوسری اکثر محافل سے مختلف ہیں بہت بلند و بالا ہیں۔ ہمیں اس پر فخر بھی ہے اور اللہ کی بارگاہ میں شکر بھی ادا کرتے ہیں کہ جو کیفیتیں لوگ زمانے میں تلاش کرتے پھرتے ہیں ہماری محفل میں ارزاں ہیں تو نئے آنے والے ساتھی کو گلہ ہوتا ہے یا بعض اوقات شبہ ہوتا ہے کہ شاید یہ کوئی ظاہری قسم کا تصرف یا کوئی جادوگری ہے یا کوئی ایسا کرتب ہے ڈھکوسلا ہے کہ جس سے لوگوں پر یہ کیفیت آجاتی ہے جس کو عام الفاظ میں شعبدہ بازی کہتے ہیں۔ شعبدہ باز پتا نہیں کیا کیا کر کے مخلوق کو ٹھگتے رہتے ہیں۔ ایک دوست نے آکر مجھے بتایا کہ ایک عالمِ دین تشریف لائے؛ نام نہیں لیتا میں کسی کی تضحیک یا توہین مراد نہیں ہے سمجھانا مراد ہے اور محفل کو دیکھنے کے بعد صرف اتنا تبصرہ کیا کہ یہ کوئی شعبدہ بازی لگتی ہے اور کچھ ہو نہ ہو لیکن نجانے کیوں ان کو یہ شعبدہ بازی نظر آئی۔ اگر ان سے شعبدہ بازی کی ڈیٹیل پوچھی جائے تو یقیناً نہیں دے سکیں گے لیکن بہر حال ہم نے ان سے بحث نہیں کرنی اپنے دوستوں کو بتانا ہے کہ جو شعبدہ ان کے ذہن میں ہے: اگر ان کے ذہن میں ہپناٹزم ہے تو ہم اس محفل میں ہپناٹزم سے توبہ کرتے ہیں۔ اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ مسمریزم ہے تو ہم اس محفل میں توبہ کرتے ہیں اور اگر ان کے نزدیک یہ کوئی ٹیلی پیتھی قسم کی چیز ہے تو ہم اس محفل میں توبہ کرتے ہیں۔ اگر یہ سب کچھ نہیں ہے تو آؤ! تم اسی محفل میں اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرو۔ یہ کیا ہے؟ یہ اللہ کی طرف لانے والی ایک کشش ہے۔ تم زمین کی کششِ ثقل کے قائل ہو۔ تم چلتی گاڑی کی کشش کے قائل ہو تم magnet کی کشش کے قائل ہو، تم electricity کی کشش کے قائل ہو، اللہ کے ذکر کی کشش کے قائل نہیں ہو، شعبدے باز تم ہو کہ ہم ہیں؟ ہر چیز کو مانو لیکن خدا کے ذکر کو نہ مانو سوچنے کی بات ہے ناں یعنی planatory system میں

ستاروں کی گردش اوراس کے اندر ہونے والی کشش کے قائل ہو،بجلی کی کشش کے قائل ہو،چلتی گاڑی یا کسی بھیmobileچیز کی کشش کے قائل اور اگر منکر ہیں تو اللہ کے ذکر کی کشش کے،شعبدے بازتم ہوکہ ہم ہیں۔اگر یہ اللہ کے ذکر کے علاوہ کوئی بھی اور چیز ہےتو ہم اسی محفل میں توبہ کرتے ہیں اوراگر یہ اللہ کا ذکر ہےتو آیئے! آپ بھی توبہ کیجئے۔یہ محفل توبہ ہے محفلِ ذکر وفکر ہے۔اللہ کی طرف لانے والی محفل ہے،خدا کی طرف پہنچانے والی محفل ہے۔اب اس محفل میں ہوتا کیا ہے۔یہ بات بھی بتادوں۔

یادرکھیں! ہمارے سلسلے کے میرِ کارواں حضرت شیخ مجدّد رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔آپ فرماتے ہیں کہ دوقسم کے لوگ ہوتے ہیں ایک جذبہ والے ایک سلوک والے۔جذبہ کیا ہے؟ آج تھوڑی سے تشریح اس کی کردوں۔جذبہ یہ ہے کہ ہماری روح کے وہ پانچ لطائف،قلب؛ قلبِ نوری،قلب دو ہیں-ایک قلبِ نوری اور ایک قلبِ صنوبری۔قلبِ صنوبری ناف کو کہتے ہیں یہ بھی ایک لطیفہ ہےاور انتہائی قوی لطیفہ ہےاور قلبِ نوری یہ جوہم پہلا سبق دیتے ہیں؛ قلبِ نوری،روحی،سرّی،خفی اور اخفاء۔یہ جو پانچ لطائف اللہ کریم نے ہمارے سینے میں رکھے ہیں ان کا تعلق عرش سےاوپر ہے۔عرش سے نیچے کیا ہے؟ عالمِ خلق ہے۔آپ جانتے ہیں تفصیل سے دہرااس لیے رہاہوں کہ سبق اچھی طرح یادہوجائے توان کے اصول! اصول جمع ہے اصل کی۔ان کے اصل عالمِ امر میں ہیں جوعرش سےاوپر ہے۔ **كُلُّ شَيْءٍ يَرْجِعُ إِلَىٰ أَصْلِهِ** کہ ہر چیز اپنے اصل کی طرف لوٹ کے جاتی ہے۔جب ہم اللہ کا ذکر کراتے ہیں تو یہ لطیفے جب منور ہو جاتے ہیں تو یہ لوٹتے ہیں اپنی اصل کی طرف۔عرش سےاوپر جو پہلا مقام ہے وہ ہے قلب کا۔اس سے بلند مقام روح کا ہےاس

سے بلند مقامِ سِر کا ہے اس سے بلند خفی کا اور اس سے بلند اخفاء کا اور ہر لطیفے کے درمیان دس ہزار سال کی راہ ہے۔ حضرت مجدد پاکؒ فرماتے ہیں کہ ستر ہزار سال کا رستہ ہے سات لطائف کو عبور کرنے میں اور اگر عارف کامل چاہے جس طرح اقبالؒ فرماتے ہیں کہ

دمِ عارف نسیمِ صبح دم ہے
اسی سے ریشۂ معنی میں نم ہے
اگر کوئی شعیب آئے میسر
تو شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

اگر کوئی عارف چاہے تو ایک ہی لمحے میں سارے مقامات طے کر سکتا ہے۔ تو یہ عرض کر رہا تھا کہ ہمارے یہ لطائف جو ہمارے جسمِ عنصری میں رکھے گئے ہیں۔ یہ ان کے مؤرد ہائے فیض ہیں۔ مورد کی جمع ہے موارد۔ موارد فیض۔ مورد کہتے ہیں اس جگہ کو جہاں کوئی ورود کرے، اسم ظرف مکان ہے۔ موارِدِ فیض جسمِ عنصری میں سینے کے اندر ہیں۔ فیض آتا ہے اصول لطائف سے، مبادیٔ لطائف سے۔ مبادی جمع ہے مبداء کی۔ مبداء کہتے ہیں جہاں سے کسی چیز کی ابتداء ہوتی ہو۔ تو مبادیٔ لطائف عالمِ امر میں ہیں۔ موارِدِ لطائف جسمِ عنصری میں ہیں۔ اب جب وہاں سے فیض آتا ہے تو یہ پھر اس فیض کے ساتھ اوپر پرواز کرتے ہیں۔ جس طرح وزن والی چیز ہو اب یہاں ایک قانون سیکھیں کہ مادی چیز نیچے کی طرف زور لگاتی ہے اور روحی چیز اوپر کی طرف زور لگاتی ہے یوں کہہ لیں کہ عالمِ امر والی چیزیں اوپر کی طرف کو دوڑتی ہیں اور عالمِ خلق والی چیزیں نیچے کو دوڑتی ہیں۔ اب جب موارِدِ لطائف فیض میں پہنچتا ہے مبادیٔ لطائف سے یعنی عالمِ امر سے، اصول سے تو وہ فیض جاری ہونے کے نتیجے میں لطائف

اوپر کی طرف پرواز کرتے ہیں۔ جب لطیفہ اوپر کو پرواز کرتا ہے بدن نیچے کو کھینچتا ہے تو یہ کھینچا تانی شروع ہوگئی نا۔ اس کھینچا تانی کا نام جذب ہے۔ بات سمجھیں۔ لطائف کہتے ہیں اس جسم کو لے کر اڑ جائیں۔ جسم کہتا ہے نہیں مجھے ابھی اس جگہ پر رہنا ہے کیونکہ ابھی میرا وقت جانے کا نہیں آیا۔ جسم نیچے کھینچتا ہے لطائف اوپر کھینچتے ہیں اس کا نام جذب ہے۔ پتا نہیں لوگوں کو یہ شعبدہ بازی کیوں نظر آئی۔ تو یہ ہے جذب کی حقیقت۔ جب کوئی ساتھی نہ سمجھنے والا سوال کرے کہ کیا یہ کوئی شعبدہ بازی ہے؟ تو آپ اس سے کہیں کہ جو شعبدہ بازی تم سمجھتے ہو ہم اس سے یہیں توبہ کرتے ہیں اور اگر یہ اللہ کا ذکر ہے تو آیئے آپ توبہ کیجئے ظلمتِ دنیا سے، گناہ سے، نفسانیت سے، ان ساری چیزوں سے توبہ کیجئے اور پھر دیکھئے اللہ کی طرف عروج نہ ملے تو گلہ کیجئے کیونکہ یہ وہ جگہ ہے کہ **هُم قومٌ لا یسقٰی جَلِیسُ هُم** کہ نبی پاک ﷺ کے غلام جہاں بیٹھتے ہیں ان کا جلیس کبھی بدنصیب ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلاموں کے ساتھ بیٹھنے والے لوگ ہیں۔ اس لیے حضور ﷺ کا یہ وعدہ ہمارے ساتھ قائم ہے اور قائم رہے گا۔ انشاء اللہ۔

وما علینا الا البلاغ المبین

اعمالِ ابرار اور اعمالِ مقربین

جب کوئی سالک ہم سے ذکر لیتے ہیں تو یہ سوال کرتے ہیں کہ جب ہم لطائف کر رہے ہوں تو کوئی اور ذکر کرنا چاہئے یا نہیں؟ یہاں ایک بات یاد رکھئے کہ ہمارے ہاں جو سلاسلِ طریقت ہیں مثلاً زیادہ ہمارے ہاں نقشبندیہ شریف ہے، چشتیہ شریف، قادریہ شریف ہے اور سہروردیہ شریف ہے۔ آگے نقشبندیہ شریف کی تھوڑی تھوڑی branching ہے۔ چشتیہ شریف کی آگے دو main branches ہیں۔ ایک نظامیہ چشتیہ ہے، ایک صابریہ چشتیہ ہے۔ اسی طریقے سے قادریہ شریف میں قادریہ قلندریہ ہے یا قادریہ سروریہ ہیں یا قادریہ نوشاہیہ ہیں تو یہ سلاسل کی آگے مزید تھوڑی تھوڑی تقسیم ہے لیکن بنیاد ایک ہی ہے۔ یہ جو سلاسلِ طریقت ہیں: سلاسل جمع ہے سلسلہ کی، سلسلہ سے مراد ہے کور، جیسے ہم کورس کہتے ہیں تو ان کے جو نصاب ہیں وہ مقرر ہیں۔ نقشبندیہ شریف کا نصاب مقرر ہے چشتیہ شریف کا نصاب مقرر ہے۔ ان سلاسل کے مطابق جب کسی سالک کی تربیت شروع ہوتی ہے تو اگر تربیت کرنے والا اپنے سلسلے کے اسباق سے واقف ہے تو ادھر اُدھر ہٹنے نہیں دے گا یعنی اگر کسی سے کہا جائے کہ آپ نے اسلامک سٹڈیز میں ایم اے کرنا ہے یا اکنامکس میں ایم اے کرنا ہے یا پولیٹیکل سائنس میں کرنا ہے تو اس کو پہلے syllabus یونیورسٹی کا جو publish ہوتا ہے دیا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا کہ میاں! یہ سلیبس دیکھ لو اتنے papers ہوں گے۔ پیپرز کی division یوں یوں ہوگی اور اس میں فلاں فلاں پورشن کے اتنے اتنے نمبر ہوں گے۔ اسی طریقے سے ان سلاسل اربعہ کے اولیائے کرام جو اپنے اپنے سلسلے کے نصاب سے واقف ہیں

وہ جب اپنے سالک کی تربیت شروع کرتے ہیں تو ان کے سامنے اس کا نصاب متعین و
موجود ہوتا ہے لیکن ہمارے ہاں بدقسمتی سے کچھ عجیب کھچڑی بنی ہوئی ہے مثلاً ہمارے ہاں ایک
بہت بڑی جماعت ملتی ہے اور لاؤڈ اسپیکروں پر اعلان ہوتے ہیں کہ چلو قلب جاری کراؤ وہ
لطائف کے نام واہ واہ رٹے ہوتے ہیں قلب، روح، سِر، خفی تو دعویٰ قادریت کا، سبق نقشبندیہ
کے۔ ایک دفعہ ان کی محفل میں میں چلا گیا تو میں حیران کہ سبق نقشبندیہ شریف کے کرائے
جا رہے ہیں، دعویٰ قادریت کا ہو رہا ہے۔ میں نے محفل کے فوری بعد جو محفل کے
convener تھے ان سے سوال کیا، جناب! آپ کا دعویٰ قادریت اسباق کا ہے اور طریقہ
آپ کا نقشبندی اسباق کا ہے یہ تضاد کیوں ہے؟ یا تو آپ قادریہ شریف کہہ کر قادریہ کرائیں یا
نقشبندیہ شریف کہہ کر نقشبندیہ کرائیں۔ تو انہوں نے کہا کہ جناب ہمیں تو جو حکم ملا ہے ہم وہی
کر رہے ہیں ہمارے پیر صاحب پتا نہیں کہاں سے آئیں گے تو یہ سوال آپ ان سے کر
لیں۔ اب نہ پیر صاحب آئیں اور نہ ہم ان سے سوال کریں۔

تا تریاق از ہرات آوردہ شود
مار گزیدہ مردہ شود

بنیادی بات یہ ہے کہ نصاب مقرر ہیں۔ اب ہمارے ہاں لوگ کیا کرتے ہیں۔ کچھ
لوگوں نے قرآنِ عظیم کی سورتوں کے چلے کاٹے ہوئے ہیں مثلاً کسی نے سورۂ کہف کا چلا کاٹا
ہوا ہے اور پیر بنا بیٹھا ہے کسی نے سورۂ یٰسین شریف کا چلا کاٹا ہوا ہے اور پیر بنا بیٹھا ہے۔ کسی
نے مزمل شریف کا چلا کاٹا ہوا ہے اور پیر بنا بیٹھا ہے۔ کوئی قل ھو اللہ شریف اور الحمد شریف کا
عامل ہے، پیر بنا بیٹھا ہے، کوئی لا الہ الا انت سبحنک انی کنت من الظلمین کا

عامل ہے،کوئی حسبنا اللہ نعم الوکیل کا عامل ہے،کوئی ایک آیت کا،کوئی ایک سورت کا عامل ہے اور پیر بنا بیٹھا ہے۔عامل ایک سورت کا اور دعویٰ نقشبندی ہونے کا، عامل ایک آیت کا دعویٰ قادری ہونے کا اور اگر پوچھا جائے؛ یہ میں کسی کے خلاف نہیں بول رہا ہوں، یہ یاد رکھیے میں کسی کے خلاف نہیں بول رہا ہوں، بتا رہا ہوں کہ ہمارے ہاں نظامِ تصوف میں خامیاں کیا کیا ہیں اوران کا علاج کیا ہے۔اللہ تعالیٰ کسی کی غیبت کی توفیق نہ بخشے۔میں آپ کو بتا رہا ہوں کہاں کہاں ٹھوکر لگتی ہے سالک کو۔سوال بنیادی قائم ہے سوال یہ ہے کہ جب ہم لطائف کریں تو کیا باقی ذکر چھوڑ دیں؟

اب لوگ ایک ایک سورت کے عامل ہیں یا بعض ایسے بھی ہیں جو قرآنِ عظیم کا ایک نقش ہے اس کو سوا لاکھ مرتبہ لکھنے کو بیٹھ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں پورے قرآن کا عامل ہوں کوئی نقش کا عامل ہو،کوئی سورت کا عامل ہو،کوئی آیت کا عامل،کوئی بسم اللہ شریف کا عامل۔اس طریقے سے لوگ ایک آیت یا سورت کا تصرف حاصل کر کے چونکہ رجوعِ خلق تو ہوتا ہے۔اگر کسی کو رزق کی پریشانی ہے تو سورۂ واقعہ شریف پڑھے اس کے رزق کے مسائل حل ہو جائیں گے۔اگر کسی کو اقتدار چاہیے،مرتبہ چاہیے تو سورۂ مزمل شریف پڑھے اس کا کام ہو جائے گا۔ اگر کسی کو حلِ مسائل دنیا چاہیے تو سورۂ یٰسین شریف پڑھے اس کے سارے مسائل حل ہو جائیں گے سورۂ فاتحہ ہر چیز کی چابی ہے اور بسم اللہ شریف سورۂ فاتحہ کی چابی ہے۔قرآن پاک کا دل سورۂ یٰسین ہے اور اس کا دل سلامٌ قولاً من ربِ الرحیم اور اس کا دل اسمِ سلام ہے تو ایک ایک نقطہ لے کر لوگ اس کے عامل بن کر دعویٰ تصوف کے سلاسل میں اختصاص کا کر لیتے ہیں۔ یہ وہ پہلا مقام ہے کہ جب کسی کے پاس جائیں تو دیکھیں کہ یہ علمِ سلوک رکھتا ہے یا

نہیں۔ اگر علم سلوک نہیں رکھتا صرف سورتوں کا عامل ہے آیتوں کا عامل ہے تو اسے کہیں جناب آپ عامل ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو یہ عمل مبارک کرے لیکن آپ کاملین کی راہ پر چلنے والے لوگ نہیں ہیں۔ آپ کی ساری عبادت یا مخلوق کو اکٹھا کرنے کے لیے ہے یا روٹیاں کمانے کے لیے ہے۔ جس طرح میاں صاحب فرماتے ہیں آپ اکثر و بیشتر فرمایا کرتے تھے کہ

شام صباحیں روٹی دھندا بن لوڑے بن منگے

روٹیاں کارن سجدے کرنے نئیں سانوں چنگے

ایک یہ مقام ہے۔ دوسری قسم کے لوگ ہمیں ملتے ہیں جن کو شوق ہوتا ہے موکل کو قابو کرنے کا چونکہ قرآنِ عظیم کی ہر آیت پر موٴکلات ہیں، ہر سورت پر موٴکلات ہیں، ہر ہر حرف پر موٴکلات ہیں۔ اب مثلاً سورۂ مزمل شریف ایک سورت پاک کے اوپر ساٹھ موکلات موجود ہیں۔ جو کوئی یہ سورت پڑھتا ہے اللہ پاک اسے ساٹھ موٴکلات کی مدد عطاء کرتا ہے اور ہر موٴکل کے تحت ساٹھ ساٹھ ہزار موکلات موجود ہیں۔ سورۂ الحمد شریف ہے اس کے اکیس موکلات ہیں۔ اسی طریقے سے سورۂ اخلاص ہے چار موکل ہیں۔ جن میں سے ایک کا نام عبداللہ ہے ایک کا نام عبدالاحد ہے ایک کا نام عبدالصمد ہے ایک کا نام عبدالرحمٰن ہے ہم آپ کو نام بھی بتا سکتے ہیں۔

اسی طریقے سے اللہ رب العزت کے ہر اسم کے موکل ہیں ایک ایک اسم کے تحت ستر ستر ہزار موکل ہیں۔ یہ قرآن کا اعجاز ہے تو لوگ موکل قابو کرنے کے لیے چلے کاٹ لیتے ہیں اور اس چلے کاٹنے کے نتیجے میں کوئی ایک آدھ موکل قابو کر لیا اور پھر کیا پیر بن بیٹھے، موکل آ گیا لوگوں کے مسائل حل ہونا شروع ہوئے اور جناب پیر بن بیٹھے۔

تیسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو اپنے جسمِ مثالی یعنی ہمزاد کو قابو کر لیتے ہیں۔ ہر انسان کے ساتھ اس کا ایک قرین پیدا ہوتا ہے لوگ اس کو قابو کر لیتے ہیں اور اس کو قابو کرنے کے ہزاروں طریقے عاملین نے لکھے ہیں یہ تیسرا گروہ ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک چوتھا گروہ بھی ہے کہ جو ایک لقمہ نقشبندیہ سے اٹھایا، ایک قادریہ سے اٹھایا، ایک سہروردیہ سے اٹھایا اور ایک کھچڑی سی بنا کر ایک ملغوبہ سا بنا لیا اور کہا جی ہمارا یہ نصابِ طریقت ہے۔ یہ چار پانچ قسم کے لوگ کیا کرتے ہیں اندھا دھند دوستوں کو وظیفے دیے جاتے ہیں تو اس طرح کے بہت سے لوگ پائے جاتے ہیں۔ ایک طبقہ جنات کو قابو کرنے والوں کا ہے جو جن قابو کر کے ان سے کام لیتے ہیں۔ یہ سارے کے سارے عامل ہیں، کامل ان میں سے کوئی بھی نہیں! یہ وظیفے دیے جاتے ہیں، سورتیں پڑھائے جاتے ہیں، اسماء پڑھائے جاتے ہیں۔ موکل کو قابو کرنے کے اعمال کرائے جاتے ہیں۔ ہمزاد قابو کرنے کے اعمال کرائے جاتے ہیں۔ جنات قابو کرنے کے اعمال کرائے جاتے ہیں اور سالک جب علمِ سلوک کی طرف رجوع کرتا ہے تو اس کو سب سے پہلے ان چیزوں سے جان چھڑانی ہوتی ہے۔ کیا کہہ رہا ہوں! جان چھڑانی ہوتی ہے ان چیزوں سے بچ کر نکلنا ہوتا ہے۔

گزشتہ محفل میں جو سوال زیرِ غور تھا وہ یہ تھا کہ بعض سالک ساتھی ذکرِ خفی یا پہلا ذکر جب لیتے ہیں تو فوراً یہ سوال کرتے ہیں کہ کیا دوسرے وظائف جو ہم پڑھ رہے ہیں وہ جاری رکھیں یا نہ رکھیں تو اس ضمن میں آپ کو یہ سمجھانے کی کوشش کی جا رہی تھی کہ ذکرِ قلبی دینے والا کون ہے اور دوسرے ذکر بتانے والے کون تھے۔ تو پہلی اور بنیادی بات تو یہی سوچنے کی ہے کہ جو معیار ذکر دینے والے کا ہوگا وہی معیار تاثیرِ ذکر میں بھی ہوگا اور دوسری بات جو آپ کو سمجھانے کی

کوشش کی تھی وہ یہ تھی کہ ذکر خفی یعنی ذکرِ اللہ لطائف کے ساتھ یہ کرنے والے عاشقانِ خدا ہوتے ہیں یا محبوبانِ خدا ہوتے ہیں لیکن دوسرے وظائف بتانے والے لوگ اکثر طالبِ دنیا دیکھے گئے ہیں۔ اس دن کی گفتگو یاد ہوگی ناں آپ کو یقیناً مثلاً اگر کسی نے کہا کہ آپ چالیس دن کا وظیفہ کائیں تو آپ کو اتنی دولت مل جائے گی تو اس نے آپ کو عالمِ خلق میں ہی رکھا ناں۔ اگر کوئی کہے گا کہ فلاں وظیفہ اتنا عرصہ آپ پڑھیں گے تو آپ کی بیوی راضی ہو جائے گی، آپ کے دوست آپ سے محبت کریں گے، آپ مقدمہ جیت جائیں گے یا لوگ آپ کے گرد جمع ہو جائیں گے اور آپ کے ہاں ماننے والوں کی کثرت ہو جائے گی تو اس شخص نے جس نے اس طرح کے وظیفے بتائے تو اس نے آپ کو عالمِ خلق میں رکھا اور طالبِ دنیا رکھا جبکہ ہمارے ہاں مختلف بات ہے ہم یہ چاہتے ہیں کہ کیوں نہ انسان ایک ایسے دروازے کو تلاش کر لے کہ جس پر جانے کے بعد دردر ٹھوکریں کھانے کی ضرورت ہی نہ رہے، کیوں نہ ہم کائنات کی ان حقیقتوں کو تلاش کر لیں جہاں سے وہ آ رہی ہیں تو ہمارے بزرگان دین اسی وجہ سے زور دیتے ہیں ذکرِ خفی پر۔

اب یہاں جو سمجھنے کی بات ہے وہ یہ ہے کہ اس دن بھی بتایا گیا تھا ہر وظیفے پر موکلات ہوتے ہیں اور موکل کہتے ہیں وکیل کرنے والے کو، توکیل سے ہے بابِ تفعیل سے مؤکل اور جو وکیل کیا جاتا ہے اس کو موکَّل کہتے ہیں یعنی تلفظاتی اعتبار سے۔ ہمارے ہاں موکل اور موکل کا فرق بھی اکثر۔۔۔ جس طرح کسی نے پوچھا کہ آپ کیا ہیں تو جواب ملا liar تو liar جھوٹے کو کہتے ہیں لفظ کیا ہے law-lawyer، لا نہیں بہر حال یہ ایک ضمنی بات تھی؛ بتانا یہ مقصود ہے کہ موکل اس فرشتے کو کہتے ہیں جو کسی آیت پر یا کسی وظیفے پر کسی اسم الٰہی پر ڈیوٹی دینے کے لیے مقرر کیا گیا۔ جب کوئی شخص وہ آیت پڑھتا ہے یا وہ اسم پڑھتا ہے یا وہ وظیفہ

پڑھتا ہے تو وہ فرشتہ اس کے اوپر ڈیوٹی دیتا ہے اور اس کے مسئلے حل کرتا ہے۔ اس طرح کے موکلات، مدبراتِ امر میں سے ہیں۔ اب یہ موکلات چونکہ مخلوقات میں سے ہیں اور فرشتوں کی دنیا سے آتے ہیں لہٰذا ان کا عالمِ وجود سے براہ راست کوئی رابطہ نہیں۔ کیا کہہ رہا ہوں! ایک ہوتا ہے عالمِ وجود ایک ہوتا ہے عالمِ امکان۔ یاد ہے نا سبق اپنا۔ تو یہ سارے عوالم امکان کی باتیں ہیں۔ عالمِ وجود سے براہِ راست ان کا کوئی رابطہ نہیں۔ صفاتِ الٰہیہ اور شیونات اور ذات اور اعتبارات کا تعلق عالمِ وجود سے ہے۔ ہمارے ہاں جو تصور ہے جو نظریہ ہے جو practice ہے، جو مشاہدہ ہے وہ یہ ہے کہ ذاکرِ خدا کا جس کے لطائف ذاکر ہو جاتے ہیں اس کا رابطہ عالمِ وجود سے قائم ہو جاتا ہے۔ جہاں فرشتہ پر نہیں مار سکتا۔ عامل خواہ وہ جنات کا ہو جنات کا ہوگا تو اسی دنیا میں، جنات اوپر جا ہی نہیں سکتے۔ ہمزاد کا ہو اسی دنیا کا ہوا اور خواہ وہ ملائکہ کا ہو عالمِ امکان کا ہو لیکن ہمارے ہاں جو چیز رائج ہے اور جو مشاہداتی طور پر حق حق اور برحق ثابت ہو چکی ہے وہ یہ ہے کہ عالمِ امکان سے گزر کر خدا کا ذاکر عالمِ وجود کے مزے لیتا ہے۔ اب جب کوئی شخص پہلے پانچ لطائف کہ جن کا تعلق عالمِ امر سے ہے جب ان لطائف کا ذکر کرے گا اور ساتھ دوسرے ذکر بھی کرے گا تو چاہیئے تو یہ ناں کہ اس کا رابطہ عالمِ امر سے جڑے اور عالمِ امر سے پھر آگے عالمِ وجود سے لیکن جب وہ عامل ہو جائے گا کسی اور چیز کا مثلاً ادھر وظائف بھی کر رہا ہے اور ادھر ساتھ ہی کوئی جلالی وظیفہ بھی کر رہا ہے فرض کریں الم ترکیف کا عمل کر رہا ہے، جو جلالی قسم کی سورت ہے۔ اتنی جلالی ہے کہ اگر آپ الم ترکیف کسی مٹی پر پڑھ کر زمین پر پھینک دیں تو زمین پھٹ جاتی ہے یا ایسی جمالی سورت پڑھ رہا ہے کہ جس کے تجلیاتِ جمال بہت زیادہ ہیں اور وہ جمالیات میں گم ہو رہا ہے۔ سورۂ یٰسین شریف لے لیں یا سورۂ مزمل شریف

لے لیں کہ جس کو اگر پڑھا جائے تو فتوحاتِ دنیا بہت ہوتی ہیں۔تو یہ جلالی یا جمالی وظائف کا پڑھنا وقتی طور پر اسے عالمِ خلق میں اتنا گم کر دیتا ہے کہ اس کو عالمِ امر کی ہوش نہیں رہتی۔ جب اس کی توجہ عالمِ امر سے ہٹ گئی تو ظاہر ہے اس کی پرواز میں فرق آئے گا۔تو جو ہمارے مشائخ نے فرمایا ہے کہ جب تک عالمِ امر کے پہلے پانچ لطائف مکمل نہ ہوں اس وقت تک باقی تمام وظائف روک دیے جائیں کیوں کہ باقی سارے وظائف ذکرِ اسمِ ذات اور ذکرِ کلمہ طیبہ شریف سے نیچے نیچے ہیں۔ان سے افضل کوئی ذکر نہیں ہے اور عالمِ وجود تک لے جانے والے اور ان بلند مقامات تک پہنچانے والے یہی دو ذکر ہیں!

اب یہاں ایک واقعہ سن لیں۔آج کی گفتگو میں تھوڑی سی لمبی کر رہا ہوں کیونکہ آج کی گفتگو بڑی اہم ہے۔حضرت مجدد پاکؒ کے دور کی بات ہے کہ ایک لڑکی کو ایک جن نے تنگ کرنا شروع کر دیا اور جن سارے قرآن کا عامل تھا۔کوئی ایک سورت کا عامل ہوتا ہے کوئی دو کا،کوئی چار کا،وہ پوری کی پوری ایک سو چودہ سورتوں کا عامل تھا۔اب ایک سو چودہ سورتوں کے عامل جن کو کون مات کرے۔کوئی سورۂ جن کا عامل گیا تو اس نے رگڑا لگا دیا۔کوئی سورۂ یٰسین کا عامل گیا تو اس کو رگڑ دیا۔کوئی مزمل شریف کا عامل گیا تو اس کو رگڑ دیا۔حضرت مجدد پاکؒ کے خلیفہ تھے،وہ بارہ سورتوں کے عامل تھے،وہ تشریف لے گئے،انہوں نے کہا میں کوشش کرتا ہوں۔جن نے دور سے دیکھا تو ہنس پڑا کہتا ہے'بارہ سورتوں کا عامل ایک سو چودہ سورتوں کے عامل سے مقابلہ کرنے آیا ہے'۔بہر حال صاحبِ نسبت تھے کہنے لگے'تو مقابلہ کر کے تو دیکھ'۔ جن نے کہا کہ یاد رکھ اگر تو ہار گیا تو میں تمہیں مار دوں گا۔انہوں نے کہا،"منظور ہے میں مجدد پاک کا غلام ہوں لیکن ایک شرط ہے کہ اگر تو مجھے مارے تو میرے پیرو مرشد کے سامنے مارے"

اس نے کہا، ''ٹھیک ہے''۔ بہر حال مقابلہ ہوا جن جیت گیا اور وعدے کے مطابق مارنے لگا تو انہوں نے کہا کہ جناب میں نے کہا تھا کہ میرے پیر و مرشد کے سامنے مارنا ہے۔ جن نے کہا چلو تمہارے پیر و مرشد کے پاس چلتے ہیں۔ چلے گئے حضرت مجددؒ کے پاس۔ حضرت مجدد پاکؒ کی یہ عادت شریف ہوا کرتی تھی کہ عصر کی نماز بستی سے باہر ایک چھوٹی سی مسجد میں تنہا پڑھا کرتے تھے اور اس وقت ابدالوں اور قطبوں کو درس دیا کرتے تھے۔ یہ سارے وہاں پہنچے عرض کی گئی حضور! یہ مسئلہ ہے اور جن مجھے مارنا چاہتا ہے تو میں نے کہا میرے پیر کے سامنے مار۔ حضرت مجدد پاکؒ نے اس جن کو طلب کیا اور کہا کہ تو بھی مسلمان ہے۔ لڑکی بھی مسلمان ہے۔ جس سے تو جنگ کر رہا ہے یہ بھی مسلمان ہے۔ اگر اس بیچارے نے وعدہ کر ہی لیا تھا تو تو معاف کر دے۔ جن کہتا ہے جی نہیں! اس نے کہا تھا کہ میں ہار گیا تو مجھے مرنا منظور ہے اب میں اسے ماروں گا۔ حضرت مجددؒ نے فرمایا 'بھئی مسلمان ہو، قرآنِ عظیم کے عامل ہو۔ قرآن تو کہتا ہے کہ **وَاَن تعفُو خیرٌ لکم** کہ اگر معاف کر دو تو تمہارے لیے بہتر ہے'۔ دیکھیں مجددؒ صاحب اشارہ فرما رہے ہیں 'تمہارے لیے بہتر ہے'۔ آخر بگڑی ہوئی مخلوق تھی نہ سمجھا بہتیرا سمجھایا نہ سمجھا تو آپ نے صرف ایک مرتبہ فرمایا اچھا کہ اب نہیں مانتا تو مار لے۔ اب جن نے جو اپنا عملیاتی وار کرنا چاہا تو حضرت مجدد پاکؒ نے صرف ایک بار فرما دیا، لا الہ الا اللہ اور صاحبانِ روحانیت نے مشاہدہ کیا کہ اس کی بائیس پشتیں غرق ہو گئیں۔ اس وقت شہنشاہِ جنات لپک کر حضرت کی بارگاہ میں پہنچے اور فرمایا کہ حضور پورے عالمِ جنات میں تہلکہ مچ گیا ہے اور پورا عالمِ جنات حضور کے قدموں میں ہے خدا کے لیے ہمیں معاف کر دیں۔ ہم پورا عالمِ جنات حضور کے قدموں سے لپٹ کر معافی مانگتے ہیں اور اس بدبخت کی بدتمیزی سے تائب ہیں اور ہم

معافی مانگتے ہیں تو اس وقت حضرت نے فرمایا کہ ٹھیک ہے باقیوں کو تو معاف کرتے ہیں لیکن اب یہ زندہ نہیں رہے گا کیونکہ اس نے اپنی عاملیت دکھانا چاہی ہے۔ اس نے حضرت مجدّد پاکؒ کے سامنے آ کر ہنس کر کہا تھا کہ دیکھیں مرید تو بارہ سورتوں کا عامل ہے اور پیر ایک سورت کا بھی عامل نہیں ہے تو حضرت مجدد پاکؒ فرمایا کرتے تھے کہ ہماری منزل اسم نہیں ہے، ہماری منزل مسمّٰی ہے۔ اسم والے تک پہنچنا ہے اور ہمارے ہاں دو دو چار چار دن کی چلیّاں کوئی نہیں ہیں۔ چلہ کاٹ لوتا کہ مائی جی راضی ہو جائیں، چلہ کاٹ لوتا کہ افسر راضی ہو جائیں۔ نہیں! حضرت مجدد پاکؒ نے فرمایا کہ ہمارا ساری زندگی کا چلہ ہے اور وہ ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غلامی۔

لا و رب العرش جس کو جو ملا ان سے ملا
بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی

آج تک جس کو جو مقام ملا حضور ﷺ کی غلامی سے ملا۔ حضور ﷺ کی ایک ایک سنّت سے اتنا بڑا مقام مل جاتا ہے جو کسی اور چیز سے نہیں ملتا۔ اب سوال یہ ہے کہ ایک شخص راہِ ولایت پر چل رہا ہے ذکرِ خفی اور ذکرِ نفی اثبات کر رہا ہے اور اس کو جو مقام ملتا ہے وہ ہوتا ہے مقامِ مقربین، وہ مقرب بن جاتا ہے۔ اب کیا وہ لوگ جو صرف ذکر کرتے ہیں وہ محروم ہیں؟ نہیں! ہمارے ہاں ان کے لیے بھی محرومی نہیں ہے۔ اللہ پاک کے اس نظام کے ہاں۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ میں اتنی مرتبہ یٰسین شریف روزانہ پڑھتا ہوں۔ اتنی مرتبہ یا حیُّ یا قیوم پڑھتا ہوں اتنی مرتبہ یا منان و یا لطیف پڑھتا ہوں۔ اتنی مرتبہ یا حنّان و یا منان پڑھتا ہوں، اتنی مرتبہ یا جواد یا کریم پڑھتا ہوں، اتنی مرتبہ سورۂ جن پڑھتا ہوں، اتنی مرتبہ سورۂ واقعہ پڑھتا ہوں، اتنی

مرتبہ سورۃ رحمٰن پڑھتا ہوں۔اب کیا وہ شخص محروم ہے؟ نہیں! ہمارے ہاں تصور یہ ہے اسلام میں کہ جو شخص رب کی جتنی عبادت کرتا ہے اس کے مطابق اس کا ایمان مستحکم ہوجاتا ہے اور یہ لوگ ابرار کہلاتے ہیں۔

اب تین قسم کے لوگ ہو گئے ۔ایک عام مسلمان مجھ جیسے گنہگار، دوسرے ابرار جو نیک لوگ ہیں، عبادت کرتے ہیں، ذکر کرتے ہیں، وظیفے پڑھتے ہیں اوران کے نامۂ اعمال میں ثواب لکھا جاتا ہے۔کہیں یہ نہ سمجھیں کہ جس نے پانچ لطائف کے دوران کوئی اور ذکر کیا تو اس کو ثواب نہیں ملے گا۔ثواب اس کو ملے گا اور اس کا شمار ابرار میں ہوگا۔ہم جو بات کررہے ہیں وہ مقربین کی بات کررہے ہیں۔حَسَناتُ العَوامِ سَیِّئاتُ الاَبرار ۔عوام کی نیکیاں ابرار کے گناہ ہوتے ہیں یعنی عوام نے جو کام کیا وہ الٹا سیدھا جیسے ہوا کرلیا لیکن ابرار کی سطح پر وہ گناہ کی طرح ہوجاتے ہیں۔

حَسناتُ الاَبرَارِ سیّئات المُقربِین

اور جب مقربین کے ہاں ابرار کی نیکیاں دیکھی جاتی ہیں تو مقربین کہتے ہیں یار! تم ٹھیک ہے آدمی ہو گے بڑے لیکن ہمارے ہاں تمہاری کوئی value نہیں یعنی مقربین کے ہاں ابرار کی کوئی value نہیں اور ابرار کے ہاں عوام کی کوئی value نہیں۔

اب پہلے پانچ لطائف کے دوران؛ بعض اوقات بڑا مسئلہ بن جاتا ہے اگر کسی سالک سے کہیں کہ فلاں وظیفہ چھوڑ دو تو وہ ناراض ہو جاتا ہے؛ تو یاد رکھیں پہلے پانچ لطائف کے دوران اور کوئی ذکر کرنا اعمالِ ابرار میں سے ہے جبکہ ہم جانتے ہیں اعمال مقربین کی حیثیت۔ان آنے والے وقت میں چند دنوں میں رمضان شریف آرہا ہے۔اب

رمضان شریف میں کیا ہوتا ہے کہ مجھ جیسے گنہگار لوگ کوشش کیا کرتے ہیں کچھ قرآن پڑھ لیا کچھ اور کوئی وظیفہ کرلیا بسم اللہ کا چلہ کاٹ لیا، پڑھتا رہا، پڑھتا رہا۔ جتنی نیکی کی توفیق ملی اتنی نیکی کرتا گیا لیکن میں آپ کے لیے جو recommend کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اس رمضان شریف میں ساری محنت لطائف پر کیجئے اور اگر ہو سکے تو حضرت مجدد پاکؒ کا دوسرا مکتوب جو رمضان شریف سے متعلق ہے اس کو بھی مطالعہ کیجئے۔ اس میں حضرت فرماتے ہیں کہ سارے سال میں اتنے فضائل و برکات حاصل ہوتے ہیں جو اس ایک مہینے میں ہو جاتے ہیں اور قرآن کو رمضان شریف سے خصوصی نسبت ہے لہٰذا تلاوتِ قرآنِ عظیم ساتھ کریں لیکن زیادہ سے زیادہ وقت ذکرِ لطائف پر لگائیں۔ ہمارے ہاں ایسے ایسے خوش نصیب بھی بیٹھے ہوئے ہیں کہ پچھلے سال انہوں نے جب رمضان شریف میں لطائف پر محنت کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو لیلۃ القدر دکھا دی۔ اسی محفل میں بیٹھے ہیں۔ اللہ کریم جس کو جتنا چاہے نواز دے اور یہ ساتھی جو اس وقت جذب میں گئے ہیں؛ ہم ستائیسویں کی رات تھی آپس کی باتیں کر لینے میں ایمان ترقی کرتا ہے تو ہم سید السادات پیر مہر علی شاہ صاحب کا ذکر کر رہے تھے تو ان دوستوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ حضرت سید السادات محفل میں تشریف لائے کھلی آنکھوں سے دیکھا۔ یہ برکت رمضان مبارک کی تھی اور پھر ہر کوئی نہیں دیکھ سکتا، کوئی کہے

حج کعبہ کا بھی ہو اور گنگا کا اشنان بھی
تا کہ اللہ رہے خوش، راضی رہے شیطان بھی

ایسے نہیں ہو سکتا۔ جس کو نورِ لطائف حاصل ہوگا وہ ان مشاہدات کی طرف مشرف کیا جائے گا۔ تو اس رمضان شریف میں باقی ورد وظیفے اگر ممکن ہو تو چھوڑ دیں۔ یہاں ایک صورت

ایسی بھی ہوتی ہے کہ کوئی ساتھی ایسے بھی ہوں کہ جنہوں نے پوری زندگی سے ایک وظیفہ شروع کر رکھا ہے اس وظیفے کے اثرات ان پر جاری ہیں مثلاً کوئی ساتھی مزمّل شریف پڑھ رہے ہیں اور پوری زندگی انہوں نے اس کو پڑھا ہے تو ہم ان کو نہیں کہیں گے کہ یہ وظیفہ بھی چھوڑ دو کیونکہ ان کی متواتر کی محنت ضائع ہو جائے گی کیونکہ اعمال کی دنیا کا یہ قانون ہے، مسلمہ قانون کہ جس وظیفے کو جاری رکھا جائے گا، اس کا عمل قائم رہے گا اور جس وظیفے کو چھوڑ دیا جائے گا اس کا عمل رک جائے گا اور اس کی تاثیر ساقط ہو جائے گی تو جو ساتھی جو وظیفہ مسلسل پوری زندگی سے پڑھ رہے ہیں اس کو بے شک جاری رکھیں یہ اعمالِ ابرار میں سے تو ہے ناں۔ یہاں ان جاہل پیروں کی بھی اصلاح کی ضرورت ہے کہ جو اس بات کو بڑے غلط رنگ میں پیش کرتے ہیں۔ ہم تو اتنی بات کہہ رہے ہیں کہ اعمالِ مقربین ہو سکے تو کریں اور اعمالِ ابرار پر اعمالِ مقربین کو ترجیح دیں اور اعمالِ ابرار جو آپ نے ساری زندگی سے جاری رکھے ہوئے ہیں وہ جاری رکھیں۔ اصول یہ ہے قاعدہ یہ نکلا! بات جاہل کی ہے یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ اگر لطائف کر رہا ہے تو باقی کوئی وظیفہ پڑھا تو سب کچھ ضائع ہو جائے گا۔ ایسی بھی کوئی بات نہیں، ضائع نہیں ہوتا۔ اگر کوئی عمل آپ اور کریں گے تو وہ اعمالِ ابرار میں سے ہوگا اور وہ اعمالِ ابرار جو آپ نے ساری زندگی سے جاری رکھے ہوئے ہیں وہ آپ ضرور کریں۔ ان سے آپ کو کوئی منع نہیں کرتا لیکن کوشش کریں کہ آپ کی زیادہ توجہ اعمالِ مقربین کی طرف ہو۔

اب یہاں ایک قاعدہ بڑا خوبصورت اور ایسی پتے کی بات آپ سے عرض کر دوں جو اس سے پہلے آپ کو شاید نہ سننے کو ملی ہو۔ جب کوئی سالک مبتدی ہوتا ہے یعنی ابتداء میں ہوتا ہے تو اس کے لیے ذکرِ 'اللہ' یعنی ذکر اسمِ ذات زیادہ فائدہ کرتا ہے۔ اگر کوئی ساتھی مبتدی ہے

اور کلمہ شریف کا زیادہ ذکر کر رہا ہے تو وہ اعمالِ ابرار میں سے ہو جائے گا۔ ابتداء میں ذکر اسمِ ذات، ذکر خفی کرنا اعمالِ مقربین میں سے ہے اور ذکر نفی اثبات کرنا اعمالِ ابرار میں سے ہے۔ آگے عالم امکان میں نہ حد ہے، نہ جہت ہے، نہ کوئی مثل ہے نہ مثیل ہے تو وہاں کون سے چیز راہنمائی کرے گی وہاں نفی اثبات کام آئے گا۔ لطائف کے دوران مبتدی ذکر اسمِ ذات کرے گا تو یہ اعمالِ مقربین میں سے ہے اور ذکرِ نفی اثبات کرے گا تو یہ اعمالِ ابرار میں سے ہے۔ جب دائرہ امکان عبور کر گیا تو دائرہ امکان عبور کرنے کے بعد جب وہ ذکر کرے گا تو پھر اس وقت اگر ذکرِ اسمِ ذات کرے گا تو وہ اعمالِ ابرار میں سے ہے وہاں پہنچ کر یعنی لطائف کو جاری کرنے کے بعد یہی ذکر اسمِ ذات جو پہلے اعمالِ مقربین میں سے تھا وہاں پہنچ کر اگر یہ کرے گا تو پھر یہ اعمالِ ابرار میں سے ہوگا وہاں ذکر نفی اثبات اعمالِ مقربین میں سے ہے۔ اس لطیف نکتے کو سمجھئے! اور جب واصل الی اللہ ہو جائے گا، ایک ایسا مقام آتا ہے مراقبہ اسمِ باطن والا کہ جب اس سے آگے چلے گا تو وہاں راہِ نبوت ہوگی یا راہِ توحید ہوگی۔ کسی سالک کو راہِ توحید پر چلایا جاتا ہے اور کسی کو راہِ نبوت پر۔ اگر راہِ نبوت پر ہے تو درود شریف پڑھنے سے ترقی ہوگی اور اگر راہِ توحید سے واصل کیا جا رہا ہے تو پھر اس کو فائدہ تلاوتِ قرآنِ پاک سے ہوگا۔

اور حضرت مجدد پاکؒ فرماتے ہیں کہ سب سے زیادہ چوٹی کا عارف کہ جس کے مقامات بہت بہت بلند ہوں اس کے لیے یہ ہے کہ قرآن پڑھے اور نماز پڑھے۔ اس کا اعمالِ مقربین میں سے واسطہ وہاں جا کر ملتا ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

سِفلی و نوری اعمال اور ذکرِ خفی قلبی

سلسلۂ عالیہ مجدّدیہ شریف اور مجددیہ شریف سے میری مراد ہے چاروں سلاسل: نقشبندیہ شریف بھی اِس میں شامل ہے چشتیہ شریف بھی اِس میں شامل ہے قادریہ شریف بھی اور سہروردیہ شریف بھی اِس میں شامل ہے۔ حضرتِ مجدد پاکؒ نے ان چاروں سلاسل کو ملا کر جس عظیم سلسلے کی بنیاد رکھی وہ سلسلۂ عالیہ مجدّدیہ کہلاتا ہے۔ حضرت سے پہلے جو سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ تھا وہ مراقبۂ اسمِ باطن تک تھا۔ ہمارے ہاں جو مراقبات رائج ہیں وہ چھتیس ہیں انشاء اللہ آئندہ کی محافل میں ایک ایک کر کے اِن پر درس دوں گا اور ان میں سے ایک مقام، ایک مراقبہ، مراقبۂ اسمِ باطن ہے۔ حضرت شہنشاہِ نقشبند خواجہ بہاؤالدّین نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے سلسلۂ عالیہ کے دیگر اولیائے کرام بزرگانِ عظام اسمِ باطن تک مراقبات کرا کے اس کے بعد سلسلہ ختم کر دیتے تھے۔ اِس کے بعد آگے جس کی جو پرواز ہو سکے، جس کا جو نصیب ہو لیکن حضرتِ مجدّدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اسمِ باطن سے شروع کر کے لاتعین تک پہنچایا اس کو اور وہ ہے 'سیر مجددیہ'۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کا کوئی سالک یہ مقام طے نہیں کرا سکتا جب تک حضرتِ مجدد پاکؒ خود طے نہ کرائیں اور جو سچا پیر ہوتا ہے وہ یہ نہیں کہتا کہ یہ مقام میں نے طے کرایا ہے، وہ کہتا ہے کہ یہ مقام حضرتِ مجدد پاکؒ ہی طے کرائیں گے اور میں اُن اولیائے کرام کو جانتا ہوں ان کے اسمائے گرامی میرے علم میں ہیں کہ جو یہ کہہ کر یہاں سے سرہند شریف گئے ہیں کہ ابھی اِسمِ باطن سے آگے کے مقامات حضرتِ مجدد پاکؒ سے طے کرنے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ اِنسان سرہند شریف جا کر ہی طے کرے حضرتِ مجدد پاکؒ کی یہ

شان ہے کہ جہاں کہیں حضرت کا مرید ہو وہاں تصرف فرما کر یہ مقامات آپ طے کرا سکتے ہیں لیکن بعض اولیائے کرام ادباً وہاں تشریف لے جاتے ہیں۔

تو عرض یہ کر رہا تھا کہ سلسلۂ عالیہ مجدّدیہ شریف کا نام لیا جائے تو اس میں نقشبندیہ شریف، چشتیہ شریف، قادریہ شریف اور سہروردیہ شریف اِس میں شامل ہے۔ اب جب کہ سلسلۂ عالیہ مجدّدیہ شریف کا سالک، سلسلۂ مجدّدیہ شریف کا مرشد شیخ جب کسی عزیز کو، کسی طالبِ راہ کو سبق دینے لگا ہے اور جب یہ کہہ رہا ہو کہ اِسم ذات کے علاوہ کوئی ذکر نہیں کرنا تو اُس کے ذہن میں ایک سوچ ضرور ہونی چاہیے اور وہ یہ کہ باقی ذکر کرانا حرام نہیں ہے۔ بعض ایسے ساتھی بھی دیکھے ہیں کہ جونہی کسی نے ذکرِ خفی قلبی کے دوران یا روحی، سرّی یا خفی کے دوران کوئی اور ذکر کیا تو کہا نہیں! نہیں! بالکل منع ہے! نہیں کرنا! تو اس کا مطلب ہے کہ سبق دینے والا خود بھی اُمورِ طریقت سے اتنی آشنائی نہیں رکھتا جتنی اُس کو رکھنی چاہیے۔ آپ کو یاد ہو گا کہ میں نے آپ کو بتایا تھا کہ ایک ہوتے ہیں عوام ایک ہوتے ہیں ابرار اور ایک ہوتے ہیں مقربین؛ آپ کو سبق یاد ہونا چاہیے؛ تو بزرگ فرماتے ہیں:

حَسَنَاتُ العَوَام سَيِّئَاتُ الابرَار

کہ جو چیز عوام کے ہاں نیکی قرار پاتی ہے، ابرار کے ہاں نیکی نہیں سمجھی جاتی ہے۔ اُن کا مقام اِتنا بلند ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ جس کو عوام نیکی سمجھتے ہیں، ہمارے مقام پر وہ نیکی نہیں رہتی یعنی یہ نہیں کہ وہ نیکی ہے ہی نہیں، نیکی ہے لیکن اُس میں جس اخلاص کی ضرورت ہے وہ اخلاص چاہیے تب ہم اس کو نیکی کہیں گے۔ ہے وہ نیکی لیکن روحِ نیکی جو ہم چاہتے ہیں وہ نہیں ہے اس میں مثلاً کسی نے نماز پڑھی مجھ جیسے گنہگار نے لیکن جب ابرار میں سے کوئی انسان دیکھے

گا تو کہے گا، 'کیا نمازیں ہیں یہ، نہ خشوع ہے نہ خضوع ہے، نہ عمل بالسنّت ہے جس طرح چاہیے اور نہ انہماک ہے، نہ ارتکاز ہے۔ ابرار میں سے کوئی شخص آئے گا تو کہے گا 'ہمارے لحاظ سے تو گناہ بنتی ہیں اِن کی نمازیں'۔ اور پھر جب مقربین کا مقام آئے گا تو مقرب جب ابرار کو دیکھے گا تو کہے گا کہ ابرار کے مقام کی جو نیکیاں تھیں وہ ہمارے مقام پر پہنچ کر گناہ بن گئیں۔ اولیائے کرام کا مقام، مقربین کا مقام ہے۔

اب جب کسی ساتھی نے ذکر لیا ذکر خفی قلبی اور یاد رکھیے! کہ سلسلۂ عالیہ چشتیہ شریف میں، سلسلۂ عالیہ قادریہ شریف میں، سلسلۂ عالیہ سہروردیہ شریف میں ذکر خفی اِبتداء میں نہیں دیتے۔ وہ اولیائے کرام اکثر فرماتے ہیں کہ ذکر جہر سے آغاز کرو۔ وہ اپنے مقام پر درست ہیں لیکن ہمارے اولیائے کرام مجدّدیہ شریف کے جو ہیں وہ فرماتے ہیں کہ نہیں! پہلے ذکر خفی دیا جائے اور جب سالک کے پہلے پانچ عالمِ امر کے لطائف جاری ہو چلیں تو پھر اُس کے بعد ذکر جہر کیا جائے اور جتنا ذکر جہر کیا جائے گا اتنی ہی مقامات میں بلندی آتی چلی جائے گی۔ اب جس سالک نے ذکر دیا اس کو یہ چاہیے کہ کہ یہ بتائے کہ میاں! پہلے لطائف میں یعنی قلب، روح، سرّی، خفی اور اخفاء میں ذکرِ خفی اِسم ذات کرنا مقربین کا عمل ہے اور دیگر وظائف کرنا ابرار کا عمل ہے۔ اب کسی کے سامنے ایک اعلیٰ درجے کا پکا ہوا کھانا رکھ دیا جائے اور دوسری طرف کچی گندم رکھ دی جائے یا کچا آٹا رکھ دیا جائے تو آپ کا کیا خیال ہے وہ کس کا انتخاب کرے گا؟ پکے ہوئے کھانے کا! اعلیٰ درجے کے پکے ہوئے کھانے کا انتخاب کرے گا تو ہمارے اولیائے کرام فرماتے ہیں کہ ہم تمہیں اعلیٰ درجے کا پکا ہوا کھانا کھلاتے ہیں تم کچا آٹا نہ کھاؤ۔ اس لیے ہمارے اولیائے کرام ہمارے بزرگ، ہمارے مشائخ فرماتے ہیں کہ جب

کوئی ذکرِ خفی قلبی وروحی وسرّی وخفی واخفاء کررہاہوتو اُس کو چاہیے کہ صرف ذکرِاسمِ ذات پر اتفاء کرے اس پر بھروسہ کرے۔اس کے مقامات میں وہ بلندیاں آجائیں گی کہ باقی ساری چیزیں ضمنی اور ذیلی ہوجائیں گی۔

اس کے بعد ہم نے ایک اور سوال put up کیا تھا کہ جو ساتھی کسی عمل کے زندگی بھر کے عامل ہوں۔بعض بزرگ ہیں، ہمارے سلسلے میں بعض ساتھی ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی عمریں اسیؔ اسیؔ ،نوے نوے، سال کے قریب پہنچ چکی ہوتی ہیں اورانہوں نے پوری زندگی سورۃ یٰس شریف کا وظیفہ پڑھا ہے، سورۃ مزّمل پاک کا وظیفہ پڑھا ہو، درود پاک کے چلےّ کاٹے ہوں، سیدالاستغفار کا چلہّ کیا ہو یا پوری زندگی میں ایک وظیفے کے وہ مثلاً چہل قاف کے متصّرف ہیں، سورۃ مُلک پڑھتے رہے ہیں بطور وظیفہ تو ایسے ساتھی جب ذکر خفی قلبی لیں تو ان کو آپ نے کیا نصیحت کرنی ہے؟ اُن کو یہ نصیحت کرنی ہے کہ جن وظائف کے آپ عامل ہیں ان کو بے شک نہ چھوڑیں۔زندگی کی کمائی ضائع تو نہیں کرنی، مراد ہے اس کو بھی محفوظ رکھنا ہے۔ اب کرنا کیا ہے؟

عاملین کی دو قسمیں ہیں، سفلیات کے عامل، نوریات کے عامل یا نورانیات کے عامل یعنی ایک وہ عمل ہوتے ہیں جو سفلی نوعیت کے ہوتے ہیں مثلاً کسی ہندو نے کوئی عمل دے دیا اور کہا کہ گوگا پیر کی نیاز دے گا تو پتا نہیں کیا ہوجائے گا یا ایسے ہی کالی دیوی کے اعمال دیکھے ہیں، کالے کوے لیے، پکڑے، ان کو ذبح کیا، پتا نہیں کیا سے کیا کرتے رہے۔اس طرح کے اعمال کہ چمگادڑ لیا اس پر اعمال کرتے رہے اور پھر جو وظیفے پڑھے وہ بھی نہ عربی میں، نہ فارسی میں، نہ کسی علمی زبان میں، یونہی بس جو جی میں آیا پڑھتے رہے۔اس طرح کے اکثر اعمال

دیکھے گئے ہیں کہ وہ سفلی ہیں۔تو سفلی عامل اکثر جادوگر ہوتے ہیں مثلاً کل ایک صاحب میرے پاس تشریف لائے اورانہوں نے کہا جی! میں اُلٹی بسم اللہ کا وظیفہ کرنا چاہتا ہوں۔اب یہ آپ غور کریں کہ بسم اللہ شریف کو اُلٹا کرنا قرآن کو بگاڑنے کے مترادف ہے۔اس طرح کے وظیفے جن میں آیہ قرآنی کو مسخ کیا جائے یا کوئی ایسا وظیفہ پڑھا جائے کہ جس کا تعلق سفلیات سے ہو ان میں سے اکثر لوگ جادوگر ہوتے ہیں اور جادوگر اسلام کے متفقہ عقائد کے مطابق کافر ہے !اس لیے سفلیات سے بچنا چاہیے۔بعض ایسے نیک بخت ہیں کہ کہتے ہیں کہ فلاں عمل کے دوران وضونہیں کرنا،فلاں عمل کے دوران باطہارت اور باوضونہیں رہنا۔اللہ تعالیٰ ایسے اعمال سے تو معاف ہی رکھے،بچائے،اوراپنی پناہ میں رکھے۔

اس کے بعد دوسری قسم کے نوری عامل ہیں ہمارے بزرگ۔اب نوری عاملین کی بھی پھر آگے بہت ساری قسمیں آجاتی ہیں۔کچھ ایسے ہیں کہ سارے قرآن عظیم کے عامل ہیں مثلاً قرآن عظیم کا کوئی نقش لکھا ہوتو اس کو ساری زندگی لکھتے رہے۔ایسے ایسے بزرگ بھی دیکھے گئے ہیں؛ بڑی بڑی عظیم ہستیاں ہیں،کوئی حزب البحر شریف کا عامل ہے مثلاً ہمارے سیدالسادات حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ،حضرت خواجہ حافظ عبدالکریم صاحبؒ، حضرت خواجہ حسن نظامی صاحبؒ،حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ اس طرح کی شخصیات کسی ایسی چیز کو تصرف میں لاتے ہیں جس کو ساری زندگی بطور وظیفہ پڑھتے ہیں۔ہمارے اولیائے مجددیہ شریف جو ہیں اکثر حزب البحر شریف پڑھتے ہیں۔اب یہ نوری اعمال ہیں۔بعض لوگ مزمل شریف کے،یسٰین شریف کے،سورۂ رحمٰن شریف کے عامل ہوتے ہیں۔سارے قرآن کا عامل ہونا کسی خاص دُعا کا عامل ہونا،کسی سورت کا عامل ہونا،پھر بعض

بزرگ کسی آیت کے عامل ہوتے ہیں مثلاً لاالٰہ اِلّا انی کُنتُ مِن االظالمین ایک آیت ہے۔ حسبنااللہ و نعم الوکیل ایک آیہ کریمہ ہے۔ اُفَوّضُ اَمرِی اِلَی اللہ، ایک آیہ کریمہ ہے۔ رَبِّی اَنّی مَغلُوب فَانتَصِر آیہ کریمہ ہے ان کے بے شمار عامل ملتے ہیں اور بزرگ اِن کو اپنے تصرف میں لاتے ہیں بلکہ آپ کو بطورِ روحانی تحفہ ایک چیز عرض کردوں، آپ کو کام آئے گا کہ سورۃ توبہ میں ایک آخری آیت کا یہ حصہ، حَسبِیَ اللہ لااِلٰہ اِلّا ھُو عَلَیہِ تَوَکَّلتُ وَھُوَ رَبُّ العَرشِ العَظِیم اس کو اگر آپ لوگ معمول میں شامل کر لیں تو دنیا کا کوئی ضرر آپ کو نہیں پہنچ سکے گا۔ یہ میری طرف سے آپ کو روحانی تحفہ ہے میں نے اس پر بڑی تحقیق کی ہے۔ تحقیق کے بعد دوستوں کو روحانی تحفے کے طور پر پیش کر رہا ہوں۔ تمام اولیائے کرام خواہ سلسلۂ مجددیہ شریف کے ہوں یا دیگر سلاسلِ عالیہ شریف کے ان سب نے فرمایا ہے کہ یہ ایک ایسی آیہ کریمہ ہے اور حدیث پاک سے بھی ثابت، اعمال صحابہ سے بھی ثابت، اعمالِ بزرگان سے بھی ثابت، تمام بزرگان دین سے ثابت کہ اگر اور کچھ کر نہیں سکتے تو کم از کم تین مرتبہ اس کو روزانہ پڑھ لیا کرو۔

حَسبِیَ اللہ لَااِلٰہَ اِلّاھُوَ عَلَیہُ تو کَلّتُ وَھُوَ ربُ العَرشِ العَظِیم

اب اس طرح کی آیات کو بزرگ ساری زندگی ورد کرتے ہیں، پڑھتے ہیں۔ جب سالک کو ذکر مل رہا ہو اور سالک ذکر دینے والے موجود ہوں تو اُن کو چاہیے کہ جس ذکر کے وہ عامل ہیں اُس سے منع نہ کیا جائے تاکہ ان کی ساری زندگی کی کمائی ضائع نہ ہو۔ اب اس کا حل یہ ہے چونکہ ہر عمل پر، ہر نورانی وظیفے پر مؤکلات ہوتے ہیں۔ مؤکل کہتے ہیں اُس چیز کو جو مقرر کی جائے۔ مؤکل تو وکیل سے ہے تو کسی چیز کو مقرر کرنا۔ مؤکل ہوتا ہے وکیل کرنے والا۔

فلاں موکل ہے عدالت کی اصطلاح میں تو موکل جس کو بطور وکیل مقرر کیا جائے اسم مفعول ہے تو ہر آیۃ کریمہ پر، ہر سورت پر اور پھر اس کے علاوہ ننانوے اِسماء الٰہی جنھیں آپ اِسمائے توقیفی کہتے ہیں۔ بزرگانِ دین اِسماء الحسنٰی شریف کو اِستجابتِ دُعا کے لیے بڑا مجرب مانتے ہیں۔

وَ لِلّٰہِ الاسمآءُ الحُسنٰی فَادعُوہُ بِہَا

اللہ کے بڑے بڑے پیارے پیارے نام ہیں اس کو انہی ناموں سے پکارا کرو۔

تو یہ اِسماء الحسنٰی جو قرآنِ عظیم میں آئے ہیں اور قرآنِ عظیم کی اکثر آیات کے خواتمِ آیات میں آئے ہیں۔ اللہ کے وہ اسماء الحسنٰی اگر کسی اسم کو سوا لاکھ مرتبہ پڑھ لیا جائے تو اللہ کریم اس کی تاثیر اس پر جاری کر دیتا ہے۔ تو ان اسماء کے جو عاملین بزرگ ہیں خواہ وہ پورے قرآن کے ہوں خواہ وہ کسی سورت کے ہوں، خواہ وہ آیت کے ہوں، خواہ اِسماء کے ہوں جو وِردان کا جاری ہے اس پر انہیں قائم رکھا جائے۔ اب چونکہ ہر اسم پر، ہر سورت پر، ہر آیت پر، پورے قرآنِ عظیم پر موکلات ہیں اور موکلات نوری فرشتے ہیں اور وہ نوری فرشتے پڑھنے والوں کی مدد کرتے ہیں اور پڑھنے والا اپنے دینی اور دنیاوی امور میں اُن سے مدد لیتا ہے۔ اب جس ساتھی نے ساری زندگی اس وظیفے کو پڑھا ہے نورانی موکلات اس کی مدد کر رہے ہیں تو اِس کو ان دوستوں سے محروم تو نہیں کرنا چاہیے ناں۔ اب اگر کوئی مجھے آ کے کہے کہ میاں فلاں وظیفہ بتاتا ہوں لیکن ان سارے دوستوں کو چھوڑ دو تو میں تو یہ سودا نہیں کروں گا کیونکہ ساری زندگی کی نورانی سنگت کو چھوڑنا اچھی بات نہیں ہے۔ اب کسی عامل نے، کسی بزرگ نے ساری زندگی کوئی وظیفہ پڑھا ہے تو اس کو چھڑانا نہیں چاہیے۔

اب اس کا حل کیا ہے؟ اس کا حل یہ ہے کہ ذکر دینے والے ساتھی ان سے کہیں کہ وہ جاری رکھو لیکن کثرت اس کی ہو۔ ذکر خفی و قلبی کی کثرت ہو تا کہ یہ اس پر غالب آجائے۔ اب یہاں پر ایک اور نکتہ آپ کے ذہن میں ہو کہ عامل اپنے ایک مقصد کے لیے کوئی عمل یا وظیفہ منتخب کرتا ہے مثلاً کسی نے **یا قہار** کا وظیفہ منتخب کیا تو وہ اس لیے کرے گا کہ اپنے دشمنوں پر غالب آجائے۔ اگر کسی نے یا رزاق کا وظیفہ منتخب کیا تو اس لیے کر رہا ہے کہ اس کے رزق کے مسائل حل ہوں۔ اگر کوئی **یا رحمٰنُ** کا وظیفہ کر رہا ہے تو اس کو رب کی خصوصی رحمت کی ضرورت ہے۔ اگر کوئی سورۃ مُلک شریف کو پڑھ رہا ہے تو جو خصائص سرکار ﷺ نے حدیث پاک میں بیان کیے ہیں کہ انسان سکراتِ موت سے بچ جاتا ہے۔ اگر کوئی سورۃ مزمل پڑھ رہا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اُس میں دنیاوی جاہ وجلال آنے کی توقع ہے وہ اس کے لیے وظیفہ پڑھ رہا ہے اور ہر وظیفہ کوئی خاص اثرات رکھتا ہے اور اس وظیفہ خوان پر وہ خاص خاص اثرات جاری ہوتے ہیں۔

اب جب کوئی سالک راہِ سلوک پر چلا تو اس نے اس وظیفے کو منتخب کیا جو سارے وظیفوں کا جامع ہے۔ اب اگر کسی نے لفظ 'اللہ' کہا تو اس نے رحمٰن بھی کہا، اس نے رحیم بھی کہا، اس نے احدَ بھی کہہ دیا، اس نے صمد بھی کہہ دیا، اس نے جوّاد بھی کہہ دیا، اس نے کریم بھی کہہ دیا، اس نے غفور بھی کہہ دیا اس نے حنّان بھی کہہ دیا، اس نے لطیف بھی کہہ دیا، اس نے خبیر بھی کہہ دیا، اس نے قدُّوس بھی کہہ دیا، اس نے غنی بھی کہہ دیا، مغنی بھی کہہ دیا تو سارے کے سارے کے اسماء کے فیوض جمع ہو کر اسم اللہ میں جمع ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے اولیائے کرام، بزرگانِ دین جب سبق دیتے ہیں تو کہتے ہیں کہ میاں! تم اس وظیفے سے آغاز

کرو جو سب کا جامع ہے۔ایک دو فائدوں کی بات نہ کرو۔ایسی چیز کی بات کرو جو سارے فائدے میسر کر دے چونکہ یہ سب کا جامع ہے لہٰذا اس میں سب کچھ ہے۔ایک نورانی عامل جو نورانی وظائف کا عامل ہے؛ سفلی سے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے،نوری عامل چند منفعتوں کی خاطر آپ کو کوئی وظیفہ تعلیم عطا فرماتے ہیں لیکن ایک سالک،ایک درویشِ خُدا مست اور ایک عارف آپ کو آغاز کرواتے ہیں ایک ایسے جامع وظیفے سے کہ جس میں ساری چیزیں آ کر کے شامل ہو رہی ہیں۔نورانی عامل کا نظام حلِ مسائل کا اور عارف اور درویش کا نظام ساری زندگی کی نورانی تربیت کا ہے۔وہاں حلِ مسائل ہے یہاں پر تربیت ہے۔وہاں پر چالیس دن کا چلّہ ہے یہاں اگر چالیس سال زندگی ہے تو سارا چلہ ہے۔چالیس سو سال زندگی ہے تو سارا چلّہ ہے۔یہی وجہ ہے کہ ہمارے سلسلۂ مجددیہ شریف میں چلّہ کوئی نہیں ہے۔اگر کوئی کہے کہ یہ وظیفہ لیں اور اتنے لاکھ دفعہ اس کو پڑھیں اور چلہ کاٹیں تو آپ جان لیں کہ وہ مجدّدی فقیر نہیں ہے۔سلسلۂ عالیہ مجددیہ شریف میں چلہّ کشی نہیں ہے۔اولیائے قادریہ شریف جب الگ اپنا ورد کراتے ہیں،طریقت کراتے ہیں تو وہ قادریہ شریف کی seperate ایک ٹریننگ دیتے ہیں۔اولیائے چشتیہ شریف اگر کبھی مہربانی فرمائیں اور کوئی چلہ دے دیں تو وہ مجددیہ شریف کے مطابق نہیں ہے۔وہ ان کے اپنے سلسلۂ عالیہ کے مطابق ہے۔یہاں یہ سوچ بھی یاد رکھیں! کہ چلہ کشی غلط نہیں ہے۔کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ اس سے مراد یہ لے لیں کہ چلہ کشی غلط ہے اور دیگر اولیائے کرام جو چلہ کشی کراتے ہیں وہ غلط ہیں۔۔۔نہیں! اولیائے کرام جو فرماتے ہیں سچ ہے لیکن ہمارے ہاں چلہّ صرف ایک ہی ہے اور وہ ہے اتباعِ رسول ﷺ اور سارا فیض اس میں آتا ہے۔

لا و ربِ العرش جس کو جو ملا ان سے مِلا
بٹتی ہے کونین میں نعمتِ رسولؐ اللہ کی

ہمارے ہاں چلّہ ہے ساری زندگی کا ایک چلّہ اور وہ ہے آقاؐ کے فرامین کو پڑھنا قرآن میں آقا کے فرامین کو پڑھنا حدیث میں آقا کے محبوب اولیائے کرام کی باتوں کو غور سے سننا اور زیادہ سے زیادہ قربِ رسولؐ حاصل کرنا۔ جتنا قربِ رسولؐ زیادہ ہوگا، جتنی حُبِّ رسولؐ زیادہ ہوگی انشاء اللہ عزیز اتنا ہی روحانی مقامات بلند ہو جائیں گے کیونکہ آج دن تک خدا کو خلوتوں میں کسی نے نہیں دیکھا سوائے ہمارے سرکارؐ کے اور یہ کسی چلّے کا نتیجہ نہیں تھا، یہ محبوبیّت کا نتیجہ تھا! آقا ہمارے خدا کے محبوب ہیں اور ہر وہ امتی جو حضور ﷺ کی اتباع کرتا ہے حضورؐ کا محبوب ہے۔ یہ سارے مقامات محبوبیت سے طے ہوتے ہیں۔ اللہ کریم ہمیں ان باتوں کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

و ما علینا الا البلاغ المبین

لاشعور اور تحت الشعور

برادرانِ طریقت ! آپ کو بخوبی علم ہے کہ ہم ذکرِ پاک کی اِس مبارک محفل میں تدریسی اعتبار سے یعنی خطیبانہ یا واعظانہ نوعیت جو آج کل developed ہے، اِس میں نہیں بلکہ خالص تدریسی نقطہ نظر سے ہم سالک ساتھیوں کی راہنمائی کے لیے محفل میں کچھ اصول بیان کرتے ہیں اور آپ کے اس خادم کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ جہاں کہیں آپ کو کوئی دُشواری پیش آتی ہے راہِ سلوک میں تو اس دشواری کے حل کے لیے جو کچھ بھی اللہ ربُ العزت کی بارگاہ سے، شہنشاہِ دوعالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نظرِ کرم سے اور حضرت شیخ مجدّد رحمۃ اللہ علیہ کی عطاء سے جو کچھ عطاء ہوا، اس کی روشنی میں آپ کی خدمت کی جائے۔

آج بہت ہی اہم سوال آپ کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے یوں کہہ لیں کہ جس میں طریقت کی ساری روح بند ہے لیکن اس سوال کو سمجھنے کے لیے، میں پہلے جو گفتگوئیں ہو چکی ہیں آپ سے، اُن کے حوالے دوں گا اور اُن کی روشنی میں پہلے آپ پر سوال واضح کرنے کی کوشش کروں گا کیونکہ اچھا سوال کرنا آدھا علم ہے اور اکثر ساتھیوں نے یہ سوال کیا اور میں سمجھتا ہوں کہ جن ساتھیوں نے یہ سوال کیا وہ طریقت پر سوچنے والے ساتھی ہیں۔ آپ نے ایک محفل میں مجھ سے سنا ہوگا کہ انسانی دماغ کی چار بڑی بڑی قوتیں ہیں۔ یقیناً آپ کو یاد ہوگا اور اگر یاد نہیں ہے تو یاد کیجئے گا کیونکہ کل آپ نے مخلوق کا امام بننا ہے۔

سبق پھر پڑھ صداقت کا عدالت کا شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دُنیا کی امامت کا

یہ وہ محفل نہیں ہے کہ جس میں لوگ آئیں اور ہُو ہا کر کے چلے جائیں۔ انشاءاللہ آج کی اس محفل میں بیٹھنے والے کل مخلوقِ خُدا کے پیشوا ہوں گے، اس لیے کہ ہمارے سر پر حبیبِ خُدا صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ ہے تو یہ سوال غور سے سنیئے! جواب غور سے سمجھئے۔ کل اللہ کی مخلوق کی خدمت کے لیے آپ نے حضورؐ کا جھنڈا اُٹھا کے چلنا ہے۔ وہ دِن دور بھی نہیں اِنشاءاللہ، اِنشاءاللہ۔

سوال کو سمجھنے کے لیے روحِ انسانی کی چار قوتوں میں سے ایک قوت میں نے بتائی تھی، قوتِ تجسیم یعنی انسان کا دماغ اور ذہن، روح کی قوتوں کو یکجا کر کے سوچتا ہے تو تصویر اُبھرتی ہے۔ دوسری بات آپ کو بتائی تھی Time Travel یعنی وقت میں سفر کرنا کہ انسان کی روح کے اندر یہ صفت موجود ہے کہ ماضی میں بھی سفر کر سکتی ہے اور آنے والے دور میں بھی سفر کر سکتی ہے۔ اگر کسی نے کہا ،جس طرح حضرت سَرّی سقطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کسی بستی میں گئے تو وہاں پر دیکھا کہ ایک نوجوان لڑکی ہے، لوگ کہہ رہے ہیں کہ پاگل ہے اور وہ حضرت کو دور سے دیکھ کر کہتی ہے، ''آیئے سرّی سقطی! بسم اللہ'' تو حضرت نے فرمایا ''میرا نام تجھے کس نے بتایا''؟ تو کہتی ہے کہ آپ کا یہ نام ہے، آپ کے والد کا یہ نام ہے، اُن کے والد کا یہ نام ہے، اُن کے والد کا یہ نام ہے، اُن کے والد کا یہ نام ہے۔ جب سات پشتوں تک پہنچی تو آپ فرمانے لگے، ''بیٹی تجھے یہ سب کچھ کیسے حاصل ہوا''؟ فرمانے لگی کہ جب سے اس عظیم خُدا سے میرا واسطہ ہوا ہے، میں جاہل نہیں رہی۔ اب اگر کوئی یہ کہہ دے کہ ماضی کی وسعتوں میں سے اسرار کو تلاش کر کے سرِ عام رکھ دے یا بقول حضرت پیرِ روم:

ہر چہ خواہد بود اندر شصت سال
داند اندر حال آں نیکو خصال

کہ جو کچھ آئندہ ساٹھ سال میں ہونے والا ہے درویش کی نگاہ ایک توجہ کر کے سب کچھ پڑھ لیتی ہے۔اس کو کہتے ہیں Time Travel۔انسانی روح کے اندر یہ صفت موجود ہے۔اِس کے بعد تیسری روحِ انسانی کی جو قوت بیان کی گئی وہ تھی دور بیٹھ کر رابطے کر کے اگر کوئی سرکار ﷺ کی اس محفل میں نہ آسکے اگر کوئی Antarctic region میں بیٹھا ہوا ہے تو وہاں نواز دینا۔حضرت شیخ مجدّد رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ سیمرغ کی عادت ہے کہ انڈے دے کر چھ ہزار میل کے فاصلے پر چلا جاتا ہے اور وہاں سے توجہ کر کے انڈوں سے بچے نکالتا ہے۔فرماتے ہیں کہ میرے مجدّد دی فقیر کی مثال ایسی ہے؛ دور سے رابطے کر کے، نزدیک ہو یا دور ہو، زندہ ہو یا مردہ ہو، مرد ہو یا عورت ہو، جوان ہو یا بوڑھا ہو، سب کو ایک ہی رنگ میں رنگ دینا یہ نقشبندیوں کی پُرانی عادت ہے۔ یہ روحِ انسانی کی تیسری طاقت ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہم گنہگار لوگ جب اپنے مشائخ سے رابطے کی کوشش کرتے ہیں تو اللہ کریم ہمارے رابطے جوڑ دیتا ہے اور ہم نے کبھی بھی نہیں دیکھا کہ ہم نے اپنے آقاؤں کے دامن کو پکڑا ہو اور رابطہ نہ جُڑا ہو۔ ہمارے ایک دوست پر ایک جادوگر نے حملہ کر دیا دیکھا مشائخ ایک طرف کھڑے ہیں، فرماتے ہیں، فلاں درود شریف پڑھو، درود شریف پڑھا تو جادوگر منہ کے بل نیچے گرا اور تڑپنے لگا تو کبھی رابطے ہماری طرف سے ہوتے ہیں اور ہمیشہ رابطے ان کی طرف سے ہوتے ہیں۔ یہ انسانی روح کی تیسری قوت ہے اور قوتِ شفاء بخشی: درویش، ظاہری مرض ہو کہ باطنی مرض ہو، اپنی توجہات سے دور فرما دیتا ہے۔ یہ چار قسم کے خصائص روحِ انسانی کے میں نے پہلی محافل میں تفصیل سے بیان کیے تھے۔

اب ہوتا یہ ہے کہ انسانی روح کی باطنی آنکھ جس کو لطیفۂ نفسی میں بتایا گیا ہے یعنی

ہمارے ہاں جو اسباق چلتے ہیں ان میں چھٹا لطیفہ جو ہے، وہ لطیفۂ نفسی ہے۔ تو انسانی روح کی باطنی آنکھ جو ہے وہ جب بھی کسی چیز کو دیکھنا چاہتی ہے تو اسے اپنے سامنے حاضر کر لیتی ہے یا خود اس کے سامنے حاضر ہو جاتی ہے۔ اگر آپ نے کسی کو روحانی فیض دینا ہے تو آپ اس کی جو باطنی شکل ہے اس کو اپنی اس نگاہ کے سامنے لے آئیں گے اور اس پر توجہ شروع کر دیں۔ جب درویش، اولیائے کرام، اللہ کے محبوب، ہم گنہگاروں پر توجہ فرماتے ہیں تو وہ بھی اسی نوعیت کی ہوتی ہے۔ ظاہری بدن کو بھی دیکھتے ہیں اور باطنی بدن کو بھی دیکھتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ جس لطیفے میں کمی ہو، جس میں کمزوری ہو، یہاں سے نور Transfer کر کے اس کو اس نور میں دھو دیتے ہیں اور وہ شخص اس رنگ میں رنگا جاتا ہے۔

وَ مَن اَحسَنُ مِنَ اللّٰہِ صِبغَتَه

اور اللہ سے بہتر کس کا رنگ ہے۔

تو اللہ کے رنگ میں رنگا جانا ہے اور راہِ سلوک میں آنے سے پہلے، فرض کریں اس وقت ہماری محفل میں بزرگ بھی تشریف فرما ہیں، اسی، اسّی سال جن کی عمریں ہیں۔ نوجوان ساتھی بھی موجود ہیں تو اس نورانی گروہ میں شامل ہونے سے پہلے یا یہ علوم حاصل ہونے سے پہلے انسانی ذہن نے جو سوچا اس کا ایک store ہے اور آپ کو یاد ہوگا میں نے اس store کی قسمیں بتائی تھیں! ''تین''۔ ایک سٹور شعور کا ہے، ایک سٹور تحت الشعور کا ہے اور تیسرا سٹور لاشعور کا ہے۔ اب آپ کو بتایا یہ گیا تھا کہ حواس خمسۂ ظاہری یعنی آنکھ سے دیکھا جانا، ناک سے سونگھنا، کان سے سُننا، زبان سے چکھنا، یہ ظاہری قویٰ ہیں جنہیں آپ Five Gates of Knowledge یا 'علمِ ظاہری کے ذرائع' کا نام دے سکتے ہیں

اور عقل اکثر ان ذرائع کو استعمال کرتی ہے۔ تحلیل و تجزیہ کا عمل ذہن سرانجام دیتا ہے اور اس طریقہ سے انسان کے دن گزر رہے ہیں یعنی تجربہ ان حواس کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔ عقل اس کی تحلیل و تجزیہ کرتی ہے اور انسانی روح اس کے فیصلے کر کے، تجزیے کر کے، اپنے پروگرام چلاتی رہتی ہے۔ اب جس انسان نے اس فارمولے کو نہیں سمجھا کہ شعور کیا ہے؟ تحت الشعور کیا ہے؟ اور لاشعور کیا ہے؟ یاد رکھیئے! وہ روحانیت کو کبھی نہیں سمجھ سکتا !

ایک تو یہ ہے کہ کوئی ایک وظیفہ لے لے اور اس کو پڑھنا شروع کر دے۔

خشکی رستہ، خشک عبادت، بن سوز و بن دردوں

ایک تو وہ طریقہ ہے، لگا رہے، لگا رہے لیکن Theory کو نہ سمجھے، فارمولے کو نہ سمجھے۔ اب ہم جو، ان حواس کی دُنیا میں بیٹھے ہیں؛ ہم ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہیں، نگاہیں کام کر رہیں ہیں۔ ہم آوازیں سُن رہے ہیں، کان کام کر رہے ہیں۔ ہم خوشبو گلاب کی سونگھ رہے ہیں تو قوتِ شامہ استعمال کر رہے ہیں۔ چائے پی رہے ہیں تو قوتِ ذائقہ استعمال کرتے ہیں اور جب ہم کسی چیز کو چھوتے ہیں، اس کی نرمی کا احساس، اس کی سختی کا احساس، قوتِ لامسہ کام کر رہی ہے تو یہ سارے احساسات شعور کی دنیا میں ہیں لیکن شعور کی دُنیا مسلسل اور تدریجاً تحت الشعور کی دنیا میں گُم ہو رہی ہے۔ شعور، تحت الشعور میں جا رہا ہے۔ یوں کہنا چاہیے کہ جو جو چیزیں ہماری یادوں کی دُنیا میں ہمارے کنٹرول کے اندر رہتی ہیں وہ ہمارے تحت الشعور میں ہیں مثلاً میں آپ سے کہوں کہ آپ پرائمری سکول میں کہاں پڑھے ہیں تو آپ کو اپنا سکول یاد ہو گا ناں تو جو چیز آپ کے ذہن میں ہے وہ آپ کے تحت الشعور کی دُنیا میں ہے۔ اگر میں آپ سے کہوں کہ آپ نے ان دنوں میں کون، کون سی کتابیں زیرِ مطالعہ رکھی ہوئی ہیں تو آپ کی

میں جو چیز موجود ہوگی جو یاد کر رہے ہیں جو یاد آسکتی ہے وہ تحت الشعور ہے۔ اب اگر ہم آپ سے کہوں کہ بتائیں زندگی میں کتنی روٹیاں کھائیں ہیں یا کتنے نوالے کھائے ہیں یا کتنے قدم پیدل چلے ہیں، سانس کتنے لیے ہیں تو آپ کو علم نہیں ہوگا لیکن لیے آپ نے ہیں، روٹی آپ نے کھائی ہے۔ یہ ساری باتیں جو یاد نہیں رہیں وہ لاشعور میں چلی گئی ہیں۔ اب آپ ایک ہی وقت میں تین سطحات پر موجود ہیں۔ ایک شعوری سطح ہے، ایک تحت الشعوری سطح ہے اور ایک لاشعوری سطح ہے۔

اب لاشعور میں اس کے علاوہ ایک اور چیز بھی موجود ہے وہ چیز جسے آپ فطرت الٰہیہ کہتے ہیں یعنی، **كُل مُولودِ يُولد عَلى الفطرة الاسلام فَاَبَواهُ يُهَوِّدانه او يُنصرانِه او يو مجّسَانِه** ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے اس کا باپ بعد میں اسے یہودی بنالیتا ہے یا عیسائی بنالیتا ہے یا مجوسی بنالیتا ہے۔ اب فطرتِ الٰہیہ کا وہ گوشہ انسان کے لاشعور کی دنیا میں موجود ہے۔ فطرت تو پاک ہوگئی۔ اب فطرتِ انسانی پاک ہے۔ روحِ انسانی جوھرِ پاکیزگی رکھتی ہے لیکن اگر تجربات ایسے ہوں تحت الشعور والے اور شعور والے کہ جو انسان پسند نہ کرتا ہو، اخلاقی معیاروں پر اور دینی معیاروں پر پورے نہ اُترتے ہوں۔ انسان عصیان و خطاء کا مرتکب ہوا ہو اور مدتوں اس حال میں رہا ہو، طریقت کیا مدد کرتی ہے؟ سوال یہ ہے۔ ایک ساتھی ہے آپ اس سے کہتے ہیں کہ میاں آپ کا ذہن ایک تصویر بناتا ہے، ایک شکل بناتا ہے، صورتگری کرتا ہے۔ جب ہم مدینہ شریف کا نام لیتے ہیں تو سبز گنبد نگاہوں کے سامنے آجاتا ہے، جب ہم حرم پاک کی بات کرتے ہیں تو خانہ کعبہ کا طواف شروع، جب ہم قرآنِ عظیم کا نام لیتے ہیں تو حسین ورق ہماری نظروں کے سامنے آجاتے

ہیں۔جب ہم کسی استاد کی بات کرتے ہیں، کسی مُرشد کی بات کرتے ہیں، مسجد کی بات کرتے ہیں، کسی بھی چیز کی۔دوکان کی بات کرتے ہیں تو ہم دوکان پر ہیں۔سکول کی بات کرتے ہیں تو ہم سکول میں ہیں۔کالج کی بات کریں تو ہم کالج میں ہیں۔جوں جوں انسانی ذہن تصویریں بناتا چلا گیا تو یہ ایک مسلسل عمل ہے جس کو آپ روک نہیں سکتے۔

انسانی اعمال دو قسم کے ہیں۔Controllable اور Uncontrollable یعنی بدنِ انسانی میں جو جو کام چل رہے ہیں وہ دو قسم کے ہیں۔ایک وہ جن کو انسان کنٹرول کر سکتا ہے ایک وہ جن کو انسان کنٹرول نہیں کر سکتا مثلاً ہاتھ کی حرکت ہے تو یہ ہمارے کنٹرول میں ہے۔آنکھ کو کھولنا بند کرنا ہمارے کنٹرول میں ہے۔مُنہ کا کھولنا بات کرنا ہمارے کنٹرول میں ہے لیکن خون کی گردش ہمارے کنٹرول میں ہے؟ نہیں۔سانس ہمارے کنٹرول میں ہے؟ نہیں۔اسی طریقے سے نظامِ انہضام ہمارے کنٹرول میں ہے؟ نہیں۔انسان کا نظامِ اخراج ہمارے کنٹرول میں نہیں ہے۔دل کا دھڑکنا ہمارے کنٹرول میں نہیں ہے۔ان سب پر ایک قانون چھایا ہوا ہے۔وہ ہے ذہنِ انسانی کا قانون۔یوں کہنا چاہیے کہ آپ اگر پانچ منٹ تک سوچیں، ہر وقت تک سوچیں تو چل رہیں ہیں، جس طرح بہتا ہوا پانی بہتا رہتا ہے اسی طریقے سے دماغِ انسانی سوچتا جا رہا ہے۔اب اگر کوئی پانچ منٹ بیٹھ کر اپنی پانچ منٹ کی ساری سوچوں کو اسی ترتیب سے دہرا سکے تو وہ مراقبہ کر سکتا ہے۔

مراقبے کی دنیا کا پہلا قانون یہ ہے کہ آپ پانچ منٹ کے لیے بالکل ساکت و جامد بیٹھ جائیں اور جس خیال سے آپ مراقبہ شروع کر رہے ہیں اس خیال کو آپ لے کر پانچ منٹ تک جو، جو خیال قانونِ تلازمہء خیال کے تحت آتے جائیں

Law of Association of Mind یعنی انسانی ذہن کے اندر جو خیالات ہیں ان کے ارتباط، جو آپس میں رابطے ہیں، ان خیالات کے جو جوڑ ہیں ان جوڑوں کو انسان سمجھتا جائے اور واپس backward سفر کرے کہ پہلا خیال یہ تھا، اس کے بعد یہ تھا، اس کے بعد یہ تھا، اس کے بعد یہ تھا، اگر وہ یہ کرسکتا ہے تو وہ مراقبے میں کامیاب ہے۔ اگر یہ نہیں کرسکتا تو اس کا آسان ترین طریقہ یہ آپ کر سکتے ہیں کہ جب آپ رات کو اپنے مشاغل سے فارغ ہو جائیں تو صبح سے لے کر شام تک ہونے والے سارے واقعات ایک ایک کر کے اُسی ترتیب سے دہرائیں۔ بظاہر یہ کام بڑا آسان ہے اور practically جن ساتھیوں نے یہ کام کیا ہے جن کو میں مراقبے کی تربیت دینے کی کوشش کرتا ہوں تو ان دوستوں سے جب میں کہتا ہوں آپ اس قانون کو follow کرنے کی کوشش کریں تو آپ یقین کریں وہ ساتھی کہتے ہیں، ''سر دو تین منٹ گزرتے ہیں تو ہم سو جاتے ہیں''۔ سوئے بغیر صبح سے لے کر شام تک جو کام آپ نے جس ترتیب سے کیے ہیں اسی ترتیب سے اگر دہرا سکیں تو آپ مراقبے کی دُنیا میں کامیاب ہوں گے تو یہی قانونِ تلازمۂ خیال ہے۔ اب اس قانون میں تلازمۂ خیال کے ساتھ انسان کے بدن کے uncontrollable functions میں سے ایک function ہے انسانی ذہن کا ہر وقت تصویریں بناتے رہنا۔ اب جو انسانی ذہن ہر وقت تصویریں بنائے جا رہا ہے، ہر وقت ایک کام کیے جا رہا ہے۔ اگر آپ کی ۳۰ سال عمر ہے تو ۳۰ سال تک جو کام ہوتا رہا ہے، اگر ۵۰ سال ہے تو ۵۰ سال جو کام مسلسل ہوتا رہا ہے کہیں سٹور تو ہوا ہے ناں۔ اب اس کے دو حصے ہیں یا تحت الشعور میں ہے یا لاشعور میں ہے۔ تحت الشعور والا تو آپ کے کنٹرول میں

ہے لیکن لاشعور والا تو گیا۔اب اس پیالے کو واپس اُلٹنا ہے۔

اور دوسرا قانون جو کچھ انسان سوچتا ہے وہی تقدیر بن کے آتا ہے۔حدیث پاک کی دلیل دے دوں کہیں کوئی ساتھی یہ نہ کہیں کہ ساری انگریزی کی Terminology میں بات کررہے ہیں۔

اَلاَ عِندَ ظَنِّ عَبدِ بِہٖ

حدیث قدسی ہے: سرکار ﷺ فرماتے ہیں کہ میرے رب نے فرمایا کہ میں انسان کے خیال کے مطابق اس سے سلوک کرتا ہوں۔اگر کوئی کہتا ہے کہ پتا نہیں اللہ مجھے رزق دے گا یا نہیں۔اللہ کہتا ہے اچھا پھر میں بھی دیکھوں گا کہ دوں گا کہ نہیں۔اگر کوئی کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خواہ مخواہ مجھے بیماری میں مبتلا کر رکھا ہے تو اللہ تعالیٰ کہتا ہے ٹھیک ہے پھر میں قادر ہوں تو شفایاب ہو کے دیکھ۔جب کوئی کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر مصیبتیں ڈالی ہوئی ہیں تو رب کہتا ہے کہ اچھا ٹھیک ہے تو پھر میرے کسی غیر سے جا کر ان مصیبتوں کو ہٹوا کے دیکھ لیکن جب کوئی یہ کہتا ہے کہ میرا رب صبح سے لے کر شام تک مجھ پر کرم فرما رہا ہے؛ شام سے لے کر صبح تک مجھ پر کرم کی بارشیں برساتا ہے، میرا رب کریم ہے، میرا رب عظیم ہے، میرا رب قدّوس ہے، میرا رب صبوّح ہے، میرا رب رحمٰن ہے، میرا رب صمدَ ہے، میرا رب سُبحٰن ہے، **سُبحانَ رَبکَ رَبِ العِزتِ عَمَا یَصِفُونَ** ہے، جب ایک شخص اللہ کے بارے میں پیار و محبت کی سوچیں ہر وقت اپنے اس ذہن میں generate کرتا ہے تو رب کہتا ہے میرے بارے میں پیار سے سوچنے والے میں اپنا سارا پیار تجھے عطاء کرتا ہوں۔

اب ہوا یہ کہ جس انسان نے جو جو ذہنی تصویریں بنائیں وہی لوٹ کر اس کی زندگی

...یں! جب آپ سالک ہونے کی حیثیت میں ساتھیوں کی تربیت کریں گے تو دیکھیں کون سا ساتھی مایوس ہے اور اس کے کلمات مایوسانہ ہیں۔ کس کے کلمات میں اور کس کی سوچوں میں قنوطیت پائی جاتی ہے۔ کس کی سوچوں میں یاسیت ہے۔ کون بیچارہ اتنا پریشان ہے کہ رب کی رحمت کو پُکار نہیں سکتا تو آپ سب سے پہلے اُس سے کہیں کہ میاں! طریقت کی الف یہ ہے؛ ب کی بات بعد میں ہوگی، ت کی بات بعد میں ہوگی، طریقت کی الف یہ ہے کہ اپنی سوچوں میں نور لے آؤ۔ الف بات کیا ہے کہ اپنی سوچوں میں نور لے آؤ اور اب ایک ساتھی جو آپ کے پاس تربیت کے لیے تشریف لائے اور آپ ان کی تربیت فرما رہے ہیں۔ اس دورانِ تربیت وہ ساتھی آ کر کہتے ہیں کہ جناب آپ جو ابھی فرما رہے ہیں کہ میں الف کا آغاز اس طریقے سے کروں کہ میری سوچیں نوری ہوں۔ میں مثبت سوچوں اور میری سوچوں میں ارتقاء آئے تو جو اتنا عرصہ پہلے کی storage ہے، اُس کو میں صاف کیسے کروں گا؟ یوگا کی discussion کے لیے یہ سوال رکھتے ہیں۔

یوگا کی بہت ساری قسمیں ہیں۔ شکتی یوگا ہے، کنڈلینی یوگا ہے، ہاتھا یوگا ہے، رادھا یوگا ہے۔ ان میں سے ایک کارمہ یوگا بھی ہے۔ کارمہ یوگا والے کہتے ہیں؛ ہندوؤں نے بھی اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ انسان جو کچھ پہلے کرتا رہا ہے اسی کے results اس کی زندگی میں آتے رہتے ہیں۔ ان کے ہاں بھی یہ سوال ہے ہمارے ہاں بھی اور سائنس کی دُنیا میں بھی یہی ہے کہ جو کچھ انسان سوچتا ہے اور کرتا ہے اس کے after effects اس کے repercussions اگر غلط کام تھے تو انسان کی زندگی میں لوٹ کر آتے ہیں۔

اب ایک سالک آپ کے پاس آ گیا اور آ کر کہتا ہے کہ جناب! اتنا عرصہ میں اس

حال میں رہا ہوں ابھی میں آپ کو سوال سمجھا رہا ہوں یاد رکھیئے گا! کہ کسی ساتھی نے اپنی زندگی ایسی سوچوں میں گزاری کہ جو سوچیں قابل اعتراض ہوں ایسی پریشانیوں اور تنگیوں میں گزاری ہو کہ وہ کبھی خوش نہ رہا ہو۔ ایسے اضطراب میں گزاری ہو کہ اُس کو سکون نہ ملا ہو۔ اب اُس کے تحت الشعور کی صفائی آپ نے کرنی ہے یہ کوئی معمولی کام نہیں ہے۔ اُس نے دُنیا کا سب سے مشکل کام آپ کے سپرد کر دیا ہے اور بے شمار ڈاکٹر اس لیے پریشان ہو جاتے ہیں، بے شمار طبیب اس لیے علاج نہیں کر سکتے کہ وہ بیماری ظاہری نہیں روحانی ہوتی ہے۔ وہ بیماری روح کی بیماری ہوتی ہے اور اس کے اثرات سارے بدن پر ظاہر ہوتے ہیں۔

اب سوال آپ نے سمجھ لیا ہو گا یہ کوئی مشکل سوال تو نہیں ہے۔ میں نے کوشش تو بہت ساری کی ہے کہ یہ بات آپ کی سمجھ میں آ جائے۔ سوال یہ نکلا کہ اگر کوئی شخص مدتوں کسی ایسی کیفیت میں رہا ہو کہ جس کے تحت الشعور میں زہر جمع ہو چکا ہو، تاریکیاں جمع ہو چکی ہوں، اب وہ راہِ سلوک پر چلنے کے لیے آپ کے پاس آیا ہو آپ نے اُس کے تحت الشعور اور لاشعور کی صفائی کیسے کرنی ہے؟

جب ایک سالک راہِ سلوک پر چلتا ہے یا ایک اچھا انسان اچھی زندگی شروع کرنے کی کوشش شروع کرتا ہے تو اس وقت کی تحقیق یہ بتا رہی ہے اور ہر دور کی تحقیق یہی بتاتی ہے کہ انسان کا ماضی انسان کا گزرا ہوا وقت انسان کے مستقبل کو determine کرتا ہے یعنی ماضی، مستقبل بن کر ظاہر ہوتا رہتا ہے اور ماضی کے تجربات انسان کے مستقبل کو ہر لحاظ سے متاثر کرتے ہیں۔ اب ہم نے جو سوال اُٹھایا تھا، کسی اچھے دوست کے کہنے پر کہ اگر کوئی راہِ سلوک پر چلنا چاہتا ہے، راہِ صداقت اور راہِ حقیقت پر چلنا چاہتا ہے تو ماضی سے، وہ جو اس

کے ایسے تجربات ہیں جن کو وہ پسند نہیں کرتا یا ایسے تجربات جو خوش آئند نہیں ہیں تو اُن تجربات سے وہ جان کیسے چھڑائے؟

اَلاَ اِنَ اَولیاءَ اللہِ لَا خَوفٌ عَلیھِم وَلاھُم یَحزَنُون

آپ کے سامنے میں نے جو یہ آیتِ کریمہ پڑھی ہے وہ آپ سب کو اچھی طرح یاد ہے کیونکہ اکثر علماء بھی اسی پر تقریریں کرتے ہیں اور جہاں کہیں شانِ اولیاء کو بیان کرنا ہو تو اسی آیت کو موضوع بناتے ہیں کہ اللہ کے ولیوں کی پہچان یہی ہے کہ ان کو کوئی خوف نہیں ہوتا، کوئی حزن نہیں ہوتا۔

اب یہ خوف کی تعریف کیا ہے؟ اس کو ذرا سمجھئے۔ جب انسان اس دُنیا میں آتا ہے تو کچھ تجربات ایسے ہوتے ہیں کہ جن سے اس کو ضرر پہنچتا ہے مثلاً ایک بچہ ہے اس نے غلطی سے آگ کو چھولیا تو ظاہر ہے وہ آگ اس کو جلائے گی اور جلن سے درد ہوگا۔ اس درد کا تجربہ بچے کے ذہن میں باقی تجربوں کی نسبت ذرا زیادہ تیز ہوگا۔ اب اگر بچے نے پانی پیا تو وہ ایک نارمل تجربہ ہے عمومی تجربہ ہے لیکن جب اس کو آگ نے جلایا تو یہ normality سے ہٹ کر عام سطح کے تجربے سے ہٹ کر ایک تجربہ ہے کہ آگ نے بچے کو جلایا اور اس جلن کے نتیجے میں بچے کو درد ہوا اور وہ درد بچے کے لاشعور میں بیٹھ گیا۔ اب یہ غیر معمولی تجربہ بچے کو ہوا اور بچے کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی کہ جب آگ کو چھوا جائے تو جلاتی ہے اور جلن سے درد ہوتا ہے۔ یہ غیر معمولی تجربہ بچے کے لاشعور میں چلا گیا۔ اگر بچے کو یاد رہا تو تحت الشعور میں ہے اور اگر یاد نہ رہا تو لاشعور میں چلا گیا۔ کسی نے بچے کو مارا، تھپڑ رسید کر دیا یا ڈنڈا دے مارا یا کوئی پرچ پیالی دے ماری جیسے مائیں کرتی ہیں تو بچہ زخمی ہو گیا اور یہ تجربہ غیر معمولی ہو گیا تو بچہ اس کو عام تجربات کی

نسبت زیادہ اہمیت دے گا اور اگر بھول بھی جائے تو اس کی شخصیت پر اس کا جو اثر ہے وہ زیادہ گہرا ہوگا۔ اب جو تجربات غیر معمولی ہوتے ہیں وہ عمومی تجربات سے زیادہ اثر رکھتے ہیں۔ یہ بات سمجھ آ رہی ہے ناں؟ یہ ایک درس ہے تقریر نہیں ہے! غیر معمولی تجربات عمومی تجربات کی نسبت زیادہ اثر رکھتے ہیں۔ اب اگر وہ لاشعور میں چلے گئے یعنی شعور اور تحت الشعور کی دُنیا سے پرے نکل گئے، یاد رکھیئے کہ لاشعور، تحت الشعور اور شعور میں ایک پردہ حائل ہے درمیان میں، اس پردے کو اُٹھا دینے کا نام روحانیت ہے۔ اگر کسی نے لاشعور اور شعور کے درمیان کا پردہ اُٹھا لیا تو وہ اُس دُنیا میں جھانک سکے گا جہاں فرشتے بھی ہوتے ہیں۔ وہ اُس دنیا میں جھانک سکے گا جہاں روحیں رہتی ہیں۔ وہ اُس دنیا میں جھانک سکتا ہے جہاں اس کے سابقہ تجربات چلے گئے۔ وہ اُس دنیا میں جھانک سکتا ہے جہاں پر تصرفات ہوتے ہیں۔ اب جب آپ کی زندگی کا کوئی تجربہ لاشعور میں چلا گیا تو اس کا اثر انسان کی زندگی پر کتنا گہرا ہوگا۔ میں چند ایک مثالیں پیش کرتا ہوں اُن کو ذہن میں رکھیئے۔

ایک دفعہ ابھی چند دن پہلے میں ایک ویگن میں سفر کر رہا تھا۔ ایک صاحب نے ایک بات سنائی میں نے فوراً اس کا تجزیہ کر لیا اور سمجھ گیا کہ اس بات کے پیچھے کیا حقیقت ہے۔ بات یہ تھی کہ ایک عیسائی ہے اور اس کا ایک بچہ ہے اس بچے نے علمِ دینِ اسلام نہیں پڑھا۔ ظاہر ہے وہ عیسائی ہے۔ مشہور یہ ہے کہ ایک جن کا اس پر سایہ ہے اور جب اس کو جن پڑتا ہے تو وہ سورۂ یٰسین پڑھنا شروع کر دیتا ہے۔ سارے لوگ یہ جو جنات کے عامل ہوتے ہیں اس کے علاج سے عاجز آ چکے ہیں۔ اس کو کسی ماہرِ روحانیت کے پاس لے جایا گیا جو Psychoticism کا ماہر تھا۔ Psychoticism کہتے ہیں علمِ روحانیت کے مطالعہ کو یہ اُن

علوم کو کہتے ہیں جن کا تعلق انسان کی روحانی دنیا سے ہو۔ میں موجودہ اصطلاحات بھی استعمال کر رہا ہوں تا کہ آپ کو علمی تشنگی نہ رہے۔ اگر کوئی کہے Psychic Sciences تو اس کا مطلب ہوگا کہ اس دور میں جن علوم نے انسان کی روح کے مطالعے کی کوشش کی ہے، ان علوم کو Psychic Sciences کہتے ہیں۔ اگر اس موضوع پر آپ کو خالص ایک علمی کتاب پڑھنے کا ذوق ہو تو میں آپ کو C.G.Jung کی کتاب جو اس صدی کا بہت بڑا نفسیات دان ہے اور بہت ساری باتیں میں اس کے مطالعے کے حوالے سے بھی کر رہا ہوں۔ اس نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے Modern Man in Search of his Soul یعنی ''اس دور کا انسان روح کی تلاش میں'' اب ایک عیسائی کا بچہ اور بقول اس شخص کے اس کو جن پڑتا ہے اور جب جن پڑتا ہے تو وہ باوجود اس کے کہ اس نے قرآن نہیں پڑھا وہ تلاوت شروع کر دیتا ہے۔ ایک ماہرِ روحانیت کے پاس یہ مسئلہ لے جایا گیا تو اس نے اس کے اس مسئلے کی تحلیل کی۔ تحلیل کہتے ہیں کسی انسان کے ماضی کے تجربات میں جھانک کر یہ تلاش کر لینا کہ کون سا مسئلہ اس کی آنے والی زندگی پر اثر انداز ہو رہا ہے؛ موضوع ذرا مشکل بھی ہے لیکن سمجھنے کی کوشش کریں کہ کون سا واقعہ اس کی بعد کی زندگی پر اثر انداز رہا ہے تو اس نے یہ کیا۔ وہ جو علمِ روحانیات کے ماہر ہیں وہ کیا کرتے ہیں؟ وہ کہتے ہیں کہ ساری زندگی کے واقعات کو یا تو یہ خود سُنائے یا کوئی اس کا عزیز سُنائے۔ جب اس کی زندگی کے واقعات پر نظر ڈالی جائے گی تو اس کی بعد میں آنے والی پریشانیوں اور اضطراریوں کا بیج کہیں اس کے ماضی میں ملے گا۔ اب جب اس کی تحلیلِ نفسی (Psycho analysis) کی گئی تو پتا یہ چلا کہ ان کے گھر میں بچپن میں کوئی ملازم رہا کرتا تھا جو مسلمان تھا۔ وہ مسلمان ملازم صبح صبح

سورہ یٰسین کی تلاوت کیا کرتا تھا اور ساتھ ہی ساتھ اس بچے سے یہ کہا کرتا تھا کہ سورہ یٰسین پڑھو تو جن قابو ہوتے ہیں۔ اب بچے کے تحت الشعور اور پھر لاشعور میں یہ بات چلی گئی کہ یہ وہ وظیفہ ہے جس سے جن قابو ہوتے ہیں۔ اب اس وظیفے کا تصور بھی آ گیا اور جن کا تصور بھی آ گیا، بعد میں اس بچے کے اوپر یہ کیفیت جو اس کے ذہن کا ایک جُز و لاینفک بن چکی تھی recurrent ہوئی یعنی جب دوبارہ لوٹ کر آئی تو وہ جن یا آسیب کی صورت میں اس پر ظاہر ہوئی۔

اب میں آپ کو مثال نمبر ۲ دیتا ہوں کہ ایک صاحب نے اپنے والد صاحب سے تلخ کلامی کی۔ باپ بیٹا دونوں لڑ پڑے اور بیٹے نے، وہ کوئی بدنصیب قسم کا بیٹا تھا باپ کو تھپڑ دے مارا۔ تھپڑ مارنے کے بعد اس کو مذہبی دنیا کی باتیں یاد آئیں اگر کوئی اپنے والدین کو مارے تو جہنمی ہوتا ہے اور اس کی دُعا قبول نہیں ہوتی، اس کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ اب اس کے لاشعور میں اور اس عمل میں ایک conflict شروع ہو گیا یعنی ایک طرف سزا کا تصور ایک طرف غلطی کا تصور یہ دونوں چیزیں مل کر اس کو پریشان کرتی رہیں۔ جب اس کا والد فوت ہوا تو اس کے والد کے فوت ہونے کے ساتھ ہی جس ہاتھ سے اس نے والد کو تھپڑ مارا تھا وہ ہاتھ مفلوج ہو گیا۔ اب ماضی کا وہ تجربہ جو گناہ سے تعلق رکھتا تھا جب اس کی recurrent ہوئی یعنی بازگشت ہوئی تو وہ اس کے ہاتھ کے مفلوج ہونے کی صورت میں ظاہر ہوا۔ آپ نے اس موضوع پر کبھی پہلے بات نہیں سنی ہو گی۔ سمجھا کیا رہا ہوں کہ انسان جو کچھ ماضی میں کرتا ہے ماضی کے experiences مستقبل میں ظاہر ہوتے ہیں۔

ایک اور مثال لے لوں۔ ایک صاحبہ کسی مرض میں مبتلا ہو گئیں۔ دمے کے مرض

میں مبتلا ہو گئیں۔ جب اس کو کسی علمِ روحانیت کے ماہر کے پاس لے جایا گیا تو اس نے اس کی تحلیل نفسی کی تو پتا یہ چلا کہ جب یہ بچی تھی تو ایک دفعہ اس کی ماں اس کو باہر لے گئی۔ جب واپس آئی تو اس کو بہت زیادہ بھوک لگی ہوئی تھی۔ گھر میں دودھ رکھا ہوا تھا۔ ماں نے کمرے کے اندر رکھا ہوا دودھ اس کو پلا دیا؛ یہ نہ کہیں کہ ساری کہانیاں سنائی ہیں آج یہ کہانیاں نہیں سچے واقعات ہیں، جن سے نتائج اخذ کر رہا ہوں۔ اب ہوا یہ کہ تھوڑی دیر کے بعد بچی کی دادی آئی اور بہو سے کہتی ہے کہ یہ جو دودھ اندر رکھا ہے یہ کسی کو نہیں پلانا کہ اس میں بلی منہ ڈال گئی تھی کیونکہ بلی کا چھوڑا ہوا دودھ پینے سے دمہ ہوتا ہے۔ اب بچی کے ذہن میں فوراً یہ بات بیٹھ گئی کہ بلی کا چھوڑا ہوا دودھ پینے سے دمہ ہوتا ہے لہٰذا مجھے دمہ ضرور ہوگا۔ اب اس وقت تو نہ ہوا لیکن جب جوان ہوئی تو ہو گیا کیونکہ لاشعور میں یہ بات بیٹھی ہوئی تھی کہ بلی کا چھوڑا ہوا دودھ پینے سے دمہ ہوتا ہے۔ لاشعور نے وہ پوٹلی تیار رکھی یاد رکھیں! لاشعور بڑی شرارتی چیز کا نام ہے۔ یہ کوئی چیز ضائع ہونے نہیں دیتا۔ کوئی خیال، کوئی عمل، کوئی سوچ جو آپ کی دُنیا سے ہو گزری ہے وہ لاشعور کے اندر موجود ہے اور جب چاہے گا وار کرے گا۔ آپ کسی کو تلوار دے رہے ہیں اور پھر تلوار دے کر گالی دے رہے ہیں تو یقیناً گردن اُڑائے گا۔ آپ نے اپنے لاشعور کو جو کچھ دے رکھا ہے جوں جوں اس کو موقع ملتا جائے گا وہ اس کو واپس لاتا جائے گا! یہ اس کا فارمولا ہے تو جب وہ جوان ہوئی تو اس کو دمہ ہو گیا۔ تحلیل نفسی کرنے والے شخص نے یہ کہا کہ تیرے دمے کی وجہ وہ پُرانا واقعہ ہے۔ وہ statement ہے کہ بلی کا چھوڑا ہوا دودھ پینے سے دمہ ہوتا ہے۔ ایک صاحب پانی سے نہیں گزرتے تھے۔ ڈیڑھ انچ، دو انچ پانی گہرا ہو یا پانچ سات انچ بھی گہرا ہو تو پاؤں بھی نہیں ڈوبتا لیکن وہ پانی کو دیکھ کر تھر تھر کانپتے تھے۔ بڑا علاج کرایا، جسے کہتے ہیں ناں

الرجی۔ الرجی کے مرض کا سبب بھی یہی ہے کہ زندگی کا کوئی ایک تجربہ جو انسان کو تلخ لگا ہو، وہ تجربہ اس قسم کے تجربے کو دہرانے سے منع کرتا ہے۔ اب ان صاحب کو Hydrophobia تھا یعنی پانی کا خوف۔ بڑا علاج کرایا لیکن ٹھیک نہ ہوا۔ علمِ روحیت کے پاس جا کر بتایا گیا کہ یہ مسئلہ ہے۔ اس نے زندگی کے سارے واقعات سنے۔ ایک واقعہ اس نے یہ سنایا کہ ایک دن میں بکریاں چرا کر واپس آ رہا تھا شام ہو گئی۔ ہمارے گھر کے پاس ایک ندی بہتی تھی اس کا پانی چار، پانچ انچ گہرا تھا۔ ذرا چوڑی تھی وہ ندی۔ میں نے دیکھا ندی کے عین پار کفن میں لیٹا ہوا ایک مردہ بھی پانی پی رہا ہے۔ میں گھبرا گیا پانی وہیں چھوڑا اور گھر آ کے دم لیا۔ ماہرِ نفسیات نے کہا میاں! وہ مردہ تم نے خود دیکھا؟ کہتا ہے جی نہیں! اس نے کہا چلیں وہاں جا کر دیکھتے ہیں۔ وہاں جا کر دیکھا تو پتا چلا کہ وہاں پر PWD والوں نے ایک درخت کاٹا تھا۔ جس کو چونا لگا ہوا تھا اور وہ درخت ندی کے کنارے پڑا تھا۔ پانی کا بہاؤ چونکہ تیز تھا کہ لہروں کے ساتھ اور ہوا کی تیزی کے ساتھ وہ درخت ہل رہا تھا۔ یہ بات اس کے لاشعور میں ایسی بیٹھی کہ اسے پانی سے الرجک کر دیا۔ کوئی صاحب مچھلی کھاتے تو قے ہو جاتی لاکھ علاج کیا نہ ٹھیک ہوئے جب تحلیلِ نفسی کی گئی تو پتا چلا بچپن میں ایک دن ان کے پیٹ میں بیماری تھی مچھلی کھائی تو اور بیمار ہو گئے۔ پھر ذہن میں یہ بات سوچ لی کہ آئندہ مچھلی نہیں کھانی مچھلی انسان کے پیٹ کی بیماریاں پیدا کرتی ہے۔ جب کھاتے تو اُلٹی۔ تو ماہرِ نفسیات نے اس سے کہا کہ میاں! اصل میں تمہارا پیٹ پہلے ہی خراب تھا۔ اب یہ جو سارے واقعات میں آپ کی خدمت میں عرض کیے ہیں یہ اس لیے بتا رہا ہوں کہ آپ اس فارمولے کو سمجھ جائیں۔

ایک آٹھ دس سال کا بچہ ہے۔ سیڑھیاں اوپر نہیں چڑھ سکتا۔ اوپر جانے سے ڈرتا

ہے۔عجیب وغریب بات ہے لفٹ میں بٹھاؤ تو ڈرتا ہے۔ جہاز کے سفر کا تصور آئے تو اس کی تھرتھری چھوٹ جاتی ہے۔ جب اس کی تحلیلِ نفسی کی گئی تو پتا چلا بچپن میں ایک ملازم تھا اور وہ ملازم اس طرح بچے کو اوپر اچھالتا تھا۔ظاہر ہے جب بچہ اس طرح پتھر کی طرح اوپر جائے گا تو ڈرے گا۔ نیچے آئے گا اس کو خوف محسوس ہو گا۔اب بچے کے ذہن میں یہ خوف بیٹھا ہوا تھا۔جب بچہ بڑا ہوا تو یہ خوف اس کے لاشعور میں چلا گیا۔وقتی طور پر وہ بھول گیا لیکن لاشعور نے اس کو یہ تازیانہ لے کر بار بار مارا۔یوں کہنا چاہیے کہ جس چیز سے انسان الرجک ہو جائے، جس چیز سے انسان کراہت feel کرے، ماضی میں تلاش کریں کہ یہ تجربہ کب ہوا تھا۔آپ کو اس تجربے کی تلخی کے بیج ماضی میں مل جائیں گے۔اب یہ سارے واقعات میں نے بطور دلیل عرض کیے ہیں۔

یہ سارے واقعات کیا بتاتے ہیں کہ انسان زندگی میں جب غیر معمولی تجربے سے گزرے اور وہ غیر معمولی تجربہ لاشعور میں چلا جائے تو آنے والی زندگی میں وہ غیر معمولی تجربہ اثر انداز ہوتا رہتا ہے، باقی زندگی پر۔اب کسی شخص نے گناہ ظلم یا ایسی چیزیں کی ہوں جو غیر معمولی ہوں اور وہ بھول بھی گیا ہو تو اس کا اثر آنے والے دور میں بڑھتا رہے گا۔

آج بھی وضاحت سوال ہی کی ہوئی ہے کہ ہمارا مسئلہ کیا ہے؟ کافی گفتگو ہو چکی تو اگلے سیشن میں اس بات کو اچھی طرح یاد رکھیئے گا کہ اگر لاشعور کے ہاتھ میں کوئی تازیانہ آہی گیا ہے، جو بار بار ہم پر برسا رہا ہے؛ یہ واقعات جو ہمارے لاشعور میں چھپے بیٹھے ہیں چوروں کی طرح سے ہم ان کو غیر موثر کس طرح سے بنائیں؟ جب تک آپ اس بات کو نہیں سمجھیں گے میں آپ کو لکھ کر دیتا ہوں کہ روحانیت کی گردِ راہ کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔لوگ دعوے تو

بڑے کرتے ہیں روحانیت دکھانے کے لیکن جو تجربات گزر چکے ہیں ان کو غیر مؤثر کرنا، بات یہیں سے تو شروع ہوتی ہے۔اب کسی انسان کے کریڈٹ میں ماضی کے انتہائی درجے کے ظلم موجود ہیں، اس نے زیادتیوں پر زیادتیاں کی ہیں، گناہ پر گناہ کیے ہیں اور وہ سارے کا سارا زہر اس کے لاشعور میں موجود ہے اور وہ اُوپر سے پڑھتا ہے، **يَا سُبحَانُ يَا سُبحَانُ يَاحيىُ يَا قَيوم** تو یاد رکھیے! جب تک اس سمندر کو اُلٹا نہیں جائے گا یا صفائی نہیں ہوگی اور ہم اس لاشعور سے جن ہتھیاروں سے وہ بات کرتا ہے، وہ ہتھیار نہیں چھینیں گے اس وقت تک ہمارا سفر شروع نہیں ہوگا اور مکمل بھی نہیں ہوگا۔

یہ بڑا complex process ہے۔ یہ بڑا پیچیدہ نظام ہے۔ یہ اتنا سادہ نہیں ہے جتنا لوگوں نے سمجھا ہوا ہے۔ تین دن کا چلہ کاٹو تو پیر بن جاؤ گے۔ نہیں! انسانی روح کے مراحل، مدارج ان کو ہر سطح پر دیکھ بھال کی ضرورت ہے۔ آپ گھبرائیں نہیں میں اپنے دوستوں کو جو material پیش کر رہا ہوں بڑی ذمہ داری کے ساتھ پیش کر رہا ہوں۔ اگلی محفل میں ہم انشاء اللہ بات کریں گے کہ انسان کی لاشعوری اور تحت الشعوری دنیا کی صفائی کیسے کی جا سکتی ہے۔

وَمَا عَلَينَا اِلَا البلاغ المبين

من کی صفائی

انسان کی لاشعوری دنیا میں اس کی storage میں جو کچھ بھی ہوتا ہے اس کے مستقبل کی صورت گری کرتا ہے۔ لاشعوری یا unconscious سٹور میں جو کچھ بھی رکھا ہوا ہے اگر اس میں کچھ تجربات ایسے ہیں جو سخت ہیں اور تلخ ہیں، پریشان کن ہیں اور انسان کو ذہنی طور پر مفلوج کرنے والے ہیں اور وہ تجربات اگر لاشعور میں رہ گئے تو وہ زہر بنتے ہیں اور مستقبل میں پھر انسان کی یا تو جسمانی بیماری کی صورت میں ظاہر ہو جاتے ہیں یا ظاہری طور پر دنیا میں کوئی اور مصیبت بن کے آتے ہیں اور اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ جن کا ماضی داغدار ہو اور جن کے ماضی میں تجربات تلخ ہوں آخری عمر میں وہ ذہنی توازن برقرار نہیں رکھ سکتے۔ اب اس عدم توازن کی سطح کوئی بھی ہو، یہ ضروری نہیں کہ کوئی پاگل ہی ہو یعنی ذہن کا وقتی طور پر ذرا سا ڈسٹرب ہو جانا، یہ بھی دلیل اس بات کی ہے کہ past experiences جو ماضی کے تجربات ہیں ان میں کہیں کوئی نہ کوئی چور چھپا بیٹھا ہے جس کو نکالنے کی ضرورت ہے!

ایک سالک جب اپنے دوستوں کی تربیت کرنے بیٹھا ہے۔ اس رستے پر چلنے والا سالک اپنے اندر کی؛ جسے کہتے ہیں ناں ''من کی صفائی'' یہ من کیا چیز ہے؟ یہ من وہی ہے جسے آپ لاشعور کہتے ہیں اور یہ من وہی ہے جس کے بارے میں اقبال نے فرمایا تھا کہ

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی

یہ وہی من ہے۔

من کی دنیا میں نہ پایا میں نے افرنگی کا راج

من کی دنیا میں نہ دیکھے میں نے شیخ و برہمن

یہ وہی من ہے جس کے سمندر میں موتی بھی موجود ہیں، من کے سمندر میں خزانے بھی موجود ہیں بلکہ یوں کہہ لیں من کے اندر ایک پوری کائنات موجود ہے۔ انسان اس سطح پر، شعوری سطح پر ایک ذہن رکھ کر انفرادی سطح پر سوچتا ہے۔ سوچنے والا ایک فرد ہے اور سوچنے والا ایک ذہن ہے لیکن جب وہ من کی دنیا میں غوطہ زن ہوگا تو اس کا رابطہ ہو جائے گا آفاقی ذہن سے جس کو آپ Universal Mind کہتے ہیں۔ میں نئے دور کی اصطلاحات میں اس لیے بات کرتا ہوں کہ پرانے دور کی باتیں پرانے تقاضوں کے مطابق ہوا کرتی تھیں۔ اولیائے کرام نے ان دنوں میں جو بھی اصطلاحات وضع فرمائی تھیں اپنے اس نظریہ ضرورت کے مطابق وضع فرمائی تھیں۔ آج کل کے دور میں نوجوان Biology پڑھتے ہیں، فزکس پڑھتے ہیں، کیمسٹری پڑھتے ہیں، سائیکالوجی پڑھتے ہیں، پولیٹیکل سائنس پڑھتے ہیں، اکنامکس پڑھتے ہیں، اب یہ اصطلاحات نوجوانوں کے ذہنوں میں زندہ ہوتی ہیں تو نئی نفسیات کی اصطلاحات میں بات کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ نوجوانوں کے ذہن میں پڑھے لکھے نوجوانوں کے ذہن میں جو اصطلاحات زندہ جگمگا رہی ہیں ان کی روشنی میں بات کریں۔

اگر من کی تشریح کریں تو ممکن ہے اس دور کے نوجوان نے اپنے علوم کی دنیا میں لفظِ من کی تشریح نہ پڑھی ہو تو ان کے لیے اس بات کو سمجھنا ذرا مشکل ہو جائے گا۔ اگر میں Subconscious, Conscious اور Unconscious کے حوالے سے بات

ہیں تو پھر نوجوانوں کے لیے اس دور کی اصطلاحات کے جاننے کی بناء پر اس بات کو سمجھنا آسان ہو جائے گا۔اب ہم جو بات شروع کر رہے ہیں یہ بات بھی بڑی لمبی ہوگی۔اس کا ایک ایک نکتہ سمجھنے کا ہے کہ ایک سالک نے اپنی تربیت کے دوران آغاز کیا ہے اپنے من کو صاف کرنے کا۔اب ایک قانون یاد رکھئے کہ کائنات کے اندر دو forces ہیں۔ہم نے اپنے سوال کا جواب شروع کرنا ہے؛سوال تھا من کی صفائی کا،اب جس شخص کا ماضی داغدار ہو،اس کے من کی صفائی نہیں ہوتی تو بے چارہ مستقبل میں روحانیت کی دنیا میں ٹھوکریں کھا جائے گا۔جس طرح میاں صاحب فرماتے ہیں کہ

تھوڑی گلی کنڑے وچ ٹوئے
ٹھہ ٹھہ پینڈ نروئے
سنبھل کے پیر ٹکاویں جنڑیا
بڑے تماشے ہوئے

یہ وہی بات ہے کہ جب تک اندر کے لاشعوری چوروں کو نہیں نکالا جائے گا،بات نہیں بنے گی۔

کائنات کے اندر دو forces ہیں جو ہر وقت جاری اور ساری ہیں جن کے اعمال phenomena جن کے مظاہر فطرت ہر وقت جاری ہیں:ایک فورس ہے نور کی اور ایک فورس ہے ظلمت کی۔اب یاد رکھئے!کہ پہلا قانون یہ ہے کہ اندھیرے کی فطرت میں پھیلنا نہیں ہے۔نور کی فطرت ہے پھیلنا۔اندھیرے کی فطرت ہے سمٹنا،نور جائے گا تو اندھیرا خود بخود آ جائے گا لیکن اگر نور آ گیا تو نور پھیلے گا اندھیرا نہیں پھیلے گا۔یہ فرق ہے۔

اب نور کی forces ایک طرف ہیں جو تاریکی کی forces ہیں وہ ایک طرف ہیں۔ دونوں at a time اپنے اعمال جاری رکھیں گی۔ایک کے نتیجے میں دن آتا ہے۔دوسری کے نتیجے میں رات آتی ہے۔ایک کے نتیجے میں نیکیاں ہوتی ہیں دوسری کے نتیجے میں برائیاں ہوتی ہیں۔ایک کے نتیجے میں خوشیاں ملتی ہیں دوسری کے نتیجے میں غم ملتے ہیں۔ ایک کے نتیجے میں صحت ملتی ہے دوسری کے نتیجے میں بیماری۔ایک کے نتیجے میں سرور ملتا ہے دوسری کے نتیجے میں پشیمانی۔ایک کے نتیجے میں سکون ملتا ہے دوسری کے نتیجے میں بے سکونی ملتی ہے۔اب ان دونوں کے اعمال simultaneously جاری ہیں۔

اب ایک انسان جب اس کو اس دنیا میں بھیجا گیا تو اس کو باقی اختیارات کے علاوہ ایک اختیار سوچنے کا دیا گیا۔جسے آپ کہتے ہیں ناں freewill آزادی سے سوچنا۔اب ہم یہاں بیٹھے ہوئے ہیں تو ہم سوچ رہے ہیں۔یہ بات اپنے مقام پر رکھئے۔اب دوسری بات کہ انسانی بدن کے دو functions ہیں یعنی ایک تو بات میں نے یہ کی ہے کہ اس کائنات کے اندر دو قسم کی forces ہیں۔light کی forces اور darkness کی forces۔قانون نمبر ۲ کہ اندھیرے کی فطرت میں ہے سمٹنا اور نور کی فطرت ہے فروغ یعنی پھیلنا۔اس کے بعد تیسرا قانون جو آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا ہے کہ انسان کو جہاں باقی قوئی عطا کیے گئے ہیں وہاں انسان کو free-will کی قوت بھی عطاء کی گئی ہے یعنی آزادی کے ساتھ سوچنے کی صلاحیت۔

اب اگلی بات یہ کر رہا ہوں کہ انسانی بدن کے دو قسم functions ہیں: ایک اختیاری افعال اور دوسرے غیر اختیاری افعال۔انسانی ذہن کی دو جہتیں ہیں: ایک جہت میں وہ غیر اختیاری ہے اور ایک جہت میں وہ اختیاری ہے۔اختیاری اعمال تو سارے کرتے ہیں

لیکن روحانیت اس بات کا نام ہے کہ انسان غیر اختیاری اعمال پر بھی کنٹرول حاصل کر لے۔ Examples موجود ہیں کہ جن کو اللہ کریم نے نورِ باطن عطا کیا اور باطن کی قوت عطا فرمائی وہ دل کے اوپر اتنا کنٹرول رکھتے ہیں کہ heart beat کو کنٹرول کر لیتے ہیں حالانکہ heart beat کو کنٹرول کرنا یہ ممکن ہی نہیں ہے لیکن وہ heart beat کو کنٹرول کر کے آرام سے بیٹھ جاتے ہیں۔ اسی طریقے سے دورانِ خون کو کنٹرول کر لیتے ہیں۔ یہاں تک دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض مشائخ نے بڑی دیر تک اپنے بدن کو بے حس وحرکت رکھا اور بدن کے بالوں کو بھی بڑھنے سے روک دیا اور انسانی ذہن جو ہر وقت سوچتا رہتا ہے یہ سوچنا اس کی فطرت ہے۔ سوچنے کو ذہن سے اور ذہن کو سوچنے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ اب چونکہ ایک عام انسان ہم جیسا روحانیت کے سفر پہ نکلا ہے تو سب سے پہلی بات ہے کہ اس کو اپنے ذہن کی دنیا میں جھانکنا ہوگا۔ یہ سوچ جا رہا ہے اور یاد رکھئے! کہ بدن کے اوپر گزرنے والی ہر کیفیت اسی من کی دنیا میں جاتی ہے۔ ذہن سوچتا جا رہا ہے اور ہر سوچ travel کرتی کرتی تحت الشعور اور لاشعور میں چلی جا رہی ہے اور دلچسپ بات یہ کہ ذہن جاگتا ہے تو بھی سوچ رہا ہے اور سوتا ہے تو بھی سوچ رہا ہے۔ چوبیس گھنٹے اس کا function ہارٹ کی طرح جاری ہے۔ یوں کہنا چاہئے کہ من کی storage میں ایک ایک چیز چلی جا رہی ہے۔

اب یہاں پر ایک نکتہ سامنے آ رہا ہے کہ ایک چیز من کی storage میں تو جا رہی ہے لاشعور میں جا رہی ہے لیکن وہ جانے والی چیز کیا ہے۔ اگر ایک تالاب سخت ٹھنڈے پانی سے بھرا ہوا ہو اور اس میں بہت زیادہ پانی ہو اور آپ بجلی کا ایک راڈ اس میں ڈال دیں اور تھوڑا تھوڑا کرنٹ اس کو دیتے رہیں تو کیا اس کی ٹھنڈک باقی رہے گی؟ اس کی ٹھنڈک اس لیے باقی

نہیں رہے گی کہ اس میں اور ٹھنڈا پانی آنے کا انتظام نہیں ہے لیکن بجلی کے کرنٹ جانے کا نظام مسلسل موجود ہے۔ اس لیے پانی کا وہ ٹھنڈا ٹینک آگ بن جائے گا اور ایک stage ایسی بھی آئے گی کہ وہ دھواں بن کے اُڑ جائے گا۔

اب ایک انسان نے اپنی زندگی کی ابتداء سے لے کر آج تک سوچیں سوچی ہیں۔ چوبیس گھنٹے سوچتا رہا ہے اور چوبیس گھنٹے دنوں میں پھر ہفتوں میں اور ہفتے مہینوں میں اور مہینے سالوں میں اور سال عشروں میں ایک پوری زندگی میں اس نے جو کچھ سوچا ہے، وہ اس کی من کی دنیا میں موجود ہے۔ اب اس کو یہ سوچنا چاہئے کہ میں جو کرنٹ بھیجتا رہا ہوں کہیں ایسا نہ ہو اس نے سارے ٹھنڈے پانی کو گرم کر دیا ہو یا اس کو دھواں بنا کر اُڑا دیا ہو۔ اب اگر ایسا نہ ہوا کہ اس نے مثبت سوچیں سوچی ہوں تو یوں کہنا چاہئے کہ اس کے من کی دنیا میں اتنا بڑا طوفان موجود ہے کہ جب وہ مستقبل کی صورت گری کرے گا تو اس کو کہیں کا نہ چھوڑے گا۔ یہاں میں آپ کو ایک recommendation دوں گا کہ آپ کسی ساتھی کی زندگی کو study کرنا چاہ رہے ہیں تو آپ اس کو یہ نصیحت کریں کہ اگر اس نے منفی سوچیں سوچی ہیں تو یہ اس کا اختیاری فعل ہے، خدا کے لیے سوچیں تو مثبت سوچیں۔ ایک انسان اگر صحت کے بارے میں سوچ سکتا ہے تو بیماری کے بارے میں کیوں سوچے یعنی اگر اس کے ذہن میں صحت کا image بن سکتا ہے تو بیماری کے images کیوں بناتا ہے۔ اگر وہ عزت کا image بنا سکتا ہے تو insult کے images کیوں بناتا ہے۔ اگر وہ محبت کے images بنا سکتا ہے تو نفرت کے بیج کیوں بوتا ہے۔ اگر وہ صبر کے بارے میں سوچ سکتا ہے تو بے صبری کے مظاہرے کیوں کرتا ہے۔ بھئی جو کچھ تیرے اختیار میں ہے وہ تو کر۔ اس طریقے سے اگر وہ حسن کے بارے میں

سوچ سکتا ہے تو کہاں لکھا ہوا ہے کہ تم بدصورتی کے بارے میں سوچو اور اگر تم خوشبو کے بارے میں سوچ سکتے ہو تو اپنے ذہن میں بدبوئیں کیوں پال رہے ہو؟ انسان کو یہ سوچنا چاہئے۔

اب جس شخص کو آپ نے تربیت دینی ہے اس کو یہ نسخہ سمجھانا ہے کہ بھئی میاں جو کچھ کہ تمہارے ماضی کے تجربات تم نے جمع کر رکھے ہیں ذرا اس پوٹلی کو کھول کر تو دیکھو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ مستقبل کے لیے تم نے زہریلے بیج بو رکھے ہوں اور وہ جب کل کی دنیا میں اگیں تو جہاں تم گلاب کے پھول تلاش کرتے پھر رہے ہو وہاں دھتورے کے پھول اگیں۔ پہلے اپنی پچھلی پوٹلی کو کھول کر تو دیکھو کہ زندگی بھر میں جو کچھ تم سوچتے رہے ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تمہارے لیے ایک ایسی متاع ہو جو تمہارے آنے والے دور کو disturb کر دے۔

اب جو آپ نے اس کو پہلی نصیحت کرنی ہے اور خود بھی آج اسی لمحے اور اسی وقت یہ decide کرنا ہے آپ نے کہ آج کے بعد اثبات کی ایک لسٹ بنانی ہے۔ مثبت چیزوں کی مثلاً محبت اثبات ہے، عزت اثبات ہے، صبر اثبات ہے، عبادت اثبات ہے، تقویٰ اثبات ہے، شکر اثبات ہے، حسن اثبات ہے، مروت اثبات ہے، بہادری اثبات ہے، حسنِ خلق اثبات ہے اور شرافت اثبات ہے، متانت اثبات ہے، دیانت اثبات ہے۔ یہ سب اثبات کی ایک لمبی چوڑی لسٹ بنتی ہے۔ مثبت اشیاء کی ایک لسٹ بنائیں اور ہر روز اپنے من کی دنیا میں یہ نور بھیجیں۔ مولا آج کے بعد میں محبتیں تقسیم کرنے والا انسان ہوں۔ مولا میں نے شجاعت کے جھنڈے گاڑنے ہیں۔ مولا میں نے صداقت کے علم بلند کرنے ہیں۔ مولا میں نے صبر کے مظاہرے کرنے ہیں۔ مولا میں تیرے دین کی آبرو کرنے والوں کی عزت کروں۔ میں عزت کروں گا میں عزت کراؤں گا۔ ایک لسٹ سامنے رکھیں اور وہ سوچیں جنہیں آپ مثبت کہتے ہیں۔ ان سوچوں کے

درمیان پھر ایک منفی لسٹ بھی سوچیں اور اس کو ہمیشہ کے لیے cross کر دیں۔ اس کو کہہ دیں کہ تو باہر پھینکنے والی چیز ہے، میری دنیا کی چیز نہیں اور پھر آج کے بعد اسی لمحے اسی وقت سے آپ یہ practice شروع کریں۔ جب بھی ذہن کوئی مایوس سوچ سوچے؛ کاش کوئی تصوراتِ اسلام کو سمجھتا! اسلام نے اسی لیے تو فرمایا کہ جو مایوسی اختیار کرے گا وہ کافر ہو گیا۔

لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ

ایک طرف رحمت کا تصور ہے ایک طرف مایوس ہونے کا تصور ہے۔ آپ خود انصاف کریں کہ کون سا تصور صحیح ہے؟ رحمت کا! اگر رحمت کے بارے میں کوئی سوچ سکتا ہے تو مایوس کیوں ہوتا ہے؟

چوں خداداری زغم آزاد شو

از خیال کیف کم آزاد شو

کہ اگر تو خدا رکھتا ہے تو تجھے کس بات کا غم ہے۔ اگر تو خدا رکھتا ہے تو تجھے کس بات کا ڈر ہے۔ ایک طرف رحمت ہے، ایک طرف قنوطیت ہے۔ آپ رحمت کو وصول کیجئے۔ اتنے عظیم رحمٰن خدا سے آپ مایوسی وصول کر رہے ہیں اور ولی کی پہچان کیا بتائی گئی ہے کہ نہ اس کو خوف ہوتا ہے اور نہ حزن ہوتا ہے یعنی ان خوفوں سے نکلے گا ان احزان سے نکلے گا تو ولایت کی stage پر پہنچے گا۔ اگر کسی کو خوف مرنے کا ہو تو خوف تو ہے۔ اگر کسی کو خوف مار پڑنے کا ہے تو خوف تو ہے۔ اگر کسی کو خوف اپنے boss کا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میری ACR خراب کر دے، کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے ریٹائر کر دے، خوف تو ہے۔ اگر کسی کو کسی بھی چیز کا خوف ہے۔ بلی کا، کتے کا، بعض لوگ بلی دیکھ کر ڈر جاتے ہیں۔ اس دن میں نے بات کی تھی اس کی وجہ کیا ہے؟ ماضی کے تجربے۔ تو جب سارے خوفوں کو اتار کر باہر پھینکیں گے تو ولایت کی پہلی منزل آئے

گی۔یہی وجہ ہے میں بڑے دعوے سے کہہ رہا ہوں کہ آج دن تک ارض وسماء کے اندر کوئی بزدل ولی نہیں گزرا۔ولی ہمیشہ دلیر ہوتے ہیں ولی خوف نہیں کھاتے کیوں کہ خوف ہے تو ولی نہیں ہے۔ولی ہے تو خوف نہیں ہے!

آج کے بعد اس فارمولے کو ذہن میں رکھنا ہے کہ اثبات فکر اپنے لاشعور کو اپنے من کی دنیا کو ہر وقت ایک مثبت سوچ دینی ہے۔اگر ذہن میں کہیں لاشعور کے پچھلے چور پھر سے آکر دستک دے دیں تو فوراً کہہ دیں نہیں! تمہارے لیے یہ دروازہ بند ہو چکا ہے۔اب یہ سوچے گا تو مثبت سوچے گا۔مایوسی کے بارے میں کبھی نہیں سوچنا۔ہمیشہ رحمت کے بارے میں سوچنا ہے۔اگر ذراسی پریشانی کہیں آگئی تو پرواہ نہیں، صبر کے بارے میں سوچیں۔اگر کہیں ہاتھ تنگ ہوگیا تو پرواہ نہیں اس کی رحمت اور کرم کے بارے میں سوچیں جس کی شانِ کرم سے یہ کائنات سیراب ہو رہی ہے۔اس کے ہاں کوئی تنگی ہے؟ ہم ایک بہار میں لاکھوں پھولوں کا قتل عام کرتے ہیں اگلی بہار میں کروڑوں گنا زیادہ پھول کھلتے ہیں۔

اصل میں باتیں اتنی زیادہ اور اتنی convey کرنے والی ہیں اور اتنا زیادہ material ہے کہ کسی ایک نکتے پر بات شروع ہو تو پھیلتے پھیلتے کہاں سے کہاں پہنچ جاتی ہے۔اب یہ ایک بیج ہے۔اس بیج کو پانی کب تک دینا ہے۔گوڈی کیسے کرنی ہے۔دھوپ سے کیسے بچانا ہے۔کونسی بارش اس کے لیے مفید ہوگی کونسی مضر ہوگی۔ان باتوں پر جب آپ ایک ایک کر کے عمل پیرا ہوں گے تو انشاءاللہ العزیز یہ مسئلہ آپ کا حل ہوگا اور اس کے بعد اگلا سفر اطمینان سے شروع ہوگا۔

وما علینا الا البلاغ المبین

روحانی قاعدہ

برادرانِ طریقت! گزشتہ سے پیوستہ بہت ساری محافل میں ہم نے ایک سلسلہ شروع کر رکھا ہے کہ ایک سالک کو، راہِ خدا کے مسافر کو، راہِ صدق وصفاء کے مسافر کو اپنی شخصیت کے تکمیل کے کتنے مرحلوں میں سے گزرنا پڑتا ہے اور روح کی تبدیلیاں کن کن طریقوں سے کن کن جہتوں سے اور کن کن ذرائع سے اور کن کن مظاہر سے رونما ہوتی ہیں۔

قانون قدرت ہے کہ روشنی فروغ رکھتی ہے اور اندھیرا سمٹتا ہے اور یہ بات بھی میں نے عرض کی تھی کہ دنیا میں دو قوانین ہر وقت جاری اور ساری ہیں ظلمت کے قوانین اور نور کے قوانین۔ اب ہم نے جب راہِ سلوک میں قدم رکھا تو ہم نے نور کے پہلو کو، نور کی جہت کو، نور کی سمت کو منتخب کرلیا۔ یوں کہہ لیں کہ ہم نے نور یعنی خدائی سمت کو؛ خدا سمت کا پابند نہیں ہے کہیں سمت کا لفظ کوئی اس معنی میں استعمال کردے کہ خدا سمت کا پابند ہے نہیں! اس sense میں کہ ربانیت اور للہیت، اللہ سے دوستی، اس حوالے سے ہم نے نور کو پسند کیا یعنی خدا والی سمت کو پسند کیا۔ ہم نے نبی پاک ﷺ کی سمت کو وصول کیا۔ ہم نے قرآن کی جہت کو قبول کیا۔ اس پر چل پڑے نور کا لفظ استعمال کر کے اور ہم ہدایت کی راہ پر چل پڑے نور کا لفظ استعمال کر کے۔ لہٰذا یہ بھی دیکھا کہ کائنات میں جہاں کہیں چلنا ہے وہاں نور ضرور استعمال ہوتا ہے اگر حرکت رک جائے شاید تاریکی وہاں کام کر جائے بلکہ رک جانے کا نام ہی تاریکی ہے۔ حرکت جہاں ہوگی وہاں نور ضرور ہوگا۔ نور کے بغیر حرکت ہو ہی نہیں سکتی! آپ نے گزشتہ محفل میں بھی اس بات کو غور سے سنا کہ نور والی سمت کے تخیلات اور ظلمت والی سمت کے تخیلات۔ اس طرف کے

خیالات اور اُس طرف کے خیالات۔آپ نے ایک طرف کو مکمل طور پر مسترد کیا اور ایک طرف کو مکمل طور پر قبول وصول کرلیا اور دو لسٹس بنانے کا جو مشورہ دیا گیا تھا اس کو بھی آپ اچھی طرح سمجھ چکے ہیں۔

ابتدائی محافل میں میں نے آپ کی خدمت میں انسانی ذہن کی چار صفات کا ذکر کیا تھا: پہلی قوت انسانی ذہن کی قوتِ تجسیم تھی جس کو Visualization کا نام آپ نے دیا تھا۔ جہاں کہیں بھی modern کا لفظ آئے بُرے معنی میں نہیں۔ماڈرن کے دو معنی بنتے ہیں ایک ماڈرن وہ ہوتا ہے کہ جو علم سے پیدل، عقل سے پیدل، شعور سے پیدل، اندھی تقلید کرنے والا یورپ کا۔یوں لگتا ہے جیسے یا ان کا چچا لگتا ہے یا بھتیجا لگتا ہے۔پینٹ شرٹ پہن کر کنگھی جیب میں ڈال کر بازار میں دندناتا پھرے اور کوئی کام عقل کا نہ کرے اس کو ماڈرن کہا جاتا ہے اس دور میں۔اس sense میں لفظ ماڈرن کا استعمال کبھی بھی نہ کیجئے گا۔ماڈرن جب یہاں استعمال ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ علوم جو اس دور میں سامنے آئے اور جن پر تحقیق کی گئی اور تحقیق کے نتیجے میں جو سائنس کا درجہ اختیار کر گئے۔سائنس hypothesis کو theory بناتی ہے۔hypothesis اس خیال کو کہتے ہیں کہ جس خیال کو ابھی تک تجربے کی کسوٹی پر نہ پرکھا گیا ہو۔جس خیال کو تجربے کی کسوٹی پر پرکھا جائے اور دو اور دو چار کا جواب دے یعنی اتنا واضح ہو تو اس کو کہتے ہیں theory اور theory کی عام ترین definition جو عوام کے ذہن میں ہونی چاہئے وہ یہ ہے کہ جہاں اس کا استعمال کرو گے نتائج وہی دے گی یعنی theory جو result یہاں دے گی وہی رزلٹ چار میل دور، ہزار میل دور بھی وہی result دے گی۔جب apparatus وہی ہو، circumstances وہی ہوں، agents وہی ہوں تو

theory وہی جواب دے گی جو ایک مقام پر دیا تھا۔

تو سائنس اس دور میں hypothesis یعنی فرضیات کو اصولیات میں نظریات میں بدلنے کا نام ہے۔ سائنس کوئی بُری چیز نہیں ہے۔ یہ دور Science oriented ہے اور سائنس نے؛ دلچسپ بات آپ سے کروں کہ کبھی بھی مذہب کی مخالفت نہیں کی! میں ذمہ داری سے یہ بات کر رہا ہوں؛ سائنس تو ایک بات کہتی ہے کہ میٹا فزکس Metaphysics جو ہماری دسترس سے باہر ہیں ان کو اگر practise نہیں کر سکتے تو کائنات میں جو مادہ ہے اس کو تو study کر لو۔ اس کی forces کو trace کر لو۔ اس کی جو energies ہیں ان سے فائدہ اٹھاؤ۔ تمہارے اندر جو کچھ پوشیدہ ہے physiological processes ہیں۔ تمہارے اندر جو حیاتیاتی نظام چل رہے ہیں ان نظاموں کو سمجھو۔ میڈیکل سائنس میں تمہارے کام آئیں گے۔ تم بیماری کا علاج کر سکو گے۔ مظاہرِ قدرت اور اس کی forces کو سمجھو تمہاری خدمت پر مامور ہیں اور یہی قرآن کہتا ہے: تمہارے لیے شمس و قمر کو مسخر کیا گیا، تمہارے لیے زمین و آسمان کو مسخر کیا گیا، کائنات کی ہر چیز تمہارے لیے پیدا کی گئی لہٰذا کائنات کے اندر تدقیق، تحقیق اور تجسس میں تو سمجھوں گا کہ بہت ضروری امور میں سے ایک ہیں اور سرکارؐ فرماتے ہیں کہ علم مومن کی گمشدہ میراث ہے اس کو جہاں سے ملے حاصل کرو تو علم ہی کا ترجمہ سائنس ہے۔ اگر آپ اس کا روٹ تلاش کریں کہ یہ لفظ کہاں سے نکلا ہے آپ اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ سائنس کا ترجمہ علم یعنی knowledge ہے۔

اب جبکہ اس دور میں، ماڈرن دور میں، عصرِ حاضر میں اس صدی میں جب انسان کی Psyche کو study کیا گیا انسان کی روح کو study کیا گیا اور انسان کے ان نظام

ہائے زندگی کو study کیا گیا جو اس کی زندگی کا لا ینفک قسم کا فریم ورک ہیں یعنی نہ جدا ہونے والا ایک نظام ہیں تو سائنس نے بڑے بڑے اعلیٰ قسم کے results نکالے۔ان رزلٹ میں سے ایک رزلٹ ہے کہ انسانی ذہن ایک قوت رکھتا ہے جس کا نام ہے قوتِ تجسیم، Visualization۔کسی چیز پر اگر ذہن مرتکز ہو جائے مکمل طور پر تو اس کی ساری کی ساری qualities کو ذہن recall کر کے ایک چیز نظروں کے سامنے لا کھڑی کر سکتا ہے یعنی وہ چیز جہاں کہیں بھی ہو اس کی ایک تصویر ذہنی بنا سکتا ہے اور اگر اس کے ساتھ روح کی قوتیں بھی شامل ہو جائیں تو اس کو دوبارہ تخلیق (re-create) کر سکتا ہے یعنی ذہنِ انسانی قوتِ تجسیم کے ساتھ کسی کے images بنا سکتا ہے اور جب اس کو روحِ مطلق سے واسطہ حاصل ہو جائے؛ یہاں بھی ذہن کی دو قسمیں ہیں: ایک individual mind یعنی ایک فرد کا ذہن اور ایک ہے universal mind یعنی آفاقی ذہن، کائناتی ذہن۔جب universal mind کے ساتھ اس individual mind کا رابطہ ہوگا تو جو کچھ کہ ایک انفرادی ذہن نے جس کی تجسیم کی تھی، اس کو اگر universal mind کے ساتھ مل کر re-create کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ یہاں سے علماء اور بزرگوں نے ایک قوتِ سریان دریافت کی ہے۔

قوتِ سریان یہ ہے کہ جب درویش چاہے اپنے بدن کو فضاؤں میں تحلیل کر کے؛ یہ جو ابدال ہے ناں! ابدال کیا ہوتا ہے؟ بدل کی جمع ہے؛ پانی میں ملے پانی بن جائے، ہوا میں ملے ہوا بن جائے، مٹی سے ملے مٹی بن جائے اور آگ سے ملے آگ بن جائے۔بدنِ انسانی کے اندر چار تقسیمیں ہیں، بڑی لمبی بحثیں ہیں اگر ان مباحث میں ابھی پڑ جاؤں تو موضوع رہ جائے گا؛ بدنِ انسانی کے اندر چار تقسیمیں ہیں اور ایک تقسیم کا تعلق مٹی سے ہے، ایک کا تعلق پانی سے ہے، ایک کا

آگ سے ہے، ایک کا ہوا سے ہے۔ابدال کے اندر یہ قوت ہوتی ہے کہ عناصر اربعہ کا کنٹرول حاصل کر لیتا ہے اور جب چاہے اپنی باڈی کے cells کو؛ آپ کو پتا ہے انسانی بدن cells سے مل کر بنا ہے جب بھی چاہے ایک اللہ کا محبوب جس نے محنت کی ہو اپنے بدن کے ان نظاموں کو جو روح کے ساتھ ہیں سمجھنے کی وہ جب چاہے اپنے بدن کو decompose کر دے یعنی اپنے بدن کے خلیات کو جہاں چاہے بکھیر کے رکھ دے اور پھر جہاں چاہے مجسم کر لے۔اس قوت کو قوتِ سریان کہتے ہیں۔جہاں تک میرا ذاتی خیال ہے قوتِ سریان کا بڑا گہرا تعلق قوتِ تجسیم سے ہے اور جو اولیاء اللہ تصرف فرماتے ہیں؛ سرکار غوث الوریٰ کو ستر مریدوں نے دعوت دی ستر کے ستر کی دعوت قبول ہو گئی۔دوسرے دن آپس میں جھگڑ رہے ہیں؛ ایک کہتا ہے میری دعوت قبول ہوئی، دوسرا کہتا میری دعوت قبول ہوئی، تیسرا کہتا میری، اب سارے کے سارے سالک، سارے کے سارے مرید کہہ رہے ہیں ہمارے ہاں قبول ہوئی۔اگر کوئی اور بدبخت ہوتا تو سوچتا کہ سرکار غوث الوریٰ کے مرید جھوٹ بول رہے ہیں لیکن نہیں! سرکار غوث الوریٰ نے ستر کے ستر گھر میں کھانا کھایا تھا اور قوتِ سریان استعمال فرمائی تھی۔

اب جس بات کی طرف میں آپ کو لانا چاہ رہا ہوں۔میں نے آپ کو دماغ کی چار صفات کا ذکر سنایا، میری ذاتی تحقیق کے مطابق سینتیس کے قریب ایسی قوتیں میرے ذاتی علم میں ہیں جو انتہائی پر اسرار ہیں، انتہائی عظیم ہیں اور انتہائی قابلِ توجہ ہیں۔ان سینتیس کا بیان انشاءاللہ وقت کے ساتھ کروں گا لیکن فی الحال صرف چار قوتوں کو بیان کیا ہے۔

۱) قوتِ تجسیم Visualization

۲) وقت میں سفر کرنا Time Travel

۳) رابطہ ذہنی دور سے Telepathy

۴) شفا بخشی Healing Power

یہ پہلی قسم جو ہے قوتِ تجسیم اس کے قوانین کو سمجھئے:۔

قوتِ تجسیم ایک شخص نے جب یہ بات سمجھ لی کہ انسان کا ذہن ذاتی اور انفرادی سطح پر ہر چیز کی تجسیم کرتا ہے پھر جب اس کا رابطہ آفاقی ذہن سے ہوتا ہے تو آفاقی ذہن اس کی مدد کو دوڑتا ہے۔ وعدہ ہے خدا کا بھی کہ تم ایک قدم میری طرف چل کے آؤ میں دس قدم دوڑ کے آؤں گا تو جب انسان کا ذہن ایک گنا کسی چیز پر محنت کرتا ہے تو ذہنِ آفاقی جس کی قوتیں لامحدود ہیں؛ بے اندازہ قوتیں ہیں جس کی، وہ اپنی پوری قوتوں کے ساتھ co-ordination کے لیے آگے بڑھتا ہے۔ اب کسی نے اگر یہ سوچا کہ میں مریض ہوں، میں مر رہا ہوں، میری تو شفاء خدا نے پیدا ہی کوئی نہیں کی اور میرا تو معاون ہے ہی کوئی نہیں، دیواریں مجھ پر گرنے والی ہیں اور وضو کا پانی بھی زہر ہے اور اچھے خاصے نمازیوں کو کہے کہ یہ سارے چور کھڑے ہیں یا بازار میں جائے تو انسانوں کو کہے کہ یہ سارے جن پھر رہے ہیں تو ان کو کہتے ہیں paranoid fears یہ وہ خوف ہوتے ہیں کہ انسان ہر چیز سے ڈرنا شروع کر دے۔ یہ جو ہوتا ہے Androphobia یہ ایک مرض ہے یعنی لوگوں سے ڈرنا۔ Hydrophobia یعنی پانی سے ڈرنا۔ جس طرح

ڈرتا ہوں آئینے سے کہ مردم گزیدہ ہوں

یہ ساری چیزیں ہیں۔ اگر ایک شخص نے یہ سوچنا ہے تو اس کے ذہن نے جو تجسیم کر رکھی ہے کہ ہر چیز سے ایک منفی پہلو نکالا ہے یا یوں کہہ لیں کہ جو چابی اس نے سارے نظامِ

زندگی سے اپنے لیے وصول کی ہے کہ اس چابی سے میں دروازے کھولوں گا۔ جب دروازے کھلیں گے تو غم واندوہ کے دروازے کھلیں گے، پریشانی اور اضطراب کے دروازے کھلیں گے لیکن جب کسی انسان نے قوتِ تجسیم استعمال کرنا شروع کر دی اور تصورِ رحمت کیا، تصورِ نعمت کیا، تصورِ برکت کیا، تصورِ عزت کیا، تصورِ وقار کیا، تصورِ ناموس کیا اور تصورِ صبر وشکر کیا تو گویا اس نے قوتِ تجسیم استعمال کر کے ایسی نعمتوں کو اپنی جانب attract کیا اور یاد رکھئے! انسانی ذہن میں جہاں قوتِ تجسیم ہے وہاں ایک magnetic current بھی ہے جو اپنی جانب کھینچتا ہے اور یہ magnetic current ہی ایسا کرنٹ ہے جس نے اس کو joint کیا ہوا ہے یونیورسل مائنڈ سے تو قوتِ تجسیم جہاں جہاں انسان کا ذہن استعمال کرے اگر وہ مثبت ہے تو ساتھ اس کی magnetic power بھی استعمال ہو گی اور وہ magnetic power جب potentize ہو گی یعنی جب اس کی قوت بڑھ جائے گی؛ پتا ہے یہ ہومیو پیتھک والے ایک drug کو potentize کرتے ہیں یہ اتنے پاور کی ہے 200 کی ہے 400 کی ہے 1000 کی ہے یعنی کسی چیز کو زیادہ سے زیادہ قوت دیتے چلے جانا یعنی جب انسانی ذہن کو، انفرادی ذہن کو آفاقی ذہن potentize کرتا ہے اس کی قوتوں کو بڑھاتا ہے تو اس کے اندر ایک ایسی magnetic current پیدا ہو جاتی ہے کہ جس چیز کے بارے میں وہ سوچتا ہے جس کی وہ تجسیم کرتا ہے اس کو کھینچ لیتا ہے۔ ایسا فارمولا عرض کر رہا ہوں کہ کاش دنیا سمجھ جائے! سوچنا اور کھینچنا یعنی تخیل اور جلب۔ یہاں دو اصطلاحیں یاد رکھیں آپ نے عملیات کی کتابوں میں بھی پڑھی ہوں گی اور تصوف کی دنیا میں بھی یہ پڑھیں گے؛ میں کوشش کر رہا ہوں کہ پرانے دور کی اصطلاحات کو نئے دور کے تقاضوں کے مطابق بیان کر سکوں، ایک ہوتا

ہے جلب کھینچنا۔ ایک ہوتا ہے ترَت یعنی اپنے سے دور کرنا تو جلب اور ترت دونوں ذہنِ انسانی کے قوی میں سے ہیں تو جب ذہنِ انسانی قوتِ تجسیم کو استعمال کرے گا تو جو کچھ اس نے سوچا ہے اس کو جلب بھی کرے گا، اس کو اپنی طرف کھینچے گا بھی اور یونیورسل مائنڈ کی مدد سے جب وہ potentize کر دیا جائے گا تو ہر وہ چیز جس کے بارے میں اس نے سوچا ہے وہ اس کی طرف کھینچتی چلی آئے گی۔

اب آپ نے کیا کرنا ہے جو میں نے آپ کو رحمت کی لسٹ دی تھی ناں! اس کا نام یہی رکھ لیں آپ 'رحمت کی لسٹ' اثبات کی لسٹ۔ اس لسٹ پر آپ نے images بنانے ہیں۔ انسانی ذہن کی تصویر کو image کہتے ہیں۔ آپ نے لفظ رحمت کہا تو کہہ دینا ایک عمل ہے، سوچنا ایک عمل ہے اور اس کی تجسیم بھی ایک عمل ہے۔ سوچ کر کہنا اور پھر اس کی تجسیم کرنا تین اعمال ہیں۔ اب تجسیم کے لیے آپ ایک مخصوص image بنا لیں۔ یوں تو رحمت ساری کائنات کے اندر پھیلی ہوئی ہے! لامکاں کی وسعتوں سے لے کر تحت الثریٰ تک زمین ہو کہ آسمان ہو، جنت ہو کہ کوئی اور مقام، عرش ہو یا کعبۃ اللہ شریف، ہر مقام پر، ہر ذرے میں، **رَحمَتِ وَ سِعَت کل شئیٍ** ۔ اللہ کا فرمان کہ میری رحمت ہر چیز پر محیط ہے یوں تو کائنات کی ہر چیز رحمت ہے لیکن آپ رحمت کے images بنائیں کہ آپ کے لیے کونسی چیز رحمت ہے۔ یہ image مکہ شریف بھی ہوسکتا ہے۔ یہ image سرکارِ مدینہ علیہ الصلوٰۃ و السلام کا بھی ہوسکتا ہے۔ یہ image اپنے شیخ کا بھی ہوسکتا ہے۔ یہ image ایک باعزت گھر کا بھی ہوسکتا ہے۔ یہ image اچھے دوستوں کا بھی ہوسکتا ہے۔ تو یہ پابندی نہیں ہے کہ آپ ایک ہی image بنائیں لیکن بنائیں بڑا سوچ کے تاکہ آپ کا ذہن جب ان کو مجسم

کرے اور پھر ان کو کھینچے اور جب یہ آپ کی دنیا میں داخل ہوں تو قابلِ دید ہوں۔ روحانیت کی الف ب سمجھا رہا ہوں۔ روحانی قاعدہ پڑھا رہا ہوں۔ لوگ یہ تو کہتے ہیں، اللہ ھو 6000 دفعہ روزانہ پڑھیں، فلاں وظیفہ کریں لیکن اس کی جو بنیادیں ہیں وہ نہیں سمجھاتے کہ کن بنیادوں پر یہ عمارتیں کھڑی ہیں۔

وما علینا الا البلاغ المبین

فلسفۂ زمان ومکان

انسان کی روح کو study کیا جائے تو انسان اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ ایک روحِ انفرادی ہے اور ایک روحِ اجتماعی ہے۔ ایک Individual Mind ہے اور ایک Universal Mind ہے۔ ایک روحِ انفرادی ہے اور ایک روحِ آفاقی ہے۔ روحِ انفرادی جب فرد کے بدن میں داخل کی گئی، آپ کو یاد ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا بدن مٹی اور آب تسنیم: **جنت کی ایک نہر کا نام ہے تسنیم**، سے بنایا گیا۔ تسنیم کے پانی سے ان کے خمیر کو گوندھا گیا اور ان کا قالب تیار کیا گیا اور اس قالب میں جو روح ڈالی گئی اس کے متعلق قرآن عظیم الشان کے واضح الفاظ موجود ہیں:

وَ نَفَختُ فِیهِ مِن رُّوحِی

اور میں نے اس میں اپنی روح ڈالی

اب ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ اس روح کے ٹکڑے کیے گئے کیوں کہ خدا کے ٹکڑے ماننا تو کفر ہوگا لیکن اپنی روح کے فیض سے روح کو اس قالب میں داخل کر دیا گیا۔ جب روحِ ربانی کو مادے کے اندر قید کر کے اس پر زمان اور مکان کی پابندیاں لگائی گئیں تو اس کو روحِ انسانی کا نام دیا گیا لیکن ساتھ ہی اس کو یہ قوت بھی ودیعت کی گئی کہ اگر تم regressive قسم کا یا واپس لوٹنے کا سفر کرنا چاہو تو کر سکتے ہو۔ اگر تم دوبارہ اپنے اصل گھر میں واپس جانا چاہو تو تم جا سکتے ہو۔ حضرت پیرِ رومؒ نے مثنوی شریف میں اسی بات کو ابتداء میں اٹھایا ہے:

بشنو از نے چوں حکایت می کند
وز جدا یم ہا شکایت می کند

کہ بانسری کو سنو جو اپنی داستان بیان کر رہی ہے۔ اپنی جدائی کی شکایت کر رہی ہے۔

کہ از نیستاں تا مرا ببریدہ اند
از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند

کہ جب سے مجھے بانسوں کے اس جنگل سے جو میری اصل تھی توڑا گیا ہے تو میری آہ و بکاء کو سن کر مرد اور عورت سب روتے ہیں۔

سینہ خواہم شَرحہ شَرحہ از فراق
تا بگویم شرحِ دردِ اشتیاق

کہ میں ایسا سینہ تلاش کر رہی ہوں جو فراق کی وجہ سے ٹکڑے ٹکڑے ہو چکا ہوتا کہ میں اپنا دردِ شوق بیان کر سکوں۔

سرّ من از نالہ من دور نیست
لیک کس را دیدِ جاں دستور نیست

میرا راز اس آہ و بکاء سے پوشیدہ نہیں ہے لیکن لوگوں کو جان کے اندر جھانکنے کی عادت نہیں رہی۔ اب جب سے اس روحِ انسانی کو اپنے اصل سے جدا کیا گیا تو یہ ادھر واپس جانے کے لیے بیتاب رہتی ہے۔ جس طرح جوش ملیح آبادی کا شعر ہے:

زندگی کے ابتدائی دور میں کم سے کم
ہر کسی کو عرش تک پرواز کرنی چاہیے
اور جب اک بار کھل جائیں پرو بالِ حیات
عرش سے پرواز کا آغاز کرنا چاہیے

ایک سوچنے والا دماغ کیا کہہ گیا ہے کہ زندگی کے ابتدائی دور میں ہر شخص کو کم از کم عرش تک پرواز کرنی چاہیے اور جب ایک بار پروبالِ حیات کھل جائیں تو عرش سے پرواز کا آغاز کرنا چاہیئے۔ عرش پر پہنچیں اور پھر عرش سے آغاز کریں، لطیفۂ اوّل کے مقام پر پھر دوم پر پھر سوم، چہارم اور پنجم پر جا کر دائرۂ امکان کو عبور کرلیں۔

بتانا مقصود یہ تھا کہ جب سے روحِ انسانی کو Time & Space میں مقید کیا گیا تو اس وقت اس کے اندر یہ صلاحیت ودیعت کردی گئی کہ اگر تم اپنے سفر کی بازآفرینی چاہتے ہو تو تمہارے اندر یہ جوہر موجود ہے۔ اب یہ سفر؛ علماء نے بزرگوں نے اس کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ مکان کی بحث لکھتے ہوئے علامہ فخر الدین عراقی لکھتے ہیں اور یہ یاد رکھیے! علامہ فخر الدین عراقی جنہیں مُلاّ فخر الدین عراقی بھی کہتے ہیں؛ مُلا کا لفظ بڑا مقدس ہے، ہمارے پاکستان میں پتا نہیں کیا ہو گیا ہے ورنہ یہ علمی دنیا کا بڑا مقدس لفظ ہے تو میں علامہ اسی لیے کہہ رہا ہوں کہ کوئی بالکل مُلا ہی نہ سمجھ بیٹھے پاکستانی context میں۔ ان کا جہاں بھی نام پڑھیں گے آپ، یہ ہوگا مُلا فخر الدین عراقی! یہ سلسلۂ عالیہ سہروردیہ شریف کے کامل اکمل اولیاءاللہ میں سے تھے اور حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ کے خلفاء میں سے تھے بلکہ ایک روایت یہ ملتی ہے کہ آپ نے اپنی صاحبزادی کی شادی بھی ان سے کی تھی تو انھوں نے اس فلسفۂ مکان کو نظریۂ مکان کو روحانی اعتبار سے سمجھنے کی اتنی کوشش کی ہے کہ علامہ اقبالؒ جیسی ہستی نے بھی انھیں زبردست خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ مکان اگر خالص عربی کے معانی میں اس کو لیا جائے تو کَانَ، یَکونُ ماضی اور مضارع کے دو صیغے بنتے ہیں۔ اس کا مصدر ہے **کون**۔ **کَانَ، یَکونُ** سے نکلا ہے اور یہ ہے اسم ظرف مکان۔ گرائمر کی اصطلاح میں مکان کہتے ہیں جائے کون۔ اردو میں ترجمہ کریں تو کہیں گے ہونا اور

انگریزی میں ToBe اور ToBecome اور فارسی میں ترجمہ کرنا چاہیں تو شدن یا بودن۔ مکان کا مطلب یہ ہوا جہاں کوئی چیز ہو۔ یہ فخر الدین عراقی کی بات کو آسان بنا کر پیش کر رہا ہوں۔ مکان کہتے ہیں کسی چیز کے ہونے کو اب علامہ فخر الدین عراقی اس بحث کو بڑے زبردست پیرائے میں لیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مکان کی دو قسمیں ہیں یعنی ہونے کی دو قسمیں ہیں۔ایک ہے مادی اشیاء کا ہونا جس جگہ پر وہ ہوتی ہیں۔اس کی بھی دو قسمیں ہیں: ایک مادی اشیاء کا مکان اور ایک غیر مادی اشیاء کا مکان اور غیر مادی اشیاء میں انہوں نے صرف اللہ رب العزت کو یا فرشتوں کو یا ملائکہ کو لیا۔ باقی سب اشیاء کو انہوں نے مادی میں شمار کیا ہے۔

اب تقسیم یوں کر لیں کہ ایک طرف مادی اشیاء ہیں اور ایک طرف غیر مادی اشیاء۔ یہ ساری تشریحات، توضیحات، تصریحات ایک ایک Term کو اتنی تفصیل سے اس لیے سمجھا رہا ہوں کہ اب کوئی بات سمجھ نہ آئے تو گھر میں Recorded cassette لگا کر آرام سے سنیں اور ان کے رموز میں گہری اور باریک باتوں میں ڈوب جائیں اور کل کوئی روحانیت کو نہ سمجھنے والا آپ پر اعتراض کرنے اُٹھے تو آپ اسے مطمئن کر کے واپس بھیجیں۔ضروری نہیں کہ ہر معترض منکر ہو بعض معترض، معترض ہوتے ہی نہیں وہ اصل میں متجسس ہوتے ہیں۔اُن کو وہ بات سمجھ نہیں آتی وہ آپ سے سوال کرتے ہیں۔ان کی خدمت کے لیے آپ کے پاس material ہونا چاہیے۔منکرین کی اور بات ہے۔جس طرح آدمؑ کی عظمت کا انکار کرنے پر شیطان سے کوئی بات نہیں کی گئی اُس سے صرف اتنا کہا گیا:

فَاخرُج مِنهَا فَاِنَّکَ رَجِیمُ

نکل جاؤ بے ایمان تو رجیم ہے اور تجھ پر قیامت تک میری لعنت ہے۔

منکر کے لیے تو فارمولا واضح ہے کیونکہ اُس کے دل کے اندر ایک میل ہے جو بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ فزادھم اللہ مرضَ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر تو مرض چاہتا ہے تو ہم بڑھاتے جاتے ہیں تو یہی چاہتا تھا، لیتا جا۔ جو چاہے گا ہم دیں گے، مرض چاہے گا مرض ملے گا، شفاء چاہے گا شفاء دیں گے۔ تو یہ اہلِ شفاء کی دُنیا کی بات ہے، لاکھوں ساتھی ایسے ملیں گے آپ کو جو متجسس ہیں، معترض نہیں۔ اُن کے سوالات کے جوابات دینے کے لیے یہ بات ساری عرض کر رہا ہوں۔

اب مادے نے واپس سفر کرنا ہے اور قیدیں جو اس پر لگائی گئی ہیں؛ ایک قیدِ زمانی اور ایک قیدِ مکانی یہ قیدیں اس نے توڑنی ہیں۔ قیدِ زمانی کی بحث اب کسی حد تک سائنسدانوں نے حل کی ہے کہ روشنی ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ کے حساب سے سفر کرتی ہے اور جب کوئی چیز یہ رفتار حاصل کر لے تو Time کا اثر اس پر ختم ہو جاتا ہے یعنی قیدِ زمانی اُٹھ جائے گی۔ اگر ہم میں سے کوئی اس رفتار سے حرکت کرے تو وہ وقت کا پابند نہیں رہے گا۔ جب قیدِ زمانی اُٹھی تو وہ ہر زمانے کا ہوا۔ قیدِ زمانی ہے تو اِس زمانے کا ہے! قیدِ زمانی اُٹھی تو ہر زمانے کا ہے! اِسی طرح قیدِ مکانی اُٹھی تو ہر جگہ کا ہے! سائنسدانوں نے قیدِ زمانی کی بحث کو کسی حد تک سمجھا ہے لیکن قیدِ مکانی اُٹھانے کے لیے اُن کو بڑے پاپڑ بیلنے پڑے ہیں اور قیدِ مکانی اٹھاتے اُٹھاتے بم بنا لیے بڑے destructive قسم کیا ور جتنی اِس کو اُٹھانے کی کوشش کرتے جا رہے ہیں اُتنے اِس میں اور اُلجھتے چلے جا رہے ہیں۔

علامہ فخر الدین عراقی لکھتے ہیں کہ مادی چیزیں جو مکان کے اندر قید ہیں ان کی مکانیت کی جہتیں بھی جُدا جُدا ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب کسی چیز کو کہیں کہ وہ مقیدٌ فی المکان

ہے تو مکان کے مختلف پہلو، مختلف زاویے، مختلف اقسام ہیں اور یہ بھی جُدا جُدا ہیں مثلاً ایک پتھر ہے، ایک مقام پر رکھا ہوا ہے۔اب اِس مکان پر رکھا ہوا ہونا اِس کا مکان کہیں گے اور دوسری بات یہ کہ جو اس کا وجود ہے، جس فضاء میں وہ رکھا ہوا ہے یہ جگہ کا گھیراؤ یعنی محیط وقطر اس کا مکان ہے۔اب کسی مکان پر رکھا ہوا ہونا یا کسی مکان کے اندر موجود ہونا یہ اس کے وجود کی وجہ سے ہے تو مکان اور وجود دونوں لازم وملزوم قرار پائے۔اب یہ وجود؛ وجود جامد ہے، ٹھوس ہے self mobile نہ ہو، یہ دلیل اس بات کی ہے کہ اس کا مقام یا مکان بدل نہیں سکتا جب تک کہ اس کے اندر کی chemical properties اتنی ہی properties کے مطابق اور supply نہ کی جائیں۔فرض کریں پتھر دو کلو کا ہے تو دو کلو کو ہٹانے کے لیے جتنی قوت چاہیے ہوگی اتنی قوت جب تک نہیں ہوگی آپ پتھر کو ہٹا نہیں سکتے۔یوں کہنا چاہیے کہ اس پتھر کے اندر جو وہاں پر رکھا ہوا ہے دو کلو کی قوتِ مزاحمت موجود ہے۔جب تک آپ دو کلو کی force نہیں لگائیں گے وہ اپنے مقام سے نہیں ہٹے گا۔اِس کو آپ کہیں گے repeltion۔یہ قوت کیا ہے؟ جتنی کوئی چیز زیادہ جامد ہوگی اُتنی ہی اُس کے اندر قوتِ مزاحمت زیادہ ہوگی۔اب یہاں پر ایک قانون اور بھی نکلتا ہے کہ جب آپ اِس چیز کے مقام پر کسی دوسری چیز کو لانا چاہیں تو اس کو ہٹانا بھی ضروری ہے۔یہ تین قوانین ہیں جو ایک جامد یا ٹھوس شے کے مکان کے حوالے سے آپ کے ذہن میں ہونے چاہیں۔

اب مکان کی بحث میں علامہ فخر الدین عراقی نے مادی اشیاء کے مکان کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔پہلا جزو مادی اشیاء میں سے ٹھوس اشیاء کا مکان اور اُس کا تصور مکانیت۔ٹھوس اشیاء کی quantity اس کی قوتِ مزاحمت اور اس کے مقام پر کسی دوسری چیز کا

آنا اسی صورت میں ممکن ہے جب اِس کو transfer کیا جائے۔ یہ مادی اشیاء کا پہلا حصہ ہے جو سخت وجود رکھتی ہیں مثلاً پتھر وغیرہ۔ شیشہ، لوہا، نباتات، درخت، لکڑی اور انسان بھی ٹھوس ہے۔

مادے کی دوسری قسم ہے ہوا وغیرہ۔ یہ نسبتاً لطیف ہے اور آپ اِس کو ٹھوس نہیں کہہ سکتے اور اِس کو آپ لطیف بھی مکمل طور پر نہیں کہہ سکتے۔ اِس کا ایک wing لطافت کی طرف جا رہا ہے اور ایک wing کثافت کی طرف جا رہا ہے۔ ہوا جب تند و تیز چلنے لگے تو پتھروں کو، درختوں کو اُڑا کر لے جاتی ہے۔ یہ شعبہ اِس کا کثافت کی دُنیا کا ہے لیکن جب ہوا نرم اور لطیف چل رہی ہو تو آپ اِس میں مراقبہ کر کے کتنے خوش ہوتے ہیں۔ یہ اِس کا پہلو لطافت کی طرف جا رہا ہے۔ تو یوں کہنا چاہیے کہ درمیانی قسم کا zone مادے کی ٹھوس چیزوں کے بعد کی intermediary stage ہوا ہے۔

اب یہاں بھی ایک قانون لاگو ہے مثلاً آپ ایک نلکی لیں اس میں ہوا بھری ہوئی ہو۔ اگر اِس میں پہلی ہوا موجود ہے تو آپ اس میں دوسری ہوا داخل نہیں کر سکتے۔ جیسے ٹائر میں جتنی گنجائش ہے اِس سے بڑھ کر ہوا بھرنا چاہیں گے تو کیا آپ ٹائر کو پھاڑے بغیر بھر سکیں گے؟ نہیں۔ تو جس چیز میں ہوا کی جتنی capacity ہو اُس کے مطابق ہوا بھر سکتے ہیں۔ اگر نئی ہوا بھرنا چاہیں تو پُرانی ہوا کو remove کرنا پڑے گا۔ گویا removal کا وہ قانون (ہٹانے کا) جو آپ نے پہلے ٹھوس اجسام میں استعمال کیا تھا وہی آپ یہاں پر استعمال کر رہے ہیں یعنی replacement کا قانون کہ جب تک پہلی چیز کو نکالیں گے نہیں دوسری چیز کو اس میں replace کر نہیں سکتے۔

دوسرا قانون یہ ہے کہ ہوا نسبتاً لطیف ہونے کی وجہ سے رفتار تیز رکھتی ہے۔اس کو ہٹانے کے لیے زور کم لگانا پڑتا ہے۔معلوم یہ ہوا کہ جب آپ کثافت سے لطافت کی طرف سفر کریں گے تو لطیف چیزوں کو حرکت دینے کے لیے آپ کم قوت استعمال کریں گے رفتار ان کی تیز ہوگی۔

لطافت اور کثافت میں فرق ہے۔کثافت میں جتنی force ہے اُس کے مطابق قوت لگائیں گے تو removal ہوگی۔اب آپ کہہ سکتے ہیں لطیف ۔تیز ، لطیف تر۔ سبک تر۔جوں جوں لطافت بڑھتی جائے گی ،روح کی رفتار بھی بڑھتی جائے گی!

اب آپ نے اپنے اِس ٹھوس بدن میں ہوا کو trace کرنا ہے۔آپ بتائیے کہ کیا آپ کے اندر کوئی نظامِ تنفس موجود ہے کہ نہیں؟

آپ نے اپنے اِس ٹھوس بدن کے ساتھ جو کام کرنے ہیں ظاہری اعمال وہ تو کرنے ہی کرنے ہیں یہ بدن ظاہری اعمال کا تقاضا کرے گا ہی کرے گا لیکن اب آپ نے نکتہ نمبر۲ کے مطابق یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ہوا نسبتاً لطیف تر ہے لہٰذا ہمیں اِس بدن کو روحانیت کی طرف چلانے کے لیے اِس کی رفتار کو تیز کرنے کے لیے اس کے قویٰ کی رفتار کو تیز کرنے کے لیے ہم نے زینہِ ثانی پر قدم رکھنا ہے اور وہ زینہِ ثانی ہوا کا ہے یعنی نسبتاً کم مادی اشیاء کا ہے۔ آپ کو یاد ہے میں نے مادی اور غیر مادی اشیاء کی بات کی تھی اور مادی اشیاء کو تین قسم کی چیزوں میں categorise کیا تھا۔پہلے ٹھوس اشیاء پھر ہوائی نوعیت کی اشیاء یعنی کم ٹھوس اشیاء۔

اب مادی دُنیا کی تیسری category کی طرف جو کہ مادی دُنیا میں کثافت کی دُنیا میں لطیف ترین چیز ہے وہ ہے روشنی۔اب روشنی میں removal کا قانون کوئی نہیں ہے یعنی ایک

پتھر کی جگہ پتھر رکھنے کے لیے پہلے پتھر کو ہٹانا پڑتا ہے یا اس کے اوپر پتھر رکھنا پڑتا ہے اور اس چیز کو ہٹانے کے لیے قوتِ مدافعت بھی اُتنی ہی چاہیے۔ اگر ہٹانے کی بات ہے تو قوتِ مدافعت کی بات ہوگی، ہٹانے کی بات نہیں تو قوتِ مدافعت اور قوتِ مزاحمت کی ضرورت ہی نہیں!

اب ایک چراغ جل رہا ہے مثلاً ایک ٹیوب جل رہی ہے تو کیا دوسری ٹیوب کو جلانے کے لیے پہلی ٹیوب کو بند کرنا پڑے گا۔ اِس کی روشنی کہے گی کہ میری روشنی جائے گی تو اِس کی روشنی آئے گی نہیں تو معلوم یہ ہوا کہ روشنی کی رفتار جو ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ ہے۔ ہوا کی یہ رفتار نہیں ہے۔ روشنی کی رفتار اتنی تیز ہے کہ وقت کی رفتار کو ختم کر دیتی ہے۔ روشنی کو آپ نُور کہہ لیں۔ یہ نُور کا لفظ بڑا قیمتی ہے کیونکہ نور خالصتاً قرآنی لفظ ہے اور نور کی وجہ سے جتنے مغالطے پیدا ہوئے ہیں اِس بحث میں بہت سارے مغالطے خود ہی رفع ہو جاتے ہیں مثلاً کوئی صاحب اگر یہ کہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نُور تھے یا بشر تھے: ایک بحث چلتی ہے عموماً لوگوں میں؛ اگر اس شخص کا نام فرض کریں منور ہے تو آپ اِس سے کہیں کہ آپ منور ہیں کہ آدمی ہیں؟ تو وہ فوراً آپ سے کہے گا، یار! میں منور بھی ہوں اور آدمی بھی ہوں تو آپ اُس سے کہیں بالکل ایسے ہی ہے جیسے منور آدمی ہو سکتا ہے آدمی منور ہو سکتا ہے۔ اِسی طریقے سے نور بشر ہو سکتا ہے اور بشر نور ہو سکتا ہے۔ بحث یہ نہیں ہے کہ حضور ﷺ بشر ہیں کہ نور ہیں۔

بَری عقل و دانش بباید گرفت

سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نور مانے گا تو ایمان ہے۔ نور نہیں مانے گا تو کفر ہے!!

تو اس گفتگو میں جو بھی ہم نے نور کے حوالے سے شُروع کی ہے بڑے روحانی نکات پوشیدہ ہیں بلکہ فلسفۂ نور سمجھ لیں اسے نظریۂ نور سمجھ لیں اسے آپ کو پتا نہیں کتنی بصیرت

مِل جائے گی۔

پہلا قانون: نُور کی پہلی بات یہ کہ اتنی تیزی سے سفر کرتا ہے کہ لازمانیت تک جا پہنچتا ہے۔ نور کی ایک کِرن بھی ہو اور اس کا سفر ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار سے کرایا جا سکے تو پھر وہ لازمانیت تک پہنچ جائے گا۔ یہ اس کا پہلا قانون ہے۔

قانون نمبر ۲: کہ اس میں ایک دوسرے کے ساتھ مزاحمت کوئی نہیں۔ ایک چراغ سے لاکھوں جلا لیں لاکھوں سے کروڑوں جلا لیں وہ ایک دوسرے میں ضم ہو جائیں گے تو گویا نور میں ایک تیزیِ رفتار ہے اور ایک انضمام ہے۔ نور، نور سے محبت رکھتا ہے۔ نور، نور میں جذب ہوتا ہے۔ نور، نور کو بڑھاتا ہے۔ نور، نور میں سماجاتا ہے!

یہ ہماری مادی دُنیا کی بات ہے کہ ایک کو لانے کے لیے دوسرے کو ہٹاؤ لیکن نُور کہتا ہے نہیں! پہلا موجود رہے گا جتنے مرضی ہے لاتے جاؤ۔ اگر ایک کی جگہ ایک کروڑ لے آؤ گے تو لڑائی کوئی نہیں۔ یہ بحثیں، یہ مناظرے، یہ مار کٹائی، یہ دھینگا مشتی، یہ نور کی دُنیا کی بات ہی نہیں۔ یوں سمجھ لیں جو نوری دُنیا میں آ گیا، یہاں پر کوئی اختلافِ رائے نہیں پائے گا۔ جس نے نور دیکھا اس کے اختلاف مِٹ گئے۔ جس نے اختلاف رکھا اس نے نور دیکھا ہی نہیں۔

ایک نکتہ یاد رکھیں! ایک یہ ظاہری نور ہے مثلاً اس وقت Tubes جل رہی ہیں بلب وغیرہ جلا لیتے ہیں، ہم اور لالٹینیں، دیے اور موم بتیاں جلا کر ہم روشنی حاصل کر لیتے ہیں۔ بجلی اور مصنوعی روشنی کے علاوہ چاند اور سورج کی روشنی ہے، ستاروں کی روشنی ہے، دیگر اجرامِ فلکی اپنے اپنے routes پر چلتے ہوئے اپنے اپنے دائرے میں روشنی پھیلاتے ہیں اور پہنچاتے ہیں۔ یاد رکھیں! کہ سورج کا ایک دائرہ اثر ہے۔ اُس اثر سے نکل کر سورج کی روشنی کام نہیں آتی۔ چاند کی

روشنی ایک حد تک پہنچتی ہے اس حد سے آگے نہیں جاسکتی۔ اسی طرح ہماری مصنوعی روشنیاں ایک محدود circle رکھتی ہیں اس سے آگے نہیں جا سکتیں یعنی ہر ایسی چیز جسے آپ Luminary کہہ سکتے ہیں انگریزی میں اس کا نور پہنچانے کا ایک دائرہ ہے لیکن اس دائرے سے باہر وہ چیز اپنا نور نہیں پہنچا سکتی۔ ایک ہستی ایسی ہے کہ جس کے نور کی کوئی حد نہیں۔

اور یاد رکھیئے! جس دنیا سے ہم آئے ہیں اس دنیا کا نام عالمِ مثال ہے جہاں سے یہ روحیں آتی ہیں۔ اس دنیا جس میں ہم رہتے ہیں کا نام عالمِ دنیا یا عالمِ ناسوت ہے۔ عالم ناسوت کی اصطلاح سلسلۂ عالیہ قادریہ شریف کی ہے۔ ناسوت، جبروت، ملکوت، ہاہوت یہ عوالم ہیں مختلف۔ Basically یہ اصطلاح فلاسفہ کی ہے اور قادریہ شریف کے ہمارے بزرگوں نے اس اصطلاح کو استعمال کیا ہے اور عالمِ ناسوت کو آپ کہہ لیں جو زمین اور اس کی مخلوق ہے، وہ عالمِ ناسوت ہے۔ مجدّدیہ شریف میں اس کے لیے عالمِ خلق کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور یہ خالص قرآنی اصطلاح ہے۔

الا له الخلق والامر تبارک الله احسن الخالقین۔

یہ فخر ہے حضرت مجدّد پاکؒ کا کہ انہوں نے جو اصطلاحات وضع فرمائیں وہ ساری کی ساری قرآنی ہیں لیکن کسی ولی کی بات کی تردید حضرت مجدّد پاکؒ نے نہیں فرمائی۔ جس ولی نے جہاں بھی اور جتنا کام کیا وہ سچا ہے، درست ہے اور حق ہے۔ اولیائے قادریہ شریف ناسوت کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں لیکن حضرت مجدد پاکؒ عالم خلق کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔

جب روح کو عالم کی دو بڑی چیزوں یعنی وقت اور مکان میں قید کیا گیا تو روح نے

جب واپسی کے سفر کا ارادہ کیا تو اس نے اپنے رستے کو کچھ اعتبارات سے بند پایا، مسدود پایا۔ اب روح واپس سفر کے لیے جانا چاہتی ہے اور میں نے آپ کو زمان و مکان پر بڑی لمبی گفتگو کے بعد عرض کی تھی کہ Time کا فلسفہ اتنا سمجھ لینا چاہئے: فلسفہ کہہ لیں یا سائنس کہہ لیں، آج کل اصل میں فلسفہ سائنس بنتا جا رہا ہے۔ یہ بھی بڑی ایک دلچسپ بات ہے کہ فلسفہ سوچنے سے چلتے چلتے سائنس کی دنیا میں کیسے داخل ہوا اور فلسفے ہی کا developed نام سائنس ہے بلکہ Philosophy of Science یہ بھی آج کل ایک branch چل نکلی ہے۔ فلاسفہ نے اور سائنسدانوں نے Time & Space کو discuss کیا۔ جب روشنی کی رفتار سے کوئی چیز سفر کرتی ہے تو اس پر سے وقت کی حدیں ختم ہو جاتی ہیں یعنی وقت رک جاتا ہے اس کے لیے کیونکہ اس کی اور وقت کی رفتار ایک ہو جاتی ہے۔ وقت کی یوں تو کوئی رفتار نہیں لیکن وہ ایسے زون میں پہنچ جاتا ہے، ایسے مکان پر پہنچ جاتا ہے کہ جس مکان پر پہنچ کر اس کے لیے وقت کی قید اٹھ جاتی ہے۔

اس دنیا میں ہم کچھ عرصے کے لیے رہتے ہیں اور اگلی دنیا میں سفر کر جاتے ہیں۔ جس دنیا میں ہم موت کے بعد داخل ہوتے ہیں اُس کا نام ہے برزخ۔ عالمِ برزخ جو کشف میں دیکھا گیا ہے؛ جب آپ لطائف کرتے ہیں تو کشف کھلتا ہے، اور جب کوئی دوست اللہ کے فضل میں خصوصی طور پر شریک ہوتے ہیں تو اُن کو دربارِ مصطفویؐ کے اس Section میں رسائی حاصل ہوتی ہے تو ان کا یہ مشاہدہ ہے کہ جب لطائف چلتے ہیں تو دائرے کی صورت میں چلتے ہیں۔ میں خود جب ذکرِ قلبی کی ابتداء میں تھا، آپ کو دلچسپ بات بتاؤں کہ پہلے تو یوں محسوس ہوا کہ دل اندر پھر رہا ہے جس طرح وہ ڈرائیور کا اسٹیئرنگ نہیں پھرتا، اس طرح، اس کے

ساتھ ساتھ کیفیات بھی بدلتی چلی گئیں پھر ایسے ہوا کہ دل نہ صرف پھر رہا ہے بلکہ پھیل رہا ہے اور پھر ایسے محسوس ہوا جیسے یہ دل پھیل کر پورے بدن پر محیط ہو چکا ہے۔ پہلے دل بدن کے اندر تھا اور اب بدن دل کے اندر ہے۔ **ھُو اللہ شَاھدُ مّشھُود** میں اپنی ذاتی کیفیت بیان کر رہا ہوں۔ بتانا یہ مقصود ہے کہ لطائف دائرے کی صورت میں حرکت کرتے ہیں لہٰذا کوشش کیجیے، جن ساتھیوں کو گلہ ہے کہ لطائف فوراً کام نہیں کرتے وہ ذرا اس اعتبار سے لطائف پر کام کر کے دیکھیں۔ قلب پر ذرا مدّ ور قسم کا ذکر کر کے دیکھیں۔ یہی وجہ ہے کہ چشتیہ شریف کا جو ذکر ہے چشتیہ نظامیہ شریف کا بھی، چشتیہ قادریہ شریف کا بھی اور چشتیہ وارثیہ شریف کا بھی یہ سارے اذکار؛ پتا نہیں کیا وجہ ہے کہ آج مجھے سلسلۂ عالیہ وارثیہ شریف کی یاد آ رہی ہے تو اللہ کی ذات بہتر جانتی ہے حضرت پیر وارث شاہ صاحبؒ کی عادت تھی کہ یہ جو پتنگیں نہیں لوگ اڑاتے، لوگ پتنگیں اُڑایا کرتے تھے تو یہ نیچے سے دیکھا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے پتا نہیں کس کی پتنگ اُوپر گئی ہے، پتا نہیں کس کی اوپر جا رہی ہے یعنی اس طرح مشاہدہ فرمایا کرتے تھے اور یہ چشتیہ شریف کا ذکر ہے، نظامیہ شریف، وارثیہ شریف اور سلسلہ عالیہ مہریہ شریف کا بھی کہ جب لطائف مل کر ایک لطیفہ بنتے ہیں تو پھر روح کو اُوپر لے جانے کے لیے اُس کو اس طرح سے سیر کرائی جاتی ہے اور پھر روح پوری رفتار سے اوپر بڑھتی چلی جاتی ہے یہاں تک کہ

کارواں تھک کر فضاء کے پیچ و خم میں رہ گیا
مہر و ماہ و مشتری کو ہم عناں سمجھا تھا میں
بے حجابی سے تیری ٹوٹا نگاہوں کا طلسم
اِک ردائے نیلگوں کو آسمان سمجھا تھا میں

جب عالمِ برزخ کو ان مدوّر لطائف کے ساتھ دیکھا گیا ایک لطیفے کے ساتھ جب روح کو حرکت کرائی گئی، ایک لطیفے کو کہتے ہیں حیرتِ وحدانی۔ جب پورا بدن، اس کے سارے لطائف مل کر یک جان ہو کر ایک لطیفہ بن جاتے ہیں تو اس کو کہتے ہیں حیرتِ وحدانی۔ حیرتِ وحدانی کے متعلق حضرت پیر مہر علی شاہؒ فرماتے ہیں:

''جس کو حیرتِ واحدانی کا علم نہیں وہ روحانیت کی الف ب سے بھی واقف نہیں''

حیرتِ وحدانی کے ساتھ جب کسی کو اللہ ربُ العزت کی بارگاہ سے کشف عطاء ہوتا ہے؛ اب کشف پر بھی کسی دن تفصیلی بحث ہو گی کہ کشفِ کونی کیا ہوتا ہے، کشفِ ایامی، کشفِ قبور، کشفِ قلوب، کشفِ اروح اور کشفِ الوان کیا ہوتا ہے تو جب کشف میں عالمِ برزخ کے ظہور کو دیکھا گیا تو یوں جس طرح ایک گراموفون؛ پُرانے زمانے میں گراموفون ہوا کرتا تھا، کا ریکاڈر چلتا ہے، میں اپنا ذاتی مشاہدہ اللہ کے فضل سے عرض کر رہا ہوں کتابی باتیں نہیں کر رہا اس طرح عالمِ برزخ کیسٹ کی صورت آتا جاتا ہے اور اوجھل ہوتا چلا جاتا ہے۔ عالمِ برزخ جن کو رب نے دکھایا تو انھوں نے دیکھا کہ عالمِ برزخ میں جہاں نہ سورج ہے، نہ چاند ہے، نہ ستارے ہیں، نہ کوئی اور روشنی ہے وہاں روشنی روئے مصطفیٰ ﷺ کی ہے۔

نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روشنی ہے عالمِ برزخ میں اور کوئی روشنی ہے ہی نہیں۔ شاید اسی بات کو علامہ اقبالؒ نے اچھی طرح محسوس کیا اور فرمانے لگے کہ

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو
آں کہ از خاکش بروید آرزو

اے میرے مخاطب! تو جہاں بھی عالمِ رنگ دیکھے یا عالمِ بو دیکھے، عالمِ رنگ نظر کی

دُنیا ہے دیکھنے کی دنیا اور عالمِ بوسونگھنے کی دنیا ہے۔ عالمِ رنگ کے ساتھ عالمِ سماعت کا ذکر کیوں نہیں کیا گیا؟ اس کی بھی مجھے خاص حکمت محسوس ہو رہی ہے شاید علامہ کے ذہن میں کوئی اور بھی ہو لیکن جو مجھے محسوس ہو رہی ہے وہ یہ کہ روحیں جب بھی سفر کرتی ہیں تو خوشبوؤں کی صورت میں سفر کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دیدار کے جو لوگ دعوے کرتے ہیں ان کو ایک بات بتا دیں لیکن حضور ﷺ کے دیدار کی تردید یا نفی نہیں کرنی کبھی بھی نہیں کرنی کیونکہ آقا ﷺ جسے چاہیں نواز دیں تم کون ہو روکنے والے کسی ایسے شخص کی جس نے دعویٰ کیا ہو دیدار کا اس کی نفی نہیں کرنی کہیں ایسا نہ ہو کہ سارا سفر بیکار ہو جائے۔ بعض وہ لوگ جنہیں دربارِ رسالت تک رسائی نہیں ہوتی، روحانیت کی ابجد سے بھی نا آشنا ہوتے ہیں بعض اوقات بڑے بڑے بزرگوں کے مکاشفات پر اعتراضات شروع کر دیتے ہیں۔ بزرگوں کی باتیں سمجھنے کے لیے، ایک سفینہ چاہیے اس بحرِ بیکراں کے لیے، اللہ کے محبوبوں کی باتیں سمجھنے کے لیے، نسبتیں اُونچی چاہئیں تو جہاں کہیں، جب کبھی بھی لوگ یہ دعوی کر رہے ہوں تو ان کو یہ بات ضرور سمجھایا کریں کہ جہاں حضور ﷺ تشریف لاتے ہیں، وہاں خوشبو ضرور آتی ہے۔ جس جگہ پر حضور ﷺ کی زیارت کسی کو نصیب ہوئی ہو تو اس جگہ پر اس چیز میں خوشبو آجاتی ہے اور مدتوں محسوس ہوتی رہتی ہے!

اور کسی کی بات تو میں کیا کروں خواجہ قمرالدین سیالویؒ کی بات سناتا ہوں۔ ایک دفعہ آپ جنگل میں تشریف لے گئے اور اس جنگل میں بیتابی سے تڑپنے لگ گئے۔ آج ساری باتیں حضور ﷺ کی ہونی چاہئیں میلاد شریف ہے۔ ہمارا موضوع اپنی جگہ ساتھ related ہے یہ موضوع خواجہ شمس الدین سیالویؒ جو سرکار گولڑویؒ کے پیرو مرشد ہیں اُن کے پوتے کی

بات کر رہا ہوں خواجہ قمر الدین سیالویؒ اللہ کے کامل ولی تھے۔ایک ساتھی کا بیان ہے کہ میں اس جنگل میں گیا تو وہاں ہر طرف خوشبو پھیلی ہوئی تھی تو میں نے اُن سے پوچھا، ''حضور یہ کیا نظارے ہیں؟ کیا حکمتیں ہیں اس میں؟'' آپؒ نے فرمایا، ''اس جنگل سے سرکار ﷺ گزرے ہیں''۔تو عالمِ رنگ روشنیوں کا جہان اور عالمِ بُو خوشبوؤں کا جہان، تو علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو

جہاں کہیں اے میرے مخاطب تو جہانِ رنگ دیکھے یا جہانِ خوشبو دیکھے

آنکہ از خاکش بروید آرزو

یعنی اس خاک سے جو بھی آرزو ہویدا ہوتی ہے وہ یا تو نورِ مصطفیٰ ﷺ سے چمک رہی ہے یا ابھی تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تلاش میں ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

مقامِ احدیّت

ذکر کی محفلیں جنت کی کیاریاں اور باغ ہیں، حدیثِ پاک کے الفاظ کے مطابق جس طرح سرکار صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب جنت کے باغوں اور کیاریوں کے پاس سے گزرو تو خوب چرلیا کرو، کیا مطلب کہ خوب فائدہ اٹھاؤ۔ گزشتہ کئی محافل سے ایک سلسلہ چل رہا ہے کہ اپنے آپ کو ایک ایسی شاہراہ پر لانا جہاں باقی لوگوں کی نسبت انسان کی رفتار زیادہ تیز ہو اور مقامات جلدی سے طے ہوں اور وہ معارف جو لوگوں کو مشکل سے سمجھ آتے ہیں آسانی سے سمجھ آجائیں۔ جو ساتھی صاحبِ کیفیت ہیں وہ تو رازِ درونِ مے خانہ سمجھ رہے ہیں۔ میں نہیں کہتا کہ مکمل سمجھ چکے ہیں لیکن کچھ ساتھی رسمی محافل میں بیٹھتے رہے ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جتنا چپ اور گم سُم بیٹھے رہیں گے شاید اس طرح فائدہ زیادہ ہوگا اور جذب سے کچھ ڈرتے ہیں۔ ہمارے ہاں یاد رکھئے! کہ سالک کی دو قسمیں ہیں مجذوب سالک اور سالِک مجذوب۔ مجذوب سالک وہ ہے کہ جس کو جذب پہلے آئے اور پھر سلوک کی منزلوں تک پہنچے اور سالک مجذوب وہ ہے جو پہلے عبادت کرتا رہے مدتوں لگا رہے، مدتوں لگا رہے، آخر میں اس کو جذب بطورِ انعام عطا ہو۔
پہلی قسم: جو مجذوب سالک ہوگا وہ ہمارے سلسلۂ عالیہ مجدّدیہ کے کسی سلسلے میں ہوگا تو جتنے مقامات ہیں مثلاً مقامِ غوثیت ایک مقام ہے، مقامِ نقباء ہے یعنی نقیب اولیاء اللہ کا مقام، مقامِ افراد ہے: افراد اولیاء اللہ کا مقام، مقامِ اوتاد ہے، قطبِ ارشاد کا مقام ہے، قطبِ تکوین کا مقام ہے، ابدالوں کا مقام ہے تو وہ ان مقامات تک جائے گا؛ جو اولیائے کرام پہلے جذب سے گزرتے ہیں بعد میں سالک بنتے ہیں وہ ان مقامات تک جاتے ہیں اور جو لوگ جذب سے

ڈرتے رہتے ہیں، کوئی دیوانہ کہہ دے گا، ذکر خدا میں تڑپے تو کہیں چوٹ لگ جائے گی اور کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی دیکھے تو کہے، کتنا عجیب آدمی ہے۔ اس طرح کے خوفزدہ قسم کے لوگ عبادت کرتے رہتے ہیں، کرتے رہتے ہیں اور اگر ان کی عبادت میں خلوص ہو تو آخر میں ان کو مقامِ جذب بطورِ انعام عطاء ہوتا ہے اور زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ ایسے لوگوں کو اکثر اوقات سمجھ بھی نہیں آتی کہ ہمیں مقامِ ولایت پر فائز بھی کیا گیا ہے یا نہیں۔ حضرت داتا صاحبؒ نے ان کی تعداد چار ہزار کے قریب لکھی ہے اور ان میں سے اکثر اولیائے کرام ایسے ہوتے ہیں جن کو سمجھ بھی نہیں ہوتی کہ انہیں مقامِ ولایت میں سے کوئی مقامِ نصیب بھی ہوا کہ نہیں۔ ہوتے اولیائے کرام میں سے ہیں لیکن پتا نہیں ہوتا۔

ہمارے ہاں دستور 'سلوک سے جذب' کا نہیں یعنی ہمارے ہاں سالک مجذوب تیار نہیں ہوتے، اعلانیہ کہہ رہا ہوں کہ نہیں ہوتے! ہمارے ہاں جو تیار ہوتے ہیں وہ کون ہیں، مجذوب سالک کیوں کہ سالک ساری زندگی محنت کر کے پہنچتا ہے جذب کے مقام پر اور مجذوب بنتا ہے۔ حضرت مجددؒ فرماتے ہیں کہ جہاں باقی سلاسل کی انتہاء ہوتی ہے وہاں سے ہمارے سلسلے کی ابتداء ہوتی ہے۔ ہمارے ہاں اندراج النہایہ فی البدایہ یعنی آخری مقام کو ابتداء سے شروع کرتے ہیں۔ تو ہمارے ہاں جذب پہلے ہے اور سلوک اس کے بعد میں ہے اور دلچسپ بات یہ ہے کہ ہمارا مجذوب بغیر سلوک نہیں ہوتا۔

جذب کی بھی دو قسمیں ہیں۔ مجذوب، مجذوب ہوا تو نمازیں چھوڑ دیں، روزے چھوڑ دیے، اتباعِ شریعت چھوڑ دی اور سرکارؐ کے قدموں پر چلنا چھوڑ دیا۔ جذب کی ایسی قسمیں ہمیں بالکل قبول نہیں۔ ہم نہیں چاہتے وہ جذب! ہمیں ہر حال میں حضور ﷺ کی

اتباع چاہیے۔ اگر کوئی محبت کے دعوے کرتا ہے تو کرتا رہے۔ ہمیں ایسی محبت نہیں چاہیے جو ہمیں حضورؐ کی اتباع سے دور کرے۔

دوسرا مجذوب وہ ہے کہ جو جذب میں بھی ہے، اپنی اس محبت میں دریا کی لہروں کی طرح بہتا جارہا ہے لیکن ساتھ ہی کہتا ہے الصلوٰۃ والسلام علیکَ یارسول اللہ۔ یارسول اللہ! آپ کے نظام پر قربان جائیں۔ جذب بھی ساتھ چل رہا ہے اور حضورؐ کی اتباع بھی ساتھ چل رہی ہے یعنی ہمارے سلسلے کا مجذوب ایسا ہو، کیسی بھی کیفیت ہو، نماز نہیں چھوڑنی۔ کیسی بھی کیفیت ہو سرکارؐ کی اتباع نہیں چھوڑنی کیوں کہ سرکارؐ خود مدد فرمارہے ہوتے ہیں۔ یہ بات تو میں نے بار بار دہرائی ہے۔

اب اس مقام کے لیے جو پہلا زینہ ہے ہمارے ہاں اس کو کہتے ہیں مقامِ فناء۔ جذب کا انعام کیا ہے؟ جذب کیا چیز ہے؟ کیا جذب یونہی اچھلنے کا نام ہے؟ کیا جذب صرف تڑپ برائے تڑپ کا نام ہے؟ نہیں ایسا نہیں ہے! جذب نام ہے ایک ایسے فارمولے کا جو انسان کو مقامِ فنا سے ہمکنار کرتا ہے۔ اب مقامِ فناء کیا ہے؟ ظاہر ہے ہم ظاہری زندگی میں انہی ایام میں جو ہمیں اللہ کریم نے بطورِ زیست عطا کیے ہیں، ان ایام میں ہم اپنی ہڈیاں تو نہیں گال سکتے۔ فنا ایک تو ہے کہ انسان اپنی ہڈیاں گلادے۔ کیا یہ ممکن ہے practically؟ اگر ہم کہیں کہ اپنا گوشت پوست فضاؤں میں تحلیل کردیں کیا یہ ممکن ہے؟ نہیں ممکن practically! اس زندگی میں نہ یہ ممکن ہے اور نہ یہ درکار ہے۔ اس کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ اللہ نے یہ جسم ہمیں عطا کیا ہے اور ہم اسے بکھیر کے رکھ دیں۔ اللہ نے بدن کے اعضاء ہمیں بطورِ نعمت عطاء کیے ہیں اور ہم شکر ادا کرنے کے بجائے اس کو فنا کرکے رکھ دیں۔ آگ کی بھٹی میں چھلانگ لگائی

اور بھسم ہو گئے۔ دریا میں ڈوبے اور مر گئے۔ تو پھر مقصود کیا ہے؟

اِلٰھی اَنتَ مقصُودِوَرِضَائکَ مَطلُوبِ یا اللہ! تو میرا مقصود ہے اور تیری رضا میرا مطلوب ہے **اَطلُبُ مُحبَّتَ ذَاتِکَ**۔ میں طلب کرتا ہوں تیری ذات کی محبت۔

میں اس لیے اپنے الفاظ میں آپ کے سامنے بیان کر رہا ہوں کہ یہ دعا ہے جو سرکارؐ مانگا کرتے تھے۔ یہ دعا ہے جو ہمارے ہاں بعض اذکار کے آخر پر بتائی جاتی ہے۔ بہت ہی اعلیٰ درجے کی دعا ہے تو یہ دعا اکثر مانگا کریں۔

اِلٰھی اَنتَ مَقصُودِ وَ رِضَاءکَ مَطلُوبِ اَطلُبُ مُحبّتَ ذَاتِکَ وَ مَعرِفتَ صِفَاتِکَ

ترجمہ: یا اللہ تو میرا مقصود ہے اور تیری رضا میرا مطلوب ہے میں طلب کرتا ہوں تیری ذات کی محبت اور تیری صفات کی معرفت۔

یہ تو ایک فرد کی دعا ہے۔ جب آپ اکٹھے با جماعت صورت میں یہ دعا مانگیں گے تو اس طرح مانگیں گے:

اِلٰھی اَنتَ مقصُودُنا وَرِضَاءکَ مَطلُوبنا، نَطلُبُ مُحبّتَ ذَاتِکَ وَ مَعرِفتَ صِفَاتِکَ

جذب کا بنیادی قانون کیا ہے؟ فناء۔ اب یہ فنائے بدن نہیں ہے۔ فنائے خیال ہے کہ خیال اس طرح فنا ہو کہ سوائے اللہ رب العزت کی ذات کے باقی سب خیالات کو اڑا کے رکھ دے۔ یہ ہمارے ہاں؛ جب ہم مراقبات شروع کراتے ہیں تو یہ ہمارا پہلا مراقبہ ہے اور مقامِ ولایت کی دہلیز یہی ہے اگر ایک خیال کے علاوہ بلکہ تمام خیالات کو ختم نہ کر سکا کیا کہہ رہا

ہوں! بات کو سنیے! اگر تمام خیالات کو ختم نہ کر سکا تو روحانیت کی منزل سے ہمکنار نہیں ہوگا۔

اب اگر اللہ ہے یعنی یہ خیال؛ وحدت الوجودیوں نے جہاں دھوکہ کھایا، دھوکے سے مراد یہ نہیں کہ وہ بے چارے گنہگار ہوئے بلکہ جس مقام پر رہ گئے ہیں آگے نہیں جا سکے کہ سوائے خدا کی ذات کے اور کوئی ہے ہی نہیں یہ خیال۔ اب اگر کوئی ہے ہی نہیں تو انسان سوچ رہا ہو کہ میں ہوں اور اس کا ذکر کر رہا ہوں تو دو غیر ہو گئے۔ ایک میں اور ایک میرا ذکر۔ ان خیالات کو بھی ختم کرنا ہے۔ ہے ہی کوئی نہیں۔ بات سمجھیں! یہ پہلا مقام ہے اسے مقامِ فناء کہتے ہیں۔ اسے ہی جذب کہتے ہیں جو یہاں سے نہیں گزر گیا وہ دہلیز ولایت پر نہیں پہنچ سکتا! وہاں علم، کتابیں، درس، تدریس، عبادت، سلسلے، دنیا، مخلوقات ہر چیز کی نفی اگر اور کوئی ہے ہی نہیں تو نہ ذاکر ہے، نہ ذکر ہے بس! یہ پہلا مقام ہے یہاں سے آپ نے گزرنا ہے۔ اسی کو مقامِ احدّیت کہتے ہیں۔ یہ ہمارے سلسہ مجدّدیہ شریف کا پہلا مراقبہ ہے۔ لوگ کہتے ہیں مراقبہ کریں ایک دن کریں یا تین دن کریں۔ پہلے ہی مراقبے میں وحدت الوجودی اولیائے کرام خدا کی ذات میں ایسے گم ہوئے کہ باقی سب کچھ یاد ہی نہ رہا۔ کسی اور چیز کی سوچ ہی نہ رہی اور یہ مقامِ ولایت ہے کہیں کوئی یہ نہ سمجھے کہ وہ صرف فلسفی ہی تھے۔ ہرگز نہیں! یہ مقاماتِ ولایت میں سے ایک مقام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ولی اللہ خواہ وجودی ہو خواہ شہودی ہو دونوں اولیاءُ اللہ ہیں، ان کا مشاہدہ بہت بلند ہے۔

اب آج کی گفتگو میں مربوط کر رہا ہوں سمجھئے کہ میں نے کیا کہا ہے کہ مجذوب سالک اور سالک مجذوب: یہ سبق اچھی طرح یاد کرنا ہوگا اور جذب کیا ہے؟ جذب کا پہلا زینہ مقامِ فناء ہے اور فناء سے مراد فنائے بدن نہیں فنائے خیال ہے اور فنائے خیال کیا ہے کہ کائنات کے اندر

ایک اللہ ہے۔اس کے علاوہ نہ کوئی اور ہے نہ اس کے خیال کے بارے میں اس مقام پر سوچا جائے۔جب آپ اس مقام کو سمجھیں گے تو اس سے آگے ایک خالص روحانی سفر کی ابتداء ہوگی۔

موجودہ ماہرین علم نفسیات نے Self Hypnosis کے ذریعے سے اپنے آپ کو ایک ایسی وجدانی کیفیت میں لے جانا کہ انسان کو اپنا ہوش نہ رہے اس کے بعد کے منظر کو وہ کہتے ہیں Extra Sensory Perception یعنی ادراک ماورئ الحواس یعنی دیکھنا لیکن آنکھوں کے بغیر، سننا کانوں کے بغیر، سونگھنا ناک کے بغیر، چکھنا زبان کے بغیر، چھونا بدن کے بغیر۔موجودہ دور کے پڑھے لکھے لوگوں نے یہ اصطلاح وضع کی ہے اور اس کو ESP کہتے ہیں۔ نئے روحانی علوم کے تحت جو الفاظ آ رہے ہیں وہ آپ کو بتا رہا ہوں۔جہاں یہ اصطلاحات استعمال ہوں اس کے ساتھ کی متبادل روحانی اصطلاحات آپ کے علم میں ہونی چاہئیں یعنی جذب اس کو Trans کہیں گے موجودہ دور میں کہ انسان ایک وجدانی کیفیت میں چلا گیا اور Trans کی کیفیت میں انسان کے تمام حسی پہلو، نظری، سمعی، پانچوں حواس ان کا جو Function ہے اس کو وقتی طور پر روک دیا اور انسان کے اندر کے جو قویٰ ہیں وہ کام کرنا شروع کر دیں۔اس کو آپ مقامِ فناء کا پہلا زینہ کہہ لیں اور یہی اصل فناء کا مفہوم ہے۔

اس مقام کو جلدی حاصل کرنے کے لیے میں نے آپ کو ایک شغل بتانا ہے لیکن اتفاق ایسا ہے کہ بنیادی و تمہیدی اور تشریحی و توضیحی باتیں بہت ضروری ہوتی ہیں تا کہ کوئی concept واضح ہو جائے؛ یہ درس ہے کوئی تقریریں تو نہیں ہیں۔آج جیسے میں نے آپ کو مراقبے کے متعلق بتایا کہ مراقبہ یہ ہے کہ کوئی ذاکر ہے ہی نہیں، کوئی ذکر ہے ہی نہیں! وہی وہی سب کچھ ہے۔

اَینما تولّوا فثمّ وجہُہٗ

جدھر دیکھتے ہیں وہی ہے بلکہ دیکھنا بھی نہیں، جہاں ہے وہی ہے۔ عجیب کیفیت ہے وہی، وہی ہے اور یہ جاننے والا بھی کوئی نہیں کہ وہی، وہی ہے۔ عجیب concept ہے۔

اس مقام پر پہنچنے سے پہلے ایک شغل، شغلِ روحانی کہہ لیں۔

اللہ نور السموت والارض۔ اب جب سالک عبادت کر رہا ہے تو آپ زمین یا آسمان میں کہیں تو موجود ہیں ناں۔ اگر اللہ زمین اور آسمان کا نور ہے اور پھر میں نے حضرت شیخ عبدالحق رحمتہ اللہ علیہ کے حوالے سے ایک آیت بھی پڑھی ہے جو انہوں نے مدارج النبوۃ کے ابتداء میں لکھی ہے کہ

هُوَ الاَوّلُ وَالآخِرُ وَالظَاهِرُوَالبَاطِنُ

کہ وہ اوّل ہے، وہ آخر ہے، وہ ظاہر ہے، وہ باطن ہے۔

اب ابتداء ہو یا انتہاء ہو اللہ زمین و آسمان کا نور ہے۔ اسی طریقے سے اندر ہو یا باہر ہو یعنی ظاہر ہو یا باطن ہو اللہ زمین و آسمان کا نور ہے یعنی اللہ زمین و آسمان کے ظواہر کا بھی نور اور زمین و آسمان کے بواطن کا بھی نور ہے۔ اوّل و آخر یعنی ہر زمانے کا نور اللہ اور ہر مقام کا نور اللہ یعنی کوئی کسی Time بیٹھا ہو یا کسی جگہ بیٹھا ہو۔ اس کو جاننا چاہیے کہ میرے اندر بھی اللہ کا نور ہے، میرے باہر بھی اللہ کا نور ہے۔ جہاں سے میں نے شروع کیا تھا، اللہ کے نور سے شروع کیا تھا۔ جہاں میں نے جانا ہے اللہ کے نور کے ساتھ جانا ہے۔ یہ ایک تصور ہے یعنی جب آپ بیٹھے اپنا شغلِ روحانی کرنے کے لیے تو اس تصور سے آپ نے آغاز کرنا ہے۔ یہ تصور دائمی پکا مستقل unchangable: تغیر ناپذیر، تبدل ناپذیر ہونا چاہیے۔ اس میں کوئی change نہیں

ہے۔وہ جس طرح کہتے ہیں ناں کوئی concession نہیں اس خیال میں یہ کلی قانون ہے۔

اب قانون نمبر۲:

وَرَحمَتِ وَسِعَت کُلَ شَئیِ

کہ میری رحمت ہر چیز پر محیط ہے زمین ہو کہ آسمان، اوّل ہو کہ آخر ہو، ظاہر ہو کہ باطن ہو، یہاں ہو کہ وہاں ہو، لمحہ ہو کہ زمانہ ہو، ذرہ ہو کہ آفتاب ہو یا پوری کائنات ہو، انسان ہوں یا ملائکہ ہوں، جنات ہوں یا کوئی اور مخلوق ہو۔ **وَرَحمَتِ وَسِعَت کُلَ شَئیِ** ۔میری رحمت ہر چیز پر محیط ہے۔

اب جس طرح پہلے قانون میں کوئی لچک نہیں کہ نورِ خدا کا تصور دائمی، مستقل اور ہر جگہ پر جاری اور ساری۔ اسی طریقے سے تصورِ رحمت بھی ہر جگہ پر، ہر زمانے میں جاری اور ساری۔ وہ اوّل ہے، وہ آخر ہے، وہ ظاہر ہے، وہ باطن ہے نور کے ساتھ۔ وہ اوّل ہے، وہ آخر ہے، وہ ظاہر ہے، وہ باطن ہے رحمت کے ساتھ۔ اب ایک تصورِ نور ایک تصورِ رحمت، دو تصور آگئے۔

اب تیسرا تصور:

اِنَّ اللہ علیٰ کُلِ شئیِ قَدیر

کہ بے شک اللہ ہر چیز: اوّل ہو یا آخر کی ہو، چیز ظاہر کی ہو یا باطن کی ہو، ہر چیز پر قادر ہے۔

کتنے تصور ہو گئے ۔تصورِ نور، تصورِ رحمت ، رِحمت نہیں کہنا! رَحمت یہ اردو والوں نے عربی کی ستیاناسی کر کے رکھ دی ہے۔اَحمد کو احمد کہیں گے مُحمود کو محمود کہیں گے۔رحمٰن کو رہ مٰن کہیں گے۔رَحمت ہے۔اَحمد ہے سرکارؐ کا اسم مبارک۔جس طرح کوئی رَحم کو رِحم کہہ دے تو کتنا غلط

ہے۔ رَحَم کا معنی اور ہے رِحم کا اور ہے۔ تو تصورِ نور، تصورِ رَحمت، تصورِ قدرت تین تصور ہو گئے۔

اب ایک سالک مراقبے کے لیے بیٹھا ہے مراقبے کے لیے میں نے بار ہا ایک چیز آپ کو بتائی ہے۔ ذکر رابطہ اور مراقبہ۔ یہ نقشبندیہ شریف کی تین بنیادی اصطلاحات ہیں بلکہ تمام سلاسل کی کلیدی اصطلات ہیں۔ ذکر کیا ہے اور اس کی کتنی قسمیں ہیں۔ رابطہ کیا ہے اور اس کی کتنی جہتیں ہیں اور مراقبہ کیا ہے اور اس کے بنیادی تصورات کیا ہیں؟

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک بلّی کو دیکھا جو چوہے کی تاک میں بیٹھی ہوئی تھی اتنے دبے پاؤں آہستہ آہستہ چل کر جا رہی تھی۔ آپ فرماتے ہیں میں نے مراقبے کا طریقہ بلّی سے سیکھا۔ بلی جب شکار کی تلاش میں دبے پاؤں چلتی ہے تو کتنی محتاط ہوتی ہے۔

ایک دن حدیث پاک پر غور کرتے ہوئے مجھے خیال آیا کہ حدیث پاک میں یہ جو آتا ہے کہ سرکارؐ کے سامنے صحابہ اس طرح بیٹھا کرتے تھے کہ جیسے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہوں ذرا سر ہلایا تو اڑ جائیں گے میں سمجھتا ہوں کہ مراقبے کا یہ طریقہ زیادہ بہتر ہے چونکہ دربارِ نبویؐ کا طریقہ ہے تو مراقبے کی حالت میں اس طرح بیٹھیں کہ آپ یوں سمجھیں کہ میرے سر پر کوئی پرندہ بیٹھا ہوا ہے ذرا سر ہلایا تو اڑ جائے گا۔ اس طرح آپ بالکل motionless ہو جائیں گے، بے حرکت ہو جائیں گے، آپ move نہیں کریں گے۔ حرکت نہ کرنا ساکن بیٹھنا یہ مراقبے کی پہلی stage ہے اور اس کے ساتھ ہی تین تصورات: تصورِ نور، تصورِ رحمت اور تصورِ قدرت۔ میرے اندر بھی نور ہے اب یہاں سرکارؐ کی وہ دعا یاد کریں کہ یا اللہ! میرے اندر بھی نور کر دے، میرے باہر بھی نور کر دے، میرے آگے بھی نور کر دے، میرے پیچھے بھی نور کر دے، میرے دائیں بھی نور کر دے، میرے بائیں بھی نور کر دے۔ حضورؐ کی یہ دعا آپ جانتے

ہیں حدیثِ پاک میں آتی ہے۔اب رحمت چونکہ اللہ کی سب سے بڑی رحمت سرکارؐ ہیں اس لیے جب تصورِ رحمت ہوا اور نورِ خدا بھی حضورؐ خود ہیں یعنی اوّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُورِی ۔نورِ خدا بھی حضورؐ خود ہیں اور رحمتِ خدا بھی حضورؐ خود ہیں اس لیے دربارِ نبوت کے فیض کو بھی آپ وہاں پر متصرف سمجھیں اور چونکہ قدرتِ خدا میں ہر چیز ہے، جس چیز کا بھی تصور آجائے کہیں میرا رب کرسکتا ہے۔کسی مقدمے کا خیال ذہن میں آجائے، کہیں میرا رب کر کے دکھائے گا۔کوئی دنیا کا مسئلہ ذہن میں آگیا کہیں میرا رب کرے گا۔اس طریقے سے تصورِ نور، تصورِ رحمت اور تصورِ قدرت یعنی انسان کو پریشان یہی چیزیں کرتی ہیں کہ دنیا کا کوئی مسئلہ ہے۔وہ میرے مسئلے کا کیا بنے گا تو تصورِ قدرت آنے کے ساتھ ہی مسئلہ دھواں بن کے اڑ جائے گا۔ان تین تصورات کے ساتھ آپ نے اس شغل کا آغاز کرنا ہے جو ہم اگلی محفل میں بیان کریں گے۔

وَمَا علینا اِلا لبلاغ المبین

غنیمت ہے کہ صدیوں میں
کوئی دیوانہ ہو جائے

عزیز اور محترم برادرانِ طریقت! ان دِنوں جب کہ اہلِ دُنیا اپنی دُنیا پرستی کے عروج پر ہیں لیکن اللہ کا یہ فضل ہے کہ اہلِ دنیا کے لاؤڈ اسپیکر اہلِ دنیا کے جذباتی نعرے وہ سماں نہیں بنا سکتے جو ہمارے ہاں بن جاتا ہے کیونکہ ان کے پاس اکسیرِ اعظم کا وہ نسخہ نہیں ہے جو ہمارے پاس ہے۔

ذٰلک فضل اللہ یو تیه من یشاءُ

یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا فرما دیتا ہے۔

ہمارے صاحبِ نصیب برادرانِ طریقت اس لحاظ سے بہت اونچے درجے کے لوگ ہیں کہ جہاں سے اہلِ دنیا کی پروازیں ختم ہو جاتی ہیں وہاں سے ان کی پرواز کی ابتداء ہوتی ہے۔ کسی کو صدر کا پیغام آ جائے تو پھولا نہیں سماتا کسی کو وزیرِ اعظم یاد کر لے تو رات کو سوتا ہی نہیں خوشی سے، کوئی وزیر بلا لے تو سر کے بل چل کے جائے، کوئی دیناوی اعتبار سے distinguished قسم کا آدمی بلا لے تو سب کچھ لے کے جائے اور اللہ کا فضل کتنا زیادہ ہے ہم پر ہمارے دوستوں پر کہ ہمارے ہاں آنے والے پیغام عالمِ امر سے آتے ہیں۔ جہاں کی خبر بھی کسی کو نہیں وہاں سے پیغام ہمیں اللہ کے فضل سے آتے ہیں۔ ہمیں سے مراد میں ہی نہیں آپ بھی ہیں۔ ہمارے سلسلے کے مشائخ بھی ہیں بلکہ ہمارے سلسلے کے مشائخ ہی ہیں اور ان کی برکت سے ہم ہیں۔ یوں کہنا چاہیئے کسی ایسے واسطے کا ایسے channel کا ایسے ذریعے

کامل جانا جو قربتوں کو بڑھا دے، فاصلوں کو مٹا دے اور ایسا رابطہ نصیب کر دے کہ جس کو نوری رابطہ کہہ لیں تو یہ بڑے بلند نصیب کی بات ہے اور آپ جانتے ہیں کہ ہم ان دنوں میں کس موضوع کو discuss کر رہے ہیں۔ موضوع ہمارا آج کا بھی یہ ہے کہ ایک انسان اپنی تطہیرِ روح کے لیے اپنی روح کی صفائی کے لیے کن کن مرحلوں سے گزرتا ہے اور discussion یہاں تک پہنچی ہے کہ اگر انسان نور سے کلی رابطہ کر لے، نور کی دنیا سے اس کا واسطہ جڑ جائے جس میں ایک نور کو لانے کے لیے دوسرے نور کو ہٹانے کی ضرورت نہیں ہوتی اگر ایسا راستہ، ایسا طریقہ اور ایسا مقام مل جائے تو وہاں سے اہلِ سلوک کے عظیم سفر کا آغاز ہوتا ہے۔

گزشتہ محفل میں کچھ سائنسی حوالوں سے، کچھ روحانی حوالوں سے میں نے آپ کی خدمت میں کچھ اُصول پیش کرنے کی کوشش کی تھی جس میں سے ایک اُصول کا تعلق روشنی سے تھا، ایک کا تعلق خوشبو سے تھا اور ایک کا تعلق مقناطیسی قوت (magnetism) سے تھا۔ یہاں پر بعض نئے ساتھی جو کتابی دنیا کے ہوتے ہیں، ان کے لیے ایک بات علامہ اقبال کے حوالے سے عرض کر کے ایک بنیادی بات سمجھا کر اپنی بات کو آگے چلاؤں گا۔ میں نے آج تھوڑا سا وقت زیادہ بھی رکھا ہے تا کہ ایک بات کچھ مکمل ہو جائے۔ اکثر ایسے ہوتا ہے کہ بات سے بات نکلتی چلی جائے تو بات وہاں تک نہیں پہنچتی جہاں تک انسان چاہتا ہے لیکن نئے ساتھیوں کے لیے بعض ضمناً ضروری باتیں بھی کرنی ہوتی ہیں۔

علامہ اقبال لکھتے ہیں کہ

شنیدم شبی در کتب خانہ ای من
بہ پروانہ می گفت کرمی کتابی

ایک رات میں نے اپنے کتب خانے میں سنا کہ پروانے سے کتابی کیڑا کہہ رہا تھا،

بہ اوراقِ سینا نشیمن گرفتم

بسی دیدم از نسخۂ فاریابی

کہ میں ابنِ سینا کے اوراق میں اپنا گھر بنا چکا ہوں، حکیم بوعلی سینا کی کتابوں میں رہتا ہوں اور فاریابی کے نسخے؛ مسلم حکماء میں فاریابی کا مقام بڑا بلند ہے اور میں نے فاریابی کی لکھی ہوئی تحریروں کو اپنا لیا ہے، یہ کتابی کیڑا کہہ رہا ہے پروانے سے۔

نفع می دہم حکمت زندگی را

ہمہ دیدہ روزم ضد آفتابی

سینا کے اوراق میں، میں نشیمن بنانے کے باوجود، فاریابی کے نسخوں کو زندگی سمجھنے کے باوجود میں آج تک نہیں سمجھ سکا کہ یہ زندگی کیا چیز ہے۔ میرا دن آج بھی اسی طرح رات ہے جس طرح ابتداء میں تھا جب میں نے یہ سفر شروع کیا تھا تو رات تھی۔

چہ خوش گفت پروانۂ نیم سوزی

کہ ایں نسخہ رادر کتابی نایابی

کہ اس تڑپ رکھنے والے پروانے نے کیا خوب کہا کہ یہ نسخہ تجھے کتاب سے نہیں ملے گا۔

تپش می کندز ندہ تر زندگی را

تپش می دہد بال و پر زندگی را

یہ گرمئی قلب ہے، گرمئی روح ہے، گرمئی سر ہے، گرمئی اخفاء ہے۔ یہ تپش ہے، حرارتِ محبت ہے، جو زندگی کو زندہ تر کرتی ہے اور زندگی کے اگر کوئی بال و پر ہیں تو وہ

سوزِ دروں ہے۔ سوزِ دروں یہ اصطلاح علامہ نے بار بار استعمال کی ہے۔ ایک دوسرے مقام پر علامہ اقبال لکھتے ہیں:

عطاء اسلاف کا جذبِ دروں کر
شریکِ زمرۂ لاَیحزنوں کر

الا انّ اولیاء اللہ لا خوف علیھم و لا ھم یخزنون.

اللہ کریم کی بارگاہ میں دعا ہو رہی ہے۔ مولا کریم! مجھے اس طبقے میں شامل فرما جسے کوئی غم نہیں، کوئی حزن نہیں۔

خرد کی گتھیاں سُلجھا چکا میں
میرے مولا مجھے صاحب جنوں کر

میرے دوستو! آپ کے تڑپنے کے اس مزے کی تمنا اقبال ساری زندگی کرتا رہا۔ زمانہ پھر کے دیکھیں، اندر کی دنیا جگانے والا مل جائے تو کتنا لطف آتا ہے۔ مولا! میں خرد کی گتھیاں سُلجھا چکا ہوں، مولا مجھے وہ جنون عطا کر دے جو تیری راہوں پر روشنیاں بکھیرتا چلا جاتا ہے اور سرکارؐ فرماتے ہیں کہ اس وقت تک کوئی کامل ایمان والا ہوتا ہی نہیں جب تک کہ منزلِ جنون سے نہ گزرے۔ جب تک دُنیا اسے پاگل نہ کہے۔ سرکارؐ کو لوگوں نے مجنون کہا تھا کہ نہیں۔ کسی نے کہا شاعر ہے، کسی نے کہا دیوانے ہیں، کسی نے ساحر کہا، کسی نے کیا کہا، کسی نے کیا۔ اب اگر آپ کو کوئی کہے شاعر ہے تو کہیں! مولا الحمد اللہ آج وہ لفظ میرے لیے کہا گیا ہے جو سرکارؐ کے لیے کہا گیا تھا آپ خوش ہو کر کہیں۔ کوئی کہے پاگل ہیں، دیوانے ہیں جب آپ ذکر کرتے ہوئے جا رہے ہیں جذب کی کیفیت میں اللہ اللہ کرتے جا رہے ہیں کوئی کہے

دیوانے ہیں تو کہیں الحمد اللہ مولا کریم! آج میری منزل طے ہوگئی۔ آج مجھے قربِ نبوت نصیب ہوا اور یاد رکھیں! کہ خدا کے ذکر میں جب تک کسی نے آپ کو دیوانہ نہیں کہا تو یہ منزل طے نہیں ہوئی یہ سنّت ادا نہیں ہوئی بات سمجھیں! دیوانہ کہلانا پڑے گا اور خاص طور پر بدعقیدہ لوگ آپ کو دیوانہ کہیں گے۔ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیوانہ کہنے والے مکے کے کافر تھے خود پرست تھے۔ الحمد للہ ہماری اس محفل میں سارے پڑھے لکھے لوگ موجود ہیں۔ کوئی ایف اے، کوئی بی اے، کوئی ایم اے، کوئی ایل ایل بی، کوئی ڈبل ایم اے، کس کس سطح کے لوگ بیٹھے ہیں۔ یاد رکھیں! اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کے دیکھ لیں۔ زندگی ساری کو پیچھے trace out کرلیں اس کو churn out کرلیں، کھنگالیں اس کو اور دیکھیں اگر کسی نے آج تک آپ کو دیوانہ نہیں کہا تو کوئی ایسا کام ضرور کریں جو اتبّاعِ شریعت کے عین مطابق ہو اور آپ کی دیوانگی ظاہر کرتا ہو تاکہ لوگ آپ کو دیوانہ کہیں اور پھر آپ کی منزل طے ہو جائے۔ جب تک یہ منزل طے نہیں ہوگی آگے نہیں چل سکتے۔ بات سمجھیں! حضرت مجدّد پاک رحمۃ اللہ علیہ کو جب ابتدائے سلوک تھا تو لوگوں نے کہا کہ یہ شخص جادوگر ہے۔ جو اس کے سامنے جاتا ہے تڑپنا شروع کر دیتا ہے۔ ہم مجدّدی ہیں؛ ہم تڑپانا جانتے ہیں، تڑپنا جانتے ہیں۔ ہم نے صرف کتابوں میں مجدّد پاک کا نام نہیں پڑھا ہم نے سینوں سے پڑھا ہے۔ ہم نے مجدّد کا صرف نام نہیں سنا، فیض لیا ہے۔ ہمارے دلوں نے مجدّدؒ کا نام لیا ہے۔ ہمارے لطائف مجدّد مجدّد کہتے ہیں۔ ہم نے سرکارؐ کے گھر کا پانی پیا ہے، سرکارؐ کے گھر کا فیض لیا ہے۔ ہم تڑپنا بھی جانتے ہیں، تڑپانا بھی جانتے ہیں۔ اگر کوئی حیران ہوتا ہے تو ہوتا رہے۔ پتا نہیں کیا وجہ ہے آج میری کیفیت کہتی ہے کہ جو آگے چڑھے اس کو جذب دے دوں۔ جو آئے اس کو مجنوں بنا کے رکھ دوں! حضرت مجدّد پاکؒ

کوکسی نے کہا کہ شاعر ہے، کوئی کہتا مجنوں ہے، کوئی کہتا دیوانہ ہے تو جہانگیر اس وقت کے مغل بادشاہ نے عاملِ سرہند کو خط لکھا سنا ہے کہ سرہند کے علاقے میں ایک شخص مرتد ہو گیا ہے (استغفر اللہ العظیم، ثم استغفر اللہ العظیم) اور مخلوق اس کے گرد جمع ہو گئی ہے۔

جسے دیوانگی کہتے ہیں، الفت کی نبوت ہے

غنیمت ہے کہ صدیوں میں کوئی دیوانہ ہو جائے

سرہند کی سرزمین ہے، میرے پیر و مرشد ہیں، آپ کے پیر و مرشد ہیں اور مخلوقِ خدا جمع ہے اور بادشاہ کی بادشاہت لرز رہی ہے۔ اس کے چمچے، چیلے، لوٹے، کڑچھے کیا کرتے ہیں۔ جا کر کہتے ہیں کہ سرہند کی سرزمین میں ایک شخص نے اس طرح یہ، یہ کر دیا ہے، عامل کو لکھو۔ بادشاہ عامل کو خط لکھتا ہے، سنا ہے کہ سرہند کی سرزمین میں کوئی شخص مرتد ہو گیا ہے اس کو پکڑ کر میرے دربار میں حاضر کر دو تا کہ اس کو کیفرِ کردار تک پہنچایا جا سکے۔ استغفر اللہ العظیم، ثم استغفر اللہ العظیم اور پھر وہ وقت آیا کہ جب بادشاہ ننگے پیر دوڑ رہا تھا حضرت مجدد پاکؒ کے دربار کی طرف۔ آگے آگے بادشاہ تھا پیچھے پیچھے سارے اس کے چیلے تھے۔ اس وقت تزکِ جہانگیری میں یہ خط موجود ہے۔ میں آپ کو اس کی wording دے سکتا ہوں کہ یہ شخص نئے مذہب کا بانی ہے اور مرتد ہو گیا ہے۔

میرا اہلِ دنیا سے ٹکراؤ ہوتا رہتا ہے۔ تو ایک دنیا دار جو جعلی پیر کا مرید ہے۔ میں جعلی اس لیے کہہ رہا ہوں کہ میں اس کو بھی جانتا ہوں اور اس کے پیر کو بھی، دونوں مردود ہیں تو اس نے جب ہمارا یہ جذب و حال دیکھا اپنی مریدی اور پیر کی پیری اڑتی نظر آئی تو کہنے لگا کہ یہ نئے مذہب کا بانی ہے۔ مجھے کہتا ہے۔ اسے نہیں پتا کہ اہلِ سنت بڑا پرانا دین ہے۔ اسے نہیں

پتا کہ ہم امامِ اعظم رحمتہ اللہ علیہ کے غلام ہیں۔ اسے یہ بھول گیا کہ ہم سرکارِ غوثِ اعظمؒ کے نوکر ہیں، اسے یہ بھول گیا کہ سرکار مجددؒ پاکؒ کے مرید ہیں اور سرکار مجدد پاکؒ کو بھی یہی لفظ کہا گیا تھا ایک بادشاہ کی طرف سے کہ یہ نئے مذہب کا بانی ہے۔ اللہ کا نام لینا نیا مذہب ہے؟ تو میں خوش ہوا، الحمدللہ! کہ میری زندگی میں آج وہ مقام طے ہو گیا کہ میرے پیر کو کسی نے کہا تھا؛ میرے مرشد کو کسی نے کہا تھا کہ یہ نئے مذہب کا بانی ہے جو منزل ان کو رب نے اس وقت طے کرائی تھی میری اب کرا دی۔ تو کبھی نہیں ڈرنا! لوگ کہیں گے کہ یہ نیا مذہب نکال کے لائے ہیں۔ آپ کہیں جی! سنّی ہونا نیا مذہب ہے تو ہم نئے ہی سہی۔ ذکر سے ڈرنا اگر پرانا مذہب ہے تو تمہیں نصیب ہو۔ ہم اللہ کا ذکر کرتے ہیں ذکر کرائیں گے ہم جذب والے ہیں، تڑپنا جانتے ہیں، تڑپانا جانتے ہیں، مقدر اپنا اپنا۔ آزمالے جس کا جی چاہے۔ یہ میں نے جذب وجنوں پہ جو گفتگو بھی کی ہے یہ اس حوالے سے کی ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ میرے ذاتی کتاب خانے میں کم از کم تیس ہزار کتابیں موجود ہیں لیکن میں یہاں بیٹھ کر کتابوں کی مخالفت نہیں کر رہا ہوں کہ دل کے بعد کتاب کا نمبر آتا ہے۔ یہ سمجھانا چاہتا ہوں میرے دوستو، عزیزو اور بھائیو! کتاب کا نمبر دل کی دنیا کے بعد آتا ہے۔ دنیا دو قسم کی ہے ایک جو ہم ذہنوں سے تخلیق کرتے ہیں۔ ذہن سے سوچا ایک language کا علم حاصل کیا فارسی سیکھی، عربی سیکھی، انگریزی سیکھی، فرانسیسی سیکھی، Dutch language سیکھی، کوئی زبان سیکھتا رہا بیس سال لگ گئے۔ اس کے بعد پھر علم حاصل کرتا رہا اور بیس سال لگا دیے اور language اور knowledge کو جوڑ کر کتاب لکھ دی۔ استعمال کیا کیا سارے کا سارا دماغ استعمال کیا۔ لیکن ادھر

ومن یعظم شعائر اللہ فانّھا من تقوی القلوب

یہاں تو بات چھڑتی ہی دل سے ہے۔ زبان سے اقرار کرنے کے بعد سیدھی دل میں جاتی ہے بات۔

اقرار باللسان وتصدیق بالقلب

کسی نے نہیں کہا کہ ایمان کے بارے میں کتاب لکھو۔ کسی نے کہا ہے؟ قرآن میں ہے کہ ایمان کے بارے میں کتاب لکھو یا پڑھو؟ کسی نے نہیں کہا۔ کہیں قرآنِ عظیم میں نہیں لکھا ہوا کہ ایمان کے بارے میں کتاب پڑھیں، صرف کتاب ہی پڑھیں۔ کہیں نہیں لکھا ہوا کہ کتاب لکھیں۔ قرآنِ عظیم بھی قلب پہ اترنے والی چیز ہے۔

انزل علی قلبک

اے محبوب کریم! قرآن ہم نے آپ کے دل پہ اتارا۔

اور اگر قرآنِ کریم کی صرف wording پڑھنی ہے، تفسیر پڑھنی ہے تو پھر میں آپ سے کہوں گا کہ اس کو ثانوی حیثیت دیں۔ پہلے قرآنِ عظیم کو قلب سے پڑھنے کی صلاحیت پیدا کریں۔ جب آپ کا قلب روشن اور منوّر ہو جائے گا تو اس وقت آپ پر قرآنِ عظیم کی حکمتیں منکشف ہو جائیں گی۔ میں نے ایک دفعہ آیت الکرسی پڑھنا شروع کر دی یونہی کبھی میں لہر میں آ گیا تو کیا سے کیا پڑھتا رہا۔ میں قرآنِ عظیم اس طرح پڑھتا ہوں کہ کوئی ایک آیت لی اور اس کے مضمون پر غور کرنا شروع کر دیا: تدبر فی القرآن بڑی چیز ہے کہیں میری اس گفتگو سے تدبر فی القرآن کی اہمیت کم نہیں کرنی۔ قرآنِ عظیم کے متعلق حدیثِ پاک کو ذہن میں رکھیے کہ

من ارادعلم الاولین والاخرین فلیثور فی القرآن

جو کوئی علمِ اولین اور آخرین چاہے تو وہ قرآنِ عظیم کی سیر کیا کرے۔تو قرآنِ عظیم پر کبھی کبھی میں کوئی آیت لے کر بڑی دیر تک سوچتا رہتا ہوں اور پھر اس کو پڑھنا شروع کر دیتا ہوں اور آپ یقین کیجئے کہ تھوڑی دیر گزرتی ہے تو قرآنِ عظیم کے انوار بکھرنا شروع ہو جاتے ہیں۔قرآنِ عظیم کے نور نازل ہوتے ہیں! تو میں آیت الکرسی پر غور کر رہا تھا۔قرآنِ عظیم کی اس سیدۃ الآیات میں سترہ مقامات پر اللہ کا ذکر آیا ہے، براہ راست بھی اور مختلف صیغوں کی صورت میں بھی اور ضمائر کی صورت میں بھی یعنی اللہ کے proper names کے ساتھ بھی verbal صورت میں یعنی فعلی صورت میں اور ضمیری صورت میں بھی۔ **لَاتَاْخُذُہٗ** میں ہٗ ضمیر ہے۔ اللہ اسم ہے۔ **حیٌّ** قیوم اسمائے پاک ہیں۔ **یَعلَمُ** فعلی صورت ہے تو آیت الکرسی میں، ایک روحانی نکتہ بیان کر رہا ہوں براہ راست نام، صورتِ فعلی اور ضمیری صورت میں اللہ کا ذکر یا اللہ کا نام سترہ مرتبہ آیا ہے یہی وجہ ہے کہ بزرگوں نے کہا ہے کہ آیت الکرسی کی اگر کوئی پڑھنے کی تعداد پوچھے تو کہیں سترہ مرتبہ پڑھا کرے۔ یہ اس کا ایک سرِّ عظیم ہے۔اس طرح بسم اللہ شریف اگر کوئی پوچھے کتنی دفعہ پڑھیں تو اس کو کہیں انیس دفعہ پڑھا کرو کیونکہ بسم اللہ شریف کے حروف انیس ہیں۔سرکارؐ فرماتے ہیں جہنم کے انیس دروازے ہیں جس نے بسم اللہ شریف پڑھی اس پر انیس کے انیس دروازے بند ہو گئے۔آیت الکرسی کو سترہ مرتبہ پڑھنا ہے اگر توفیق ملے تو، مزید ملے تو ایک سو ستر دفعہ اگر بہت بلند نصیب چاہئے تو سترہ سو دفعہ آیت الکرسی کو پڑھیں۔ یوں تو شیخ الاکبر امام محی الدین ابن العربی لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ایک ہزار مرتبہ آیت الکرسی روزانہ پڑھنا شروع کر دے تو چالیس دن کے بعد اللہ کے جلیل القدر فرشتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھے گا۔ یہ اتنی بڑی چیز ہے تو ایک دفعہ میں نے آیت الکرسی پڑھنا شروع کر دی اور کافی دن تک

یونہی ذوق میں پڑھتا رہا کیونکہ اس میں رب کی شان کی خصوصی تجلیّات ہیں۔اس لیے نہیں کہ وظیفے کے طور پر یونہی پڑھتا رہا بلکہ اللہ کی تجلیات پر غور کرتا رہا تو نیلے رنگ کا ایک نور عطا کر دیا گیا آسمانی رنگ کا ایک نور تھا۔ایک دفعہ مراقبے میں بیٹھا تھا میں نے کہا چلیں دیکھتے ہیں میں آیت الکرسی شریف پڑھتا ہوں یہ نور زیادہ ہوتا ہے یا نہیں۔ میں پڑھتا چلا گیا نور زیادہ ہوتا گیا یوں لگا اس نور نے مجھے گھیر لیا ہو تو میں نے ایک بزرگ جو ولی اللہ تھے ان سے عرض کی؛ خواجۂ خواجگان پیر نذیر احمد صاحب موہڑوی کے خلیفہ ہیں واقعی ولی اللہ کامل سالک؛ تو میں نے ان سے عرض کی جناب! نیلے رنگ کے یہ انوارات جو آیت الکرسی شریف کے پڑھنے سے نازل ہوتے ہیں ان کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ بات تو وہی ہے ناں کہ سمجھنے والے تو جان جاتے ہیں، اٹھے وفورِ شوق کے ساتھ اور مجھے کبھی منہ پر کبھی ہاتھوں پر بوسے دینے شروع کر دیے۔ فرمانے لگے 'بہت بلند نصیب والے ہو جنہیں یہ انوارات قرآن دیکھنا نصیب ہوئے ہیں'۔ یہ اصل قرآن ہے! تو آپ کا جب قلب چلے گا آپ کے لطائف چلیں گے اور آپ کے اندر وہ جذب و شوق کی دنیا جاگے گی وہ سوزِ دروں نصیب ہو گا تو پھر کیا ہو گا؟ پھر آپ کو قرآن محض ایک کتاب نظر نہیں آئے گی۔ بقول اقبال کہ

ایں کتاب نیست چیز دیگر است

یہ کتاب نہیں کوئی اور چیز ہے۔

اور یہ وہ کتاب نہیں ہے جو ہم جا کر فیروز سنز سے پرنٹ کرواتے ہیں۔ یہ وہ کتاب ہے:

کتاب مستورٌ فی لوح محفوظ

یہ وہ کتاب ہے جو لوحِ محفوظ میں درج ہے۔

جب آپ کو جذبِ دروں مل گیا تو آپ کو یہ نظر آئے گا کہ جو دنیا ہم بسائے ہوئے ہیں جو ذہنوں کی تخلیق ہے اپنی پوری زندگی پر نظر ڈالئے! ذہن، ذہن، ذہن، سوچنا، سوچنا، سوچنا۔ ذہنی اپروچ، ذہنی اپروچ، ذہنی اپروچ، ہم کبھی نہیں کہتے کہ اس کو چھوڑ دیں لیکن یہ ضرور کہیں گے کہ یہ ثانوی ہے کیونکہ اس کا تعلق براہِ راست ایمان سے نہیں ہے۔ براہِ راست ایمان سے اگر کسی چیز کا تعلق ہے تو وہ صرف قلب کی دنیا ہے۔ حیاتِ ذہنی، حیاتِ قلبی، وہ لوگ جو ساری زندگی theories چھانٹتے رہتے ہیں:

مدت سے فلسفی کی چناں و چنیں رہی
لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی
فلسفی کو بحث کے اندر خدا ملتا نہیں
ڈور کو سلجھا رہا ہے اور سِرا ملتا نہیں

جب قلب روشن ہو گئے تو اطمینانِ نفس نصیب ہو گیا۔ کیا کہہ رہا ہوں، روشن قلب ہو گئے، اطمینانِ نفس نصیب ہو گیا! نکتے کی بات ہے۔

الا بذکر اللہ تطمئن القلوب

کہ بیشک اللہ کے ذکر سے دلوں کو سکون ملتا ہے

اور جب جنت کی بات آئی، دل ہوئے مطمئن تو

یاایھاالنفس المطمئنۃ ترجعی الیٰ ربک راضیاً مّرضیا

اے نفسِ مطمئنہ! اطمینان ملا تھا قلب کو یہاں اس کا نام نفس بن گیا ہے یعنی جنت کی بات آئی۔ نفس کی بات ہو رہی ہے، مطمئنہ کی بات آئی۔ نفس کی بات ہو رہی ہے اور سکون

ملتا ہے دلوں کو۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ اے نفسانیت کی دنیا والو! تمہیں قلب کی دنیا سے ہو کر آنا پڑے گا تب اطمینان کی منزل پر پہنچو گے! یہ بات سمجھنے کی ہے۔ قلب جب مطمئن ہوتا ہے تو نفس بنتا ہے۔ حقیقتِ نفس قلب میں ہے۔ یہ عیش وعشرت، یہ نشے، یہ سامانِ تعیش، یہ آپ دنیا کے جتنے اسبابِ زیست بناتے ہیں اس کا مقصد کیا ہوتا ہے۔ حرزِ نفس، لذتِ نفس، نفس کو خوش کرنا لیکن ہم بتاتے ہیں route اگر نہیں پتا تو آ کر فقیروں سے پوچھ لو۔

گر بتا دیں گے بادشاہی کے ہم فقیروں سے گفتگو کر لو

اگر تسکینِ نفس چاہتے ہو، اگر تسکینِ روح چاہتے ہو، اگر زندگی کا وہ اطمینان چاہتے ہو تو ذکر کو ساتھ لے کر چلو، قلب تک پہنچائے گا۔ قلب سے گزرو گے، آگے نفسِ مطمئنہ کی منزل کھڑی ہے تو نفس کو بغیر قلب کے جاننے والے لوگ دھوکے میں رہتے ہیں اور یاد رکھیئے! حیاتِ ذہنی؛ حیاتِ کتابی، حیاتِ عقلی، حیاتِ نفسی ہے۔ مستقیماً حیاتِ نفسی ہے! جب آپ قلب کے route سے آئیں گے تو خالص ایمان کی دنیا کی بات ہو جائے گی۔ بات یہ بھی نفس کی ہے، بات وہ بھی نفس کی ہے۔ جب براہِ راست نفس کی ہوگی تو نفسانیت ہے، جب قلب سے ہو کے آئے گی تو عین ایمان ہے۔

اس لیے جو نئے ساتھی تشریف لاتے ہیں ان کے لیے درس کہ ذہن کو قلب پر حاوی نہ ہونے دیجئے۔ یہ آپ کے لیے پہلا سبق ہے کہ یاد رکھیئے! ذہن کو قلب سے مغلوب رکھیئے، قلب اس پر چھایا رہے۔ قلب ابتداء اس طرح ہے کہ بدن کے اندر ہے اور پھر بعد میں اس طرح ہے کہ بدن اس کے اندر ہے اور پھر اس کے بعد اس طرح ہے کہ پوری کائنات اس کے اندر ہے!

چودہ طبق دلے دے اندر تمبو وانگڑ تانڑے

مشائخ مشاہدہ کرتے ہیں۔تو یہ بات جو ہم نے چلائی تھی وہ اس طرح تھی کہ نور کی دنیا سے ایک ایسا رابطہ، خوشبو کی دنیا سے ایک ایسا رابطہ اور Magnetic World سے وہ magnetic field جو کائنات کے اندر کام کر رہا ہے۔ جس کی مثال میں نے compass سے دی تھی اور اس کے بعد اولیائے کرام کی روحانی مثال دی تھی کہ چار اولیاء اللہ جو زمین کے گرد ہر وقت چکر لگاتے ہیں اور جو جگہ ان کی نگاہوں سے رہ جائے وہاں پر آفات اور بلیات آتی ہیں، یاد ہے آپ کو یہ سارا۔ایک روحانی اور ظاہری دنیا کے جو سائنسی اصول ہیں ان کے combination کے ساتھ جو میں نے آپ کو بات واضح کرنے کی کوشش کی تھی۔وہ یہ تھی کہ اگر ان تین چیزوں سے ہمارا connection جڑ جائے ان کا تصور ہم باندھ لیں تو ہم بہت کچھ سمجھ سکتے ہیں۔

اب یہاں ایک ضمناً دوسری بات جو ابھی یہ قرآنِ عظیم پڑھ رہے تھے تو اچانک مجھے یہ خیال آیا کہ ایک خاص قسم کا شغلِ روحانی بتانے سے پہلے؛ جس طرح آپ لطائف کرتے ہیں ناں یہ کیا ہیں اشغال ہیں، وظائف اور اشغال ہمارے ہاں ستم یہ ہے کہ لوگ وظائف پر تو زور دیتے ہیں لیکن اشغال پر نہیں دیتے حالانکہ مقامات اشغال سے طے ہوتے ہیں۔اس بات کو میں اور طریقے سے سمجھاتا ہوں قرآنِ عظیم سے، انہوں نے ابھی فرمایا کہ **اللہ نور السمٰوت و الارض**: اللہ زمین و آسمان کا نور ہے۔اب دیکھنا یہ ہے کہ اللہ رب العزت کے نور کی دو جہتیں ہیں دو پہلو ہیں اس کو سمجھنا ضروری ہے۔قرآنِ عظیم الشان کی آیت:

هو الاول والآخر و الظاهر والباطن وهو بكل شئى عليم

اور یہ وہی آیت ہے کہ جس کے بارے میں حضرت شیخ عبدالحق محدثِ دہلوی مدارجِ نبوت میں

ابتداء کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ وہ آیت ہے کہ جس طرح اس کا اطلاق اللہ پر ہوتا ہے اسی طرح سرکار علیہ الصلوٰۃ و السلام پر بھی ہوتا ہے یعنی یہ آیت اللہ کے لیے بھی ہے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی۔ مدارجِ نبوت، اٹھا کے دیکھیں۔

یہ کتابیں بھی دو قسم کی ہیں یعنی انسانی دنیا کی لکھی کتابیں۔ قرآنِ عظیم الشان کو تو الگ رکھ دیں، سرکارؐ کی حدیث پاک کو الگ رکھ دیں، وہ تو خیر ہیں ہی نوری دنیا کی چیزیں۔ کتابیں بھی دو قسم کے لکھنے والے لوگ ہیں۔ آپ یقین کیجیے میں ایک دکان سے گزر رہا تھا ذاتی کیفیات اس لیے بتائی جاتی ہیں کہ آپ چونکہ میرے روحانی رشتے والے لوگ ہیں تو آپ پر بھی یہ کیفیات گزریں گی۔ اگر تاریک دل والا کتاب لکھے گا تو جو اس کو پڑھے گا، اس کا دل تاریک ہو جائے گا کیونکہ اس کے لفظوں میں ظلمت ہوتی ہے۔ نوری دل والا لکھے گا، روشن دل والا لکھے گا جو اس کو پڑھتا چلا جائے گا اس کا دل روشن ہوتا چلا جائے گا۔ اب ایک ایسا شخص کہ جس کا عقیدہ یہ ہو کہ جس طرح میں مجبور و معذور قسم کی مخلوق ہوں، انبیاء بھی اسی طرح ہوتے ہیں، بڑے بھائیوں جیسے ہوتے ہیں، نمبردار جیسے ہوتے ہیں جس طرح گاؤں میں چوہدری اور نمبردار ہوتے ہیں اس طرح ہوتے ہیں۔ ایسے ایسے بے ایمان ہیں جنھوں نے یہ بات کی ہے۔ میں نے حوالے underline رکھے ہوئے ہیں جب ان کو شوق ہوتا ہے اپنے بابوں کے کرتوت دیکھنے کا تو ان کو دکھائے جاتے ہیں۔ ایسے بیوقوف پیدا ہوئے ہیں اس دنیا میں جنھوں نے سرکارؐ کا کلمہ پڑھ کے یہ بات کی ہے کہ بڑے بھائی اور نمبردار جیسے ہوتے ہیں، ڈاکیے جیسے ہوتے ہیں۔ سرکار علیہ الصلوٰۃ السلام کے حوالے سے کسی بدنصیب نے ڈاکیے کا لفظ استعمال کیا ہے؟ ڈاک دے کر چلے گئے۔ اب وہ بد بخت اگر کتاب لکھے گا تو آپ کیا سمجھتے ہیں

اس کا کوئی فائدہ ہے پڑھنے کا خواہ سیرت ہی کی ہو۔

اس لیے میں آپ کو کہتا ہوں کہ بدعقیدہ لوگوں کی کتاب نہیں پڑھنی۔ علماء کے لیے یہ بات نہیں ہے۔ علماء تو جب اس کو پڑھتے ہیں تو اس کو analyse کرتے ہیں۔ بدعقیدہ آدمی کی کتاب پڑھیں گے فوراً لطائف پر برا اثر پڑے گا۔ ایک دفعہ ایک بدبخت نے مجھے سلام علیکم کہا میں نے اس کو وعلیکم السلام کہہ دیا تو میرے لطائف بند ہو گئے۔ پندرہ منٹ تک میں نے ذکرِ خفی اور ذکرِ خصوصی کیا تو پھر جا کر کیفیت بحال ہوئی۔ خدا کے فضل و کرم سے خدا نے اتنی توفیق عطاء کر دی ہے، اولیائے کرام کے قدموں میں بیٹھنے کا صدقہ دیکھنے سے ہی پتا چل جاتا ہے کہ اہلِ ایمان میں سے ہے یا نہیں۔ تو کتابیں دو قسم کی ہیں: پہلی کتاب وہ جو کسی ایسے شخص نے لکھی جس کا قلب تاریک تھا جس کے قلب میں بغضِ رسول تھا، علمِ رسول ؐ کا منکر۔ حضرت مجدد پاکؒ فرماتے ہیں کہ ہم میں اور نبی پاک ﷺ میں کیا فرق ہے؟ پتا نہیں اتنی باتوں سے باتیں نکلتی ہیں کہ جی چاہتا ہے کہ انسان بولتا چلا جائے اور ساری زندگی اسی میں گزر جائے اور سمجھتا رہے انسان حضور ﷺ کی شان اپنے بھائیوں اور عزیزوں کو اور حضورؐ کے زمزمے بکھرتے رہیں اور انسان دنیا سے چلا جائے۔ حضرت مجدد پاکؒ فرماتے ہیں کہ ہماری فطرت ہے بھول جانا؛ یہ نکتہ بڑا قیمتی ہے جب ہمیں کوئی چیز یاد آتی ہے تو یہ ہمارا کمال ہے مثلاً ہم نے میٹرک میں کوئی کتاب پڑھی یا ایف اے، بی اے میں کوئی کتاب پڑھی وہ ہمارے تحت الشعور میں چلی گئی۔ اب ہم نے اس کو دوبارہ یاد کرنا چاہا اور اس کو recall کرنے کے لیے اپنے ذہن کو کھنگالا۔ اگر ہم نے دوبارہ اس کو یاد کر لیا تو یہ ہمارا کمال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہاں جتنے memory systems ہیں جتنے قوتِ حافظہ کے اصول اور قانون ہیں وہ

سارے اسی قانون پر بنائے گئے ہیں۔ ہم جب کسی چیز کو revise کر سکنے پر قادر ہوتے ہیں تو یہ ہمارا کمال ہے یعنی بھول جانا فطرت ہے اور یاد کر لینا یہ کمال ہے۔ حضرتِ مجدد پاکؒ فرماتے ہیں کہ سرکارؐ کے ہاں پوری کائنات کا علم حضور ﷺ کی فطرت ہے بھول جانا کمال ہے۔ کیا کہہ رہا ہوں! پوری کائنات کا علم، پورے زمانوں کا علم، جب سے کائنات چلی تا ابد الآباد ہر چیز کا علم، پوری کائنات کو سامنے نگاہوں سے دیکھنا، یہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فطرت ہے اور اگر کوئی چیز وقتی طور پر بھلا دی جائے تو یہ سرکارؐ کا کمال ہے۔ ہماری فطرت بھولنا، سرکارؐ کی فطرت علم، ہمارا کمال یاد آنا، سرکارؐ کا کمال وقتی طور پر بھلا دیا جانا اس کو کہتے ہیں، Horizontal defence اس کی مثال سنیں حدیثِ پاک سے کوئی یہ نہ کہے کہ اپنی طرف سے باتیں کر رہے ہیں۔ ایک دفعہ سرکارؐ وضو فرما رہے ہیں۔ آپ نے دیکھا کہ ایک باز فضاؤں میں اڑتا ہوا آیا اور اس نے آ کر سرکارؐ کے موزہ شریف کو، نعلِ مبارک کو؛ یہاں اہلِ سنت کا عقیدہ سن لیں اگر کسی نے نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاپوش مبارک کو، نعلِ مبارک کو جوتڑی کہہ دیا، وہ کافر ہو گیا۔ اتنی احتیاط! نعل شریف، نعلِ مبارک، پاپوش مبارک باز نے اٹھایا وہ سعادت حاصل کی۔ اس نے سرکارؐ کے نعلِ مبارک کو چوما یوں کہنا چاہیے اور پھر اس کو اٹھا لیا، اوپر جا کر ذرا سا الٹا تو اس میں سے ایک سانپ نیچے گرا۔ اب سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سانپ کو مار دیا چونکہ سانپ انسان کو ضرر پہنچاتے ہیں اس لیے سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ گرامی ہے کہ ضرر پہنچانے والی چیز کو مار دیا جائے تو سرکارؐ نے اس کو مار دیا۔ تو باز سے سرکارؐ نے پوچھا کہ باز تجھے کیسے پتا چلا کہ میرے اس موزے میں سانپ موجود ہے۔ حضرت پیرِ روم نے یہ واقعہ مثنوی شریف میں لکھا ہے۔

آپ فرماتے ہیں:

مار را در موزہ بینم در ہوا

یارسول اللہ! موزہ شریف کے اندر میں جو سانپ کو دیکھ رہا ہوں

نیست از من عکسِ تست مصطفیٰؐ

یارسول اللہ! یہ میری وجہ سے نہیں یہ آپ کے بدنِ انور سے کچھ ایسے نور نکل رہے تھے کہ ہر چیز جگمگا رہی تھی اس میں یہ سانپ نظر آ رہا تھا۔

اس وقت عقاب کہتا ہے یارسول اللہ! میں نے دیکھ لیا کہ آپ کی توجہ اس طرف نہیں تھی۔ حضرت پیر رومؒ کے الفاظ سنیے ذرا! عقیدہ اہلِ حق کا: رومی رومی کرتے پھرتے ہیں اور پتا ہی نہیں کہ مثنوی شریف میں کیا لکھا ہوا ہے۔ اپنی محفلوں میں، تقریروں میں حضرت پیر روم کے شعر پڑھتے پڑھتے لوگوں کو بیوقوف بناتے رہتے ہیں اور کبھی دیکھا نہیں کہ مولانا روم فرماتے کیا ہیں۔ نبی پاکؐ نے فرمایا پیرِ روم کے الفاظ ہیں یہ

گرچہ ہر غیبی خدا برما کشود

دل در آں لحظہ بحق نشود

باز کو حضورؐ جواب دیتے ہیں کہ باز! اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہم پر سارے غیب کھلے ہوئے ہیں لیکن اس وقت ہمیں کسی اور چیز کی طرف توجہ نہیں تھی کیونکہ دل در آں لحظہ بحق نشود: میں وضو کر رہا تھا اور میری مکمل توجہ میرے رب کی طرف تھی تو جب اللہ رب العزت کی طرف سرکارؐ کی مکمل توجہ ہوا اور اس وقت کائنات کی کوئی چیز آپ کی نگاہِ مبارک کے براہِ راست سامنے نہ رہے تو یہ سرکارؐ کا کمال ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ رب ہے اور حضورؐ

ہیں! یہ وہ کمال ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کمال شمار ہوگا۔ ہم اگر غافل ہوں تو ہمارا نقص شمار ہوگا یعنی ہمارا غافل ہونا نقص۔ سرکارؐ کا متوجہ نہ ہونا سرکارؐ کا کمال کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کائنات کی اب بگڑی بن رہی ہے کیونکہ اس وقت رب سے بات ہو رہی ہے۔

کہاں سے بات چلی تھی؛ کتابیں دو قسم کی ہیں اگر کوئی شخص ایسا ہے، ایسے دل والا ہے، تاریک دل والا تو کتاب لکھے گا جو پڑھے گا اس کا دل تاریک ہوتا چلا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اس موجودہ Educational System میں سب سے بڑی خامی یہی ہے کہ تاریک دلوں والے کتابیں لکھ رہے ہیں اور تاریک دلوں والے پڑھا رہے ہیں۔ کہاں جائے گا وہ نور، کہاں سے آئے گا وہ نور اور اگر کرئی روشن دل والا کتاب لکھے تو جو پڑھتا جائے گا اس کا دل روشن ہوتا چلا جائے گا! میں بات کر رہا تھا حضرت شیخ عبدالحق محدثِ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی، وہ ہستی ہیں کہ جو حضورؐ کی بارگاہ کے اس طرح حضوری تھے کہ روزانہ حضورؐ کی بارگاہ میں جایا کرتے تھے۔ ان کی وہ کتاب مدارجِ النبوت لازمی پڑھیئے۔ حضورؐ کی شان سمجھنی ہو تو اس کتاب کا مطالعہ بڑا ضروری ہے۔ ورنہ آج کل بہتوں نے لکھی ہیں لیکن یقین کیجئے جب انسان ان راہوں پر چلتا ہے کوئی صاحبِ روحانیت ہو تو کہتا ہے یار! پتا نہیں کس کی لکھ رہے ہو، حضور ﷺ کی تعریف تو یہ نظر نہیں آتی لیکن ایک طرف یہ عالم کہ انسان 'مدارجِ النبوت' کو پڑھنا شروع کرے تو یوں لگتا ہے جیسے لفظ لفظ نور بن کے جگمگاتا چلا جا رہا ہے۔

ایک دفعہ میں نے حضرت خواجہ حافظ عبدالکریم صاحب کی کتاب 'ہدایت الانسان الی سبیل العرفان' اور میں آپ کو recommend کروں گا کہ یہ کتاب ساتھی لے کر کے پڑھیں۔

شغلِ روحانی

میں تیری تلاش میں نکلا تو اپنے آپ کو پایا اور اپنی تلاش میں نکلا تو تجھے پالیا، اب آپ اس بات کو relate کریں مَن عَرَفَ نَفسَهٗ فَقَد عَرَفَ رَبَّهٗ کہ جس نے اپنے نفس کو پہچانا، اس نے اپنے رب کو پہچانا۔ اب یہ دونوں باتیں کتنی مربوط ہیں، ایک بات دوسری بات کو کھولتی ہے اور دوسری بات پہلی بات کو کھولتی ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے لے کر آج تک بزرگانِ دین، اولیائے کرام اور اسلام کی تاریخ کی مقتدر شخصیات نے اپنے اس روحانی عمل کو expedite کرنے کے لیے جو فارمولے وضع کیے ہیں؛ ان میں سے بطورِ مثال آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ فرض کریں آپ نفی اثبات لے لیں نقشبندیہ شریف کا جس کو سلطان الاذکار بھی کہتے ہیں۔ یہ اصطلاح حضرت عبدالخالق گجدوانیؒ نے دی جو ہمارے سلسلۂ عالیہ کے بڑے مجذوب ولی اللہ ہیں، مجذوب بھی ہیں لیکن سالک بھی ہیں۔ میں نے ایک دن عالم مراقبہ میں ان کو دیکھا اور آپ کا بدن مبارک برہنہ نظر آیا، زلفیں شانوں پر پڑی ہوئی، بدن مبارک گندمی رنگ کا، تعارف پرندہ نے کرایا کہ یہ عبدالخالق گجدوانیؒ ہیں۔ مجھے ان کی شخصیت سے قدرتی بڑی محبت ہے۔ یہ جو نقشبندیہ شریف کی اصطلاحات ہیں وقوفِ ادبی، وقوفِ قلبی، وقوف زمانی اور سیر بر قدم یا نظر برقدم، خلوت در انجمن، انجمن درخلوت، بازگشت، یاداشت یہ ساری اصطلاحات جو گیارہ بنیادی اصطلاحات ہیں کہ جن کو سیکھنا ایک نقشبندی سالک کے لیے اور دیگر سالکین کے لیے بھی ضروری ہے وہ حضرت عبدالخالق گجدوانیؒ کی دی ہوئی ہیں۔ اس اعتبار سے یہ ہمارے بڑے محسن ہیں۔ لطائف کا اظہار

حضرت شیخ نقشبندؒ نے فرمایا اور مراقبات کی تفصیل حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے۔ اصطلاحاتِ نقشبندیہ میں سے اکثر حضرت عبدالخالق گجدوانیؒ کی دی ہوئی ہیں۔ ان تین اولیاء اللہ کو اس سلسلۂ عالیہ کے روشن آفتاب کہہ لیں کہ جب سلسلہ یہاں تک پہنچا تو اس میں ایک نیا انقلاب برپا ہو گیا۔ حضرت عبدالخالق گجدوانیؒ، شیخ خواجہ بہاؤ الدین نقشبند بخاریؒ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ یہ تین بنیادی ہستیاں ہیں اور بقول علامہ اقبال باقی سلاسل original ہیں اور یہ Universal ہے یعنی باقی سلاسل نے کسی خاص خاص خطے میں کام کیا ہے لیکن سلسلۂ مجدّدیہ شریف دنیا پوری پر پھیلا ہے۔ اگر آپ امام شاملؒ جنہوں نے روس کے علاقے پر کام کیا ہے ان کی لائف ہسٹری پڑھیں تو ورطۂ حیرت میں ڈوب جائیں کہ کتنے جلیل القدر ولی اللہ ہیں، سلسلۂ عالیہ مجدّدیہ شریف سے ان کا تعلق ہے تو حضرت عبدالخالق گجدوانیؒ کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا عالمِ مراقبہ میں آپ یقین کیجئے کہ انہوں نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تو مجھے یوں لگا کہ جیسے کسی نے شعلوں میں لپیٹ دیا ہو۔ صرف ایک دفعہ دیکھا اور اس کے بعد نگاہِ مبارک نیچے کر لی۔ وہ ہستی، سلسۂ عالیہ مجدّدیہ شریف کی اس اعتبار سے بڑی محسن ہستی ہے کہ انہوں نے جو نفی اثبات کا ذکر ہے اس کا باقاعدہ طریقہ بتایا ہے۔ ویسے تو سرکارؐ نے فرمایا ہے، **مَن قَالَ لا اِلہٰ اِلا اللہ وَ دَخَلَ الجَنتہ** کہ جس نے ایک مرتبہ کہا **لا اِلہٰ اِلا اللہ** وہ جنت میں گیا۔ بڑی چیز ہے صرف ایک مرتبہ کہا اور جنت میں داخل ہو گیا۔

حضرت امام عبدالخالق گجدوانی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حضرت خضر علیہ السلام تشریف لائے اور آپ سے فرمایا اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ روحانیت کی دنیا میں اندھا دھند آگے بڑھتا چلا جائے تو وہ پانی کے اندر بیٹھ کر سانس روک کے یہ ذکر کرے اور ساتھ طریقہ بھی بتایا جو

میں نے بہت سے ساتھیوں کو بتا دیا ہوا ہے۔ یہ چونکہ ہمارا سبق ہے، سبق open نہیں بتائے جاتے، سبق کے ساتھ احتیاطیں بھی ہوتی ہیں۔ جو ذکر نفی اثبات حضرت خضر علیہ السلام نے ان کو تعلیم فرمایا وہ آج تک سلسلۂ عالیہ مجدّدیہ شریف میں رائج ہے۔ سلطان الاذکار میں سلسلۂ عالیہ قادریہ شریف کا بھی ایک طریقہ ہے، سلسلۂ عالیہ چشتیہ شریف کا بھی اور سلسلۂ عالیہ سہروردیہ شریف کا بھی ایک طریقہ ہے لیکن نقشبندیہ شریف کا طریقہ زیادہ موثر دیکھا گیا ہے۔ اس میں بھی جو کلیدی لفظ ہے جسے بطورِ چابی استعمال کر کے سارے اسرار کو کھول سکتے ہیں وہ ہے حبسِ دم۔ حضرت عبدالخالق گجدوانیؒ حبسِ دم ہی کے طریقے کو اختیار فرمایا کرتے تھے۔ ہمارے ایک پیر بھائی تھے ان کا وصال ہو گیا ہے ایک سانس میں سوا لاکھ مرتبہ کلمہ طیبہ شریف پڑھتے تھے۔ صبح کو پڑھنا شروع کرتے اور ظہر کے وقت سوا لاکھ پورا کر کے اٹھتے اور اس لیے اٹھتے کہ نماز کا وقت تھا ورنہ دنیا کی کوئی قوت انہیں اٹھا نہیں سکتی تھی لیکن اتباعِ شریف تو بنیادی چیز ہے کوئی سلسلہ اتباعِ شریعت کے بغیر نہیں۔ یہ جو باہر ڈھول باجوں والے نظر آتے ہیں "بینڈ باجے یہ اولیائے کرام کے نظام کا حصہ ہیں"۔ یہ اولیائے کرام کے نظام کا بالکل کوئی حصہ نہیں ہیں۔ یہ اولیائے کرام پر بالکل الزام ہے اور ان سے بچنا ضروری ہے دوستوں کو بچانا ضروری ہے۔ اسلام میں کوئی ڈھول باجا نہیں اسلام میں کوئی شہنائیاں نہیں اسلام میں کوئی رقص نہیں۔ یہ سارے کا سارا اپنی نفسانیت کو تسکین دینے کے لیے ان لوگوں کے گھڑے ہوئے ڈھکوسلے ہیں اور ان سے بچنا ضروری ہے! حضرت والی اجمیر رحمۃ اللہ علیہ نے اگر شروع کیا تھا تو ہندوؤں کے لیے شروع کیا تھا مسلمانوں کے لیے اذان ہوتی ہے جو ابھی آپ نے سنی ہے اور دی ہے۔

روحانی شغل کوئی عمل بھی ہوسکتا ہے اور مراقبہ بھی ہوسکتا ہے۔ جب انسان کوئی ذکر یا عمل کر رہا ہو تو وہ شغل ہے اور جب خاموشی سے بیٹھ جائے تو وہ مراقبہ ہے۔ جب انسان کسی روحانی شغل کے لیے بیٹھے تو نورِ خدا کا تصور کہ آپ کے اندر بھی نور ہے اور باہر بھی نور ہے. رحمتِ خدا کا تصور کہ آپ اللہ کی رحمت کی آغوش میں بیٹھے ہیں اور قدرت خدا کا تصور کہ جو کچھ میں چاہوں میرا رب عطاء کر سکتا ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے، اس کے ذہن میں راسخ ہو۔ ان تصورات کے ساتھ آپ نے وہ عمل کرنا ہے جو لاشعور کی دنیا سے وہ چھپے ہوئے چور باہر نکال سکتا ہے جو انسان کی روحانی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بنتے اور اس کے جسمانی عوارض کا سبب ہوتے ہیں، تفصیل پچھلی محافل میں گزر چکی ہے۔ بزرگانِ دین نے دو اصطلاحات کو بہت زیادہ اہم قرار دیا ہے ایک ہے حبسِ دم اور ایک حصرِ دم۔

اور آج میں آپ کو اپنی زندگی کی ایک بہت ہی قیمتی practice، بہت ہی قیمتی مشق اور بہت ہی قیمتی شغل کے بارے میں بتانے لگا ہوں۔ اس سے ان دوستوں کے گلے دور ہو جائیں گے جو یہ گلہ رکھتے ہیں کہ ہم کچھ دیکھ نہیں پائے ابھی تک۔ ان کے گلے بھی دور ہو جائیں گے انشاء اللہ جو یہ کہتے ہیں ہمارا دماغ کام نہیں کرتا؛ ہمارا ذہن کام نہیں کرتا ہم طالبعلم ہیں، پڑھائی میں ہمیں جتنی ذہنی استعداد کی ضرورت ہے اتنی میسر نہیں ہے۔ جسمانی طور پر طرح طرح کی پریشانیوں میں مبتلا رہنے والے ساتھی ان کے لیے بھی ایک پیغام شفا ہوگا اور سب سے بڑھ کر ان ساتھیوں کے لیے جو راہ صداقت کے مسافر ہیں اپنے اندر کی دنیا کو نور سے بھر دینے کا ایک طریقہ جو میں نے اپنی ذات پر آزما کر دیکھا۔ ابھی چند دن پہلے کی بات ہے کہ میں ایک ولی کی بارگاہ میں حاضر ہوا وہ اتنے عظیم سالک ہیں کہ واصل باللہ کے مقام پر ہیں۔ تو

ان سے گفتگو کے دوران کچھ اپنی کیفیات کا ذکر بھی کیا تو ان کی طرف سے جو داد ملی، جو شاباش ملی یوں کہنا چاہیے وہ کچھ اس نوعیت کی تھی کہ دورِ حاضر میں اس طرح کے مشاہدات بہت کم لوگوں کو ہوتے ہیں مثلاً انبیاء کی زیارتیں، لطائف کے انوارات کا ظاہر دیکھ لینا، اجسامِ مثالی کا مشاہدہ کر لینا، یہ ہمارے؛ تحدیثِ نعمت کے طور پر عرض کر رہا ہوں، معمولات میں سے ہیں۔ انبیاء تو شہنشاہ ہیں جب چاہیں جس پر چاہیں اپنا کرم فرما دیں لیکن عباد کی جو باتیں ہیں اجسامِ مثالی کو دیکھ لینا، لطائف کے انوارات کو دیکھنا، یا قلوب کی کیفیات سے آگاہی پا لینا، اللہ کریم کی بارگاہ میں جتنا حصہ ہو، اہلِ قبور کے حالات جان لینا، یہ چیزیں اب کچھ معمول بنتی جا رہی ہیں۔ پتا نہیں لوگ انہیں اپنی کرامات سمجھ کر کیوں بیان کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں تو میں سمجھتا ہوں یہ اللہ کا اتنا فضل ہے کہ اکثر ساتھیوں پر یہ مہربانیاں برتی رہتی ہیں۔ یہ کیفیات پیدا کرنے کے لیے مجھے کچھ عرصہ بڑی شدید محنت کرنا پڑی اور اس محنت میں سے ایک بنیادی اور کلیدی چیز جس کو میں چابی کہہ سکتا ہوں، ان ساری چیزوں کی، آج میں آپ کو بتا رہا ہوں۔

اور جتنے سالک وہ جنہوں نے مجھ سے ذکرِ قلبی لیا ہے میں کسی کی بات نہیں کر رہا ہوں اس وقت کیونکہ ہر پیر، ہر بزرگ، ہر شیخ، ہر استاد اپنے شاگرد کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ جو ساتھی میرے پاس تشریف لاتے ہیں مثلاً گولڑہ شریف کے مرید ہیں، بڑے اعلیٰ دربار سے رابطہ ہے، گھمکول شریف سے، نیریاں شریف سے، موہڑہ شریف سے تو ان اولیائے کرام کے جو مرید ہیں، اپنے شیخ کی اجازت سے یا ادھر میرے شاگرد بن کر، میری بات سمجھ گئے ہیں آپ یعنی جو میرے شاگرد نہیں وہ تو ہیں ہی ہیں لیکن جو اس سلسلے میں نہیں ہیں اور اس سلسلے میں آنا بھی نہیں چاہتے اور دوسرے مشائخ کے سلسلے کو قائم رکھنا چاہتے ہیں تو پھر ان کو میرا شاگرد بن کر یہ کام کرنا پڑے

گا۔ان دو conditions کے علاوہ تیسری کوئی صورت نہیں ہے یعنی جو میرا شاگرد نہیں ہے یا اس سلسلے میں شامل نہیں ہے اس کو واضح طور پر کہہ دوں کہ یہ مشق جو میں آج تجویز کرنے لگا ہوں ہرگز، ہرگز، ہرگز نہیں کرنی ورنہ نتائج کی ذمہ داری ان کی اپنی ہوگی۔کوئی ساتھی میری خصوصی اجازت کے بغیر حبسِ دم شروع نہ کرے۔کسی کتاب سے دیکھ کر شروع نہیں کرنا کسی نااہل کے کہنے پر شروع نہیں کرنا۔میرے تمام ساتھیوں کو advance اجازت ہے۔میں نے جب اس منزل میں قدم رکھا تو اپنے استادِ گرامی سے یہی حکم پایا تھا۔آپ کو واضح طور پر عرض کر دیا ہے کیونکہ راہرو راہِ محبت کا خدا حافظ ہے اس میں دو چار بہت سخت مقام آتے ہیں۔

آپ نے اب کرنا کیا ہے؟ آپ اپنا منہ ابتدائی مشق کے دوران شمال کی طرف کر لیں؛ یاد ہے ناں میں نے کہا تھا کہ ایک magnetic wave چلتی ہے جو چار اوتادوں والی بات سنائی تھی داتا صاحب کے حوالے سے، اپنا منہ شمال کی طرف کر لیں اور حبسِ دم کی مشق کے لیے اپنے آپ کو تیار کر لیں۔اب بیٹھنے کے لیے جگہیں کون کون سی ہوں۔پہلی شرط یہ ہے کہ تنہائی ہو یعنی یہ نہیں کہ تین بچے اس طرف ہوں، دو تین خواتین سامنے بیٹھی ہوں اور اچھا خاصا اجتماع پیچھے ہو۔اس کے لیے آپ نے بیٹھنا ہے تنہائی میں۔اگر آپ یہ شغلِ روحانی دریا کے کنارے پر یا ندی کے کنارے یا کسی بھی پانی کے کنارے پر کریں گے تو اس کے فوائد میں کئی گنا اضافہ ہو جائے گا لیکن اس کا مقصد یہ بھی نہیں کہ اس کے لیے آپ رات کو جا کر کسی کنویں پر بیٹھیں اور لوگ کہیں پتا نہیں کیا کرنے لگا ہے۔لوگوں کو اور تو کچھ پتا نہیں ہوتا تو ایک ہی بات کرتے ہیں؛ جادو کرنے لگا ہے، یہ اپنی حفاظت کا ذمہ ذرا خود لینا ہے تو بیٹھئے ذرا احتیاط سے۔ آسان ترین میں سمجھتا ہوں کہ احتیاط یہ ہو سکتی ہے کہ آپ اپنے مکان کی چھت پر بیٹھئے وہاں

disturb بھی کوئی نہیں کرے گا اور ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ کھلی ہوا ہوگی۔

دوسری شرط یہ ہے کہ کھلی ہوا میں بیٹھیں آپ یعنی کسی ایسی جگہ پہ نہ بیٹھیں جو تنگ و تاریک ہو اور وہاں پر آپ کو سانس لینے میں دشواری پیدا ہوتی ہو کیونکہ یہ شغلِ روحانی بنیادی طور پر آپ کی روحانی اور جسمانی دونوں ترقیوں کی گارنٹی دیتا ہے مثلاً میں اپنے ایک ایسے عزیز کو جانتا ہوں جو میرے استاد بھائی تھے کوئٹہ کے کسی ادارے میں پڑھتے تھے۔ انھوں نے میرے استادِ گرامی کو خط لکھا؛ جنہوں نے مجھے یہ شغلِ رحانی تعلیم فرمایا تھا انھیں خط لکھا کہ جناب! میں بہت نا لائق ہوں میرے اوپر مہربانی کیجیے، مجھے کوئی شغلِ روحانی بتائیے۔ انہوں نے اس نوجوان کو یہ شغل بتادیا اور پھر وہ وقت بھی آیا جب وہ شخص کوئٹہ بورڈ میں Top کر رہا تھا۔ اس نے اس بات کو تسلیم کرلیا کہ واقعی انسان کے انقلابات کے لیے اہلِ روحانیت کے پاس گر ہیں۔

گر بتادیں گے بادشاہی کے ہم فقیروں سے گفتگو کرلو

دوسری احتیاط یہ کہ کسی کھلی ہوادار جگہ پر بیٹھیں جہاں کی ہوا تازہ ہو تاکہ آپ کو سانس لینے میں آکسیجن کی کمی محسوس نہ ہو۔ اس میں اصل ایک بنیادی نکتہ ہے کہ آپ نے اپنے بدن میں آکسیجن store کرنی ہے۔ آکسیجن جس کو ہمارے بزرگانِ دین نے اپنی روحانیت کی دنیا میں روحِ حیات لکھا ہے۔ یوگا والوں نے؛ وہ جو فضاؤں میں پرواز تک بھی کر لیتے ہیں انسان کی تحقیق ہے بدن کے اسرار پر، انھوں نے اس کو پَرانا لکھا ہے یہ اردو والا پُرانا نہیں یہ پَرانا life force ہے جو انسان کے اندر کی تمام حرکات کو کنٹرول کرتی ہے۔ حرکات میں نے آپ کو بتایا تھا دو قسم کی ہوتی ہیں: اختیاری حرکات اور غیر اختیاری حرکات۔ اگر کسی سے کہیں اٹھو اور وہ اٹھ جائے تو یہ اختیاری حرکت ہے؛ آنکھیں بند کرنا اختیار میں ہے کھولنا اختیار میں ہے، ہاتھ

ہلانا اختیار میں ہے، پاؤں ہلانا، کھانا، پینا، چکھنا، اختیار میں ہے لیکن کچھ functions ایسے ہیں جو غیر اختیاری ہیں مثلاً دل کی دھڑکن غیر اختیاری ہے، بالوں کا بڑھنا، انسان کے بدن میں نظامِ دورانِ خون، perspiration، کھانا آپ نے کھالیا تو اس کا انہضام غیر اختیاری ہے۔ دماغ کا ہر وقت سوچتے رہنا یعنی سوچنے کے عمل کا مسلسل جاری رہنا آپ اس کو نہیں روک سکتے یہ بھی غیر اختیاری ہے۔ اب ظاہری اختیاری اعمال ہوں یا باطن کے غیر اختیاری اعمال ہوں دونوں sections کو ہماری یہ مشق فائدہ دیتی ہے۔ ظاہری نظاموں کے کنٹرول میں آپ کی صحتِ ظاہری ٹھیک کر دے گی اور باطنی نظاموں کے کنٹرول میں آپ کو روحانی طور پر پتا نہیں کہاں سے کہاں لے جائے گی۔

میرے ایک شاگرد گارڈن کالج کے طالبعلم تھے تو ان کی جسمانی صحت کا یہ عالم کہ دو دفعہ ہارٹ اٹیک ہوا اور ساتھی کالج سے اٹھا کر گھر لے گئے اور پھر وہ زندگی سے اتنے مایوس ہوئے کہ اپنے آپ کو ہی ختم کرنے کا منصوبہ بنالیا۔ اسی دوران ان کو اس فقیر کا خیال آیا کہ ان سے بھی میرا کوئی رشتہ بنتا ہے چلیں ان سے پوچھتے ہیں کہ شاید ان کے پاس میرے ان مسائل کا کوئی حل ہو؛ اب وہ عزیز میرے اس پر کتاب لکھنے کے موڈ میں ہیں دعا کریں ان کی کتاب بھی آپ کو مل جائے۔ وہ میرے پاس تشریف لائے الحمدللہ! میں جو یہ باتیں آپ سے کرتا رہتا ہوں ان سے بھی کر دیں اور انہوں نے اللہ کا نام لے کر میرے بتائے ہوئے طریقے پر عمل کا آغاز کر دیا۔ چھ مہینے کے بعد؛ مسلسل مشق کے بعد اسی ڈاکٹر کے پاس گئے ہارٹ سپیشلسٹ کے پاس جس نے انہیں دل کی شدید ترین بیماری میں مبتلا ہونے کی اطلاع دی تھی تو اسی نے NAD لکھا۔ NAD کا مطلب ہوتا ہے Not Any Disease اور دلچسپ

ترین بات جو مجھے بتائی اور اتنی دلچسپ کہ شاید یہ آپ کے لیے فکر کی نئی راہیں کھول دے کہ کچھ میں نے ان کو تعلیم کی اور کچھ جو چیزیں میری بساط سے باہر تھیں میں نے ان کا رابطہ اپنے استادِ مکرّم سے بھی قائم کر دیا کہ ان سے بھی سیکھیں۔ اب جناب استادِ مکرّم نے ایک عجیب طریقہ انہیں بتایا کہ جب آپ یہ مشق ابتدائی طور پر کسی حد تک کر لیں تو آپ کو یہ قوّت حاصل ہو جائے گی کہ اپنے آپ بدن سے باہر نکلیں، کیا کہہ رہا ہوں! کہ اپنے بدن سے باہر نکل جائیں گے تو اس وقت وہ جسمِ نوری جو بدن سے باہر نکلا ہے؛ اس جسمِ نوری کا جو دل ہے اس پر توجہ کریں اور کہیں کہ اب تو شفایاب ہو چکا ہے یعنی جسمِ نوری فضا میں پرواز کر رہا ہے، ظاہری بدن آپ کا نیچے زمین پر رکھا ہوا ہو۔ اس جسمِ نوری کے ساتھ آپ پرواز کر رہے ہیں۔ اس وقت جو جسمِ نوری کا دل ہے اس پر توجہ کریں اور کہیں کہ تو اب ٹھیک ہو چکا ہے۔ میرے اس عزیز نے اسی طرح کیا۔ چند دنوں کی بات تھی جب ڈاکٹروں کے پاس گیا تو ڈاکٹر بھی سر پکڑ کے بیٹھ گئے کہ یا اللہ یہ کیا ماجرا ہے، اتنی تیزی کے ساتھ شفایابی اتنا حیرت انگیز عمل! اور پھر اسی طرح کے کئی ایسے عزیز جو طرح طرح کی جسمانی بیماریوں میں مبتلا تھے تندرست ہوئے۔ الحمد للہ! میرے سینکڑوں شاگرد ایسے ہیں جو اس field میں اب ماہر ہو چکے ہیں ناموں کا اظہار ضروری نہیں چونکہ یہ باطن کی دنیا ہے، کر کے دیکھیں جو کچھ تعلیم کر رہا ہوں، بتا رہا ہوں۔

تو نصیحت نمبر ۲ کیا ہے کہ آپ نے بنیادی طور پر آکسیجن store کرنی ہے۔ جس کو آپ روحِ حیات اور یوگی اس کو پَرانا کہتے ہیں، سائنسدان اس کو آکسیجن کا نام دیتے ہیں لیکن میں جو میری ذاتی تحقیق ہے برسوں کے مطالعے کے بعد اور مشاہدے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا

ترین بات جو مجھے بتائی اور اتنی دلچسپ کہ شاید یہ آپ کے لیے فکر کی نئی راہیں کھول دے کہ کچھ میں نے ان کو تعلیم کی اور کچھ جو چیزیں میری بساط سے باہر تھیں میں نے ان کا رابطہ اپنے استادِ مکرّم سے بھی قائم کر دیا کہ ان سے بھی سیکھیں۔ اب جناب استادِ مکرّم نے ایک عجیب طریقہ انہیں بتایا کہ جب آپ یہ مشق ابتدائی طور پر کسی حد تک کر لیں تو آپ کو یہ قوّت حاصل ہو جائے گی کہ اپنے آپ بدن سے باہر نکلیں، کیا کہہ رہا ہوں! کہ اپنے بدن سے باہر نکل جائیں گے تو اس وقت وہ جسمِ نوری جو بدن سے باہر نکلا ہے؛ اس جسمِ نوری کا جو دل ہے اس پر توجہ کریں اور کہیں کہ اب تو شفایاب ہو چکا ہے یعنی جسمِ نوری فضا میں پرواز کر رہا ہے، ظاہری بدن آپ کا نیچے زمین پر رکھا ہوا ہو۔ اس جسمِ نوری کے ساتھ آپ پرواز کر رہے ہیں۔ اس وقت جو جسمِ نوری کا دل ہے اس پر توجہ کریں اور کہیں کہ تو اب ٹھیک ہو چکا ہے۔ میرے اس عزیز نے اسی طرح کیا۔ چند دنوں کی بات تھی جب ڈاکٹروں کے پاس گیا تو ڈاکٹر بھی سر پکڑ کے بیٹھ گئے کہ یا اللہ یہ کیا ماجرا ہے، اتنی تیزی کے ساتھ شفایابی اتنا حیرت انگیز عمل! اور پھر اسی طرح کے کئی ایسے عزیز جو طرح طرح کی جسمانی بیماریوں میں مبتلا تھے تندرست ہوئے۔ الحمدللہ! میرے سینکڑوں شاگرد ایسے ہیں جو اس field میں اب ماہر ہو چکے ہیں ناموں کا اظہار ضروری نہیں چونکہ یہ باطن کی دنیا ہے، کر کے دیکھیں جو کچھ تعلیم کر رہا ہوں، بتا رہا ہوں۔

تو نصیحت نمبر ۲ کیا ہے کہ آپ نے بنیادی طور پر آکسیجن store کرنی ہے۔ جس کو آپ روحِ حیات اور یوگی اس کو پرانا کہتے ہیں، سائنسدان اس کو آکسیجن کا نام دیتے ہیں لیکن میں جو میری ذاتی تحقیق ہے برسوں کے مطالعے کے بعد اور مشاہدے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا

ہوں کہ آکسیجن سے بھی زیادہ لطیف ہے یہ! اور یہ پُرانا یا روحِ حیات انسانی زندگی کا سب سے قیمتی جوہر ہے اور آپ کو یہ سن کر شاید مزید حیرت ہو کہ انسان کی تولیداتِ نو (regeneration process) کا جو عمل ہے اس کی روح بھی یہی ہے اور اہلِ کشف کا مشاہدہ یہ ہے؛ جن کو اللہ کریم نے باطن کی اشیاء دیکھنے کی صلاحیت بخشی ہے کہ اس کا مرکز انسانی دل ہے۔ اب اسلام کا کمال دیکھئے کہ جہاں دنیا کی تہذیبوں نے کھوپڑی کھوپڑی لگا رکھی ہے۔ دماغ، دماغ اور brain کے پیچھے پوری دنیا دوڑتی پھر رہی ہے اسلام نے تقویٰ کا مرکز بھی قلب اور ایمان کا مرکز بھی قلب کو قرار دیا اور اللہ کریم نے بھی فرمایا کہ میں بندے کے دل میں رہتا ہوں۔

اب اس سے ایک نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مذہب کی دنیا، سائنس کی دنیا، نفسیات کی دنیا اور مابعد النفسیات کی دنیا یہ ساری کی ساری ایک فتوے پر جمع ہو رہی ہیں؛ اگر مذہب کی دنیا میں کہیں گے تو فتویٰ، سائنس کی دنیا میں theory، باقی عام الفاظ میں فارمولا یا سننے کی حد تک کہیں تو نظریہ کہیں گے۔ اس بات پر متفق ہو چلی ہے کہ انسانی دل اس کے بدن کی سب سے زیادہ پُر اسرار چیز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے اسباقِ روحانیت کے دوران سنا ہو گا کہ میں ایک ایک لفظ کی تشریح میں جا رہا ہوں یونہی چند الفاظ میں کوئی چیز بیان کر دینا اور پھر سب کو الجھا دینا اس سے بہتر ہے کہ خواہ ایک ہی بات بیان ہو لیکن ہو بڑی تفصیل کے ساتھ۔ میں نے آپ سے بارہا کہا ہے:

سبق پھر پڑھ کر صداقت کا عدالت کا شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

آپ نے کل اللہ کی مخلوق کی تربیت کرنی ہے۔تو ایک ایک نکتے پر جہاں سوال اُٹھ رہے ہوں میں آپ کی خدمت میں ہوں انسانی کھوپڑی کا جو پچھلا حصّہ ہے جسے pituitary gland کہتے ہیں یعنی ایک غدود اس میں اہلِ روحانیت کہتے ہیں کہ یہ صلاحیت موجود ہے کہ جتنی past storage ہے یعنی جتنے ماضی کے تجربات ہیں وہ سارے اس میں recorded ہیں ایک بات تو یہ۔یہی وجہ ہے کہ جب کوئی موت کے قریب ہوتا ہے تو اس کا یہ لطیفہ؛ یہ بھی ایک لطیفہ ہے اور عجیب بات ہے جتنے لطائف ہیں وہ سارے غدودوں کے مرکزوں پر ہیں لہٰذا لطائف کو سمجھنے کے لیے جو سائنس کے طلباء ہیں Biology کے خصوصی طور پر میں ان کی توجہ Endocrinology کی طرف دلاؤں گا غدودی نظام کی study پر روحانیات کا بڑا گہرا تعلق غدودی نظام اور اعصابی نظام سے ہے۔انسان کے اندر چھپے ہوئے خزانوں کا بڑا گہرا تعلق غدودی نظام سے ہے اور یہ جو pituitary gland ہے اس میں میری ذاتی تحقیقات کے مطابق نو secretions پائی جاتی ہیں۔اس کا مقصد کیا ہے؟ past storage، یہی بات ہم کر رہے تھے تا کہ پچھلے ماضی کو کس طرح صاف کیا جائے؟ اب جب کسی کی موت قریب آتی ہے تو یہ لطیفہ اپنے عروج پر چلا جاتا ہے اور ماضی کے سارے تجربات ممکن ہے بظاہر ایک لمحہ گزرے اور باطن کی دنیا میں ساری زندگی گزار دے۔اس سے کسی حد تک معراج کے فلسفے کی طرف بھی راہنمائی ممکن ہے بعد کی تحقیق دیکھیں کیا کیا نتیجے لے کے آتی ہے۔اس کا دوسرا function یہ ہے کہ oxygenic storage بھی اس میں ہوتی ہے یعنی ہم آکسیجن زیادہ سے زیادہ جو store کرتے ہیں وہ بھی اس حصہ میں کرتے ہیں۔اب آپ نے دو بنیادی چیزیں اپنے ذہن میں رکھنی

ہیں۔ایک تنہائی، تنہائی اس لیے کہ جب آپ مراقبے میں بیٹھیں ،مشق کرنے بیٹھیں آپ عالمِ مراقبا transport ہو گئے ہیں آپ کی روح کسی اور جگہ پھر رہی ہے اور کسی نے آ کر زور سے آواز دی تو آپ startle ہو جائیں گے آپ بھونچکا کر رہ جائیں گے کہ میں کہاں تھا، کہاں آ گیا۔

خود مجھے ذاتی طور پر بتاؤں کہ ایک دفعہ صبح کا وقت تھا اور میں اپنی مشق کے بعد لیٹا تو میں سیدھا مدینہ طیبہ شریف جا پہنچا، نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روضۂ اطہر کے اندر اور وہاں کی کیفیت کچھ عجیب وغریب تھی، اچانک دروازے پر زور سے کسی نے ہاتھ مارا تو مجھے اس طرح لگا جیسے کسی نے میری گردن کاٹ دی۔اب ظاہر ہے کہ روحانی طور پر انسان اس جگہ پہنچا ہو کہ جہاں کے لیے ساری زندگی لوگ ترستے رہتے ہیں اور کوئی آ کر سارا بنا بنایا کام بگاڑ دے تو کیا آپ خوش ہوں گے۔

اس لیے سب سے پہلا کام جو آپ نے کرنا ہے وہ ہے تنہائی کا اہتمام اور تنہائی کے ساتھ ساتھ secrecy کیونکہ

خاصاں دی گل عاماں اگے نئیں مناسب کرنی

یہ تو میں آپ کے سامنے بھری محفل میں گفتگو اس لیے کر رہا ہوں کہ جو ساتھی گفتگو سن رہے ہیں اور یہ گفتگو ان کے پاس پہنچ رہی ہے وہ ان کے پاس محفوظ ہو جائے۔آپ کی تربیت کے لیے کر رہا ہوں ورنہ یہ عوامی سطح کی باتیں نہیں ہیں۔یہ ایک درس ہے جو اہلِ محبت کے لیے ہے اور یہ میرا ذاتی مشاہدہ ہے کہ کوئی ایسی بات کہ جس کو مخفی رکھنا ضروری ہو اور اسے ظاہر کر دیا جائے تو انسان پر بسط کی بجائے قبض کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

یہ روحانیت کی دو کیفیتیں ہیں: ایک ہے قبض اور ایک ہے بسط۔ بسط ہے جب انسان کو خوب کشائش مل جائے مثلاً آپ لطائف کر رہے ہیں، لطائف جب خوب چلنے لگ جائیں تو یہ بسط ہے۔ اللہ کا اسمِ پاک **باسط** اس میں بڑی مدد کرتا ہے جب کبھی کیفیت قبض پیدا ہو جائے تو **یا باسطُ** پڑھا کریں اور خواجۂ خواجگان حضرت پیر نذیر احمد صاحب موہڑویؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص صبح چارپائی سے اٹھتے اٹھتے ہی چالیس مرتبہ یا باسط پڑھ لے تو زندگی میں کبھی بھی قبض کی کیفیت سے دوچار نہیں ہوگا۔ یہ وقت کے غوث کی statement ہے۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے۔

تو جب آپ وہ بات جو مخفی رکھنے کی ہو نااہل کو بتا دیں تو اس وقت کیفیت قبض پیدا ہو جاتی ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان اپنی کسی کیفیت سے خوش ہو کر کسی ایسے آدمی کو بتا دیتا ہے جس کا ظرف تھوڑا ہو یعنی انسان خوش ہے کہ میں نے یہ چیز دیکھی ہے اور کم ظرف والے آدمی کو بتا دیا اس نے اگر مذاق بھی اڑا دیا تو آپ پر قبض کی کیفیت طاری ہو جائے گی۔ اگر اس نے بدعقیدگی کا اظہار کیا، اب یہی جو میں آپ سے بات کر رہا ہوں کہ انسان کے اندر یہ صلاحیت موجود ہے کہ فضاؤں میں اڑ سکتا ہے اب اگر کوئی نہ مانے تو آپ کہیں گے یار میں نے بڑی غلطی کی یہ اس قابل نہیں تھا کہ یہ بات اس کو بتائی جاتی تو جو باتیں چھپانے کی ہیں ان کو بتانے سے کیفیت قبض پیدا ہو جاتی ہے۔

تیسری بات یہ کہ جس طرح میاں صاحب فرماتے ہیں کہ

پردہ پوشی کم فقر دا میں طالب فقراواں

عیب کسے دے پھولاں ناہیں سمجھاں تھیں شرماواں

سب سے بڑی بات یہ کہ فقیر ستار العیوب ہوتا ہے آپ کو جب اللہ کریم بصیرت نوری عطاء کر دے تو آپ پر مخلوق کی نہ جانے کیا کیا کیفیتیں کھل جائیں لیکن اس صورت میں مخلوق کی مدد کرنی ہوتی ہے۔ان کو ننگا نہیں کرنا ہوتا۔بات سمجھیں! یعنی اللہ کی مخلوق میں سے جس ساتھی کو آپ دیکھتے ہیں کہ ان کی کیفیت کسی بھی اعتبار سے قابلِ گرفت ہے،قابلِ افسوس ہے تو آپ ان کی مدد کریں ان کو پریشان نہ کریں اور ان کی یہ کیفیت بیان بھی نہ کریں۔اس طرح کے بیان کرنے سے آپ پر ایک کیفیتِ قبض پیدا ہو جائے گی جو روحانی طور پر بعض اوقات نقصان رساں ثابت ہوتی ہے۔

خواجہ خواجگان حضرت محمد قاسم موہڑوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک آزمائش ہوئی۔کسی نادان نے کسی خوبرو خاتون سے کہا کہ تم اگر چاہو تو حضرت باباجی کو گمراہ کر سکتی ہو اور ہمارا مشن اس طرح حل ہو جاتا ہے۔لوگوں کے مشن ہوتے ہیں شیاطین کے آلۂ کار بن جاتے ہیں تو اگر تم حضرت باباجی کو وضو کراؤ تو ممکن ہے کہ باباجی تجھ سے متاثر ہو کر اپنے فقر سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔اس نے لوٹا لیا جس طرح کہ اوپر سے dictation ملی ہوئی تھی اور حضرت باباجی کو وضو کرانے لگی لیکن بات وہی ہے کہ

تن مہینے خلقت رَجی تک یوسف کنعانی
جہناں محمدؐ عربی تکیا رَج گئے دوہئیں جہانی

اب جس نے حضورؐ کو دیکھا ہو کسی اور کا حسن اس کی نگاہوں میں سما سکتا ہے؟ وہ وضو کرانے لگی تو باباجیؒ نے اس کے چہرے کی طرف دیکھنا شروع کر دیا۔دیکھنے والوں میں وہ چور بھی تھا کہتا ہے پھانس لیے۔بہت خوش ہوا اپنے مشن کی بظاہر کامیابی پر جب وضو ختم ہوا تو وہ

اللہ کی کامل ولیہ بن چکی تھی۔لوگوں نے پوچھا، ''حضور! اس کے چہرے کی طرف کیوں دیکھ رہے ہیں''۔فرمایا، ''یہ مجھے وضو کرا رہی ہے اور میں اس کے گناہ دھو رہا ہوں''۔آپ نے اس کے چہرے کی طرف نہیں دیکھا تھا آپ اس کے لطیفۂ نفسی میں دیکھ رہے تھے۔ایک درویش جب کبھی کسی پر توجہ کرتا ہے تو اس کا فیض لطیفۂ نفسی کے ذریعے تقسیم ہوتا ہے۔آج آپ کا سبق ہے ناں یہ، جس کو فیض ملتا ہے اسی لطیفے سے ملتا ہے۔اسی لطیفے میں دائرہ ظاہر ہوتا ہے میرے ذاتی مشاہدات میں۔اسی میں آپ داخل ہو جائیں۔یہاں ایک قیمتی نکتہ روحانیت کا عرض کر دوں، دائرہ بھی ظاہر ہوتا ہے اور مثلث بھی ظاہر ہوتی ہے۔اب یہ دائرے اور مثلث کی تعبیر بعد میں کسی مناسب وقت پر کروں گا۔کیفیات بعض دوستوں کی اتنی عجیب وغریب ہوتی ہیں کہ ممکن ہے یہ کیفیت کسی دوست کو ایسی نظر آئے کسی دوسرے کو نظر نہ آئے۔مقصد یہ ہے کہ جب آپ کسی کے لطیفۂ نفسی پر توجہ کرتے ہیں تو اس کا راز کھل جاتا ہے آپ پہ۔اگر اس کا کوئی عیب ظاہر ہو تو میاں صاحب والی بات

پردہ پوشی کم فقر دا میں طالب فقراواں
عیب کسے دے پھولاں ناہیں سبھڑاں تھیں شرماواں

انسان یہ سوچ لے میں ان سے بھی برا ہوں۔میں ان سے بھی عاجز بندہ ہوں اللہ کا۔یہ سوچ آپ کو فائدہ دے گی۔

چونکہ جو مشق میں آپ کو بتانے والا ہوں اس مشق کے کرنے والے ساتھی اس محفل میں تشریف فرما ہیں کرتے رہے ہیں برسوں سے اور اللہ کے فضل والے لوگ ہیں اس میں بہت کچھ ظاہر ہو جاتا ہے! ہر کسی کی عیب پوشی کرنی اور کسی کو رسوا نہیں کرنا اور مزہ جب ہے کہ

آپ اپنے لطائف کے نور سے اس کو دھو دھلا کر؛ فقر کا یہی کام ہوتا ہے جب دیکھیں کسی میں کوئی خامی ہے تو اس کو دھوبی کی طرح دھو دیں۔ نقشبندیہ قافلہ سالار عجیب وغریب قسم کے ہیں کعبے کو جانے کا بڑا خفیہ رستہ ان کو پتا ہے۔ تو یہ خفیہ رستہ ہے؛ کوئی آپ کی محفل میں آکے بیٹھا آپ بولے بھی نہیں اور لطیفہ قلبی کے نور سے، خفی کے نور سے، اخفاء اور قالبی کے نور سے نفسی کے نور سے اس کو دھو دھلا کر واپس کر دیا اور بولنے کی ضرورت بھی نہ پڑی۔ میں ایسے درجنوں اولیائے کرام کی مثالیں خود دیکھ چکا ہوں کہ جو بولتے ہی نہیں ہیں کلام نہیں فرماتے ان کی محفلوں میں بیٹھنے والوں کو جواب مل جاتا ہے۔ زبان سے بولنے کی کبھی حاجت ہی پیش نہیں آتی۔ یہ احتیاط چونکہ زیادہ ضروری ہے اس لیے اس پہ میں نے زیادہ زور دیا ہے۔

اور آپ سے کہا تھا کہ تنہائی کے علاوہ ابتدائی طور پر جب یہ مشق شروع کریں گے تو آپ نے اپنا منہ شمال کی طرف کرنا ہے اور مزید بھی احتیاطی تدبیر یہ عرض کی تھی کہ آپ کسی ندی کے کنارے بیٹھ جائیں جہاں پانی ہو کیونکہ وہ oxygenic فضا ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ اولیائے کرام پانی والی جگہ کو پسند کرتے ہیں اور تصورات: خوشبو کا تصور، نور کا تصور، رحمت کا تصور اور قدرت کا تصور؛ ان تصورات کے ساتھ بیٹھ گئے اور آپ نے اپنی مشق کا آغاز کیا۔ ابتدائی طور پر تین چار لمبے لمبے سانس لے لیں۔ جس طرح نوجوان کبڈی کھیلتے ہیں پہلے تین چار سانس لے کر نارمل ہو جاتے ہیں پھر سانس روکنا ہوتا ہے اس لیے تیاری کر کے جاتے ہیں۔ بعینہٖ اس طریقے سے آپ نے اپنے آپ کو ذہنی اور روحانی طور پر تیار کرنا ہوتا ہے کہ جو مشق میں کرنے لگا ہوں اس کے لیے مجھے اپنی سانس پر مکمل کنٹرول ہونا چاہیے۔ آپ دو تین لمبے لمبے سانس لے لیں اور پھر اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ آنکھیں کھلی نہیں رکھنی اس مشق میں کہ

جب آپ کسی روحانی تصور کو قائم کریں گے ابتدائی طور پر آنکھیں بند رکھنے سے فائدہ ہوتا ہے۔

میرا اپنا مشاہدہ ہے کہ میں ابتدائی طور پر آنکھیں بند کر کے مشق کرتا تھا۔ ایک ایسی stage آ گئی جو اللہ کے فضل سے سرکار نبی پاک ﷺ کی توجہ سے اب دائمی بن چکی ہے کہ کھلی آنکھوں سے وہ نور دیکھے جا رہے ہیں یہ اللہ کا کرم ہے! میں تحدیثِ نعمت کے طور پر آپ کی روحانی ضیافت کے لیے عرض کر رہا ہوں کہ جہاں توجہ پڑتی ہے وہاں کھلی آنکھوں سے ظاہری نور صاف نظر آتا ہے یہ اللہ کا کرم ہے بلکہ ایک دفعہ ایک عجیب لطیفہ ہوا کہ ٹی وی پر خبرنامہ آ رہا تھا تو میں اس کو دیکھ رہا تھا تو مجھے یہ اشتباہ پیدا ہو گیا کہ یہ نور ٹی وی کے ہیں یا لطائف کے ہیں۔ آپ دیکھتے ہیں کہ رنگین ٹی وی کی روشنیاں کتنی زیادہ ہوتی ہیں لیکن میں ربِ کعبہ کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ لطائف کی روشنیاں ٹی وی کی روشنیوں پر غالب آ گئیں تو میں نے جب مزید غور کر کے دیکھا تو وہ روشنیاں لطائف کی تھیں۔ تو یہ کیفیت آ جاتی ہے اس مشق میں لیکن ابتداءً آپ نے آنکھیں بند کرنی ہیں اور تصور کسی ایک روشنی کا نہیں رکھنا جو روشنی خود آئے گی وہ اصل میں آپ کا موردِ فیض ہو گا، مثلاً اگر آپ کا لطیفۂ روحی قوی ہے تو سرخ روشنی آ جائے گی اور اخفاء قوی ہے تو سبز روشنی آ جائے گی۔ یہ لطائف کے رنگ آپ کو اچھی طرح یاد ہونے چاہئیں۔ قلب کا نور زرد ہے۔ روح کا نور سرخ ہے۔ سرّی کا نور سفید ہے۔ خفی کا نور قرمزن یا بنفشی رنگ یا بینگن کا جو رنگ ہے بینگنی یا کالا رنگ غلافِ کعبہ کا اور پانچواں یہ سبز رنگ ہے اخفاء کا اور چھٹا جو آج سبق آپ کو دیا ہے اس کا رنگ ہے نیلا جس میں سفیدی ملی ہوئی ہو اور زیادہ جو یہ ٹیوب کا رنگ ہوتا ہے اس صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

آپ ان تصورات کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں۔ اب سانس آہستہ آہستہ ناک کے

ذریعے سے لینی ہے منہ بند کرلیں اگر آپ کا قلب جاری ہو چکا ہے اور قلب کے جاری ہونے کا ایک سادہ سا مفہوم جو عوام کو سمجھانا چاہیں تو اس کا مطلب ہے کہ انسان اپنے دل کی دھڑکن جہاں جاری کرنا چاہے کر سکے مثلاً آپ نے اپنی انگلی پر توجہ کی تو دل یہاں دھڑکا۔ آپ نے اپنے سر پر توجہ کی تو دل سر میں دھڑکا۔ آپ نے سینے پر توجہ کی تو دل سینے میں دھڑکا۔ آپ نے گھٹنے پر توجہ کی تو دل گھٹنے میں دھڑکا یعنی جس طرف توجہ کریں دل بنا کر رکھ دیں: یہ ہے قلب کا جاری ہونا۔ جب پورے بدن کو آپ نے قلب بنالیا تو پھر قلب میں اور قالبیہ میں کوئی فرق نہیں رہتا یعنی لطیفۂ قالبیہ اور قلب مل کر پورے بدن کو ایک لطیفہ بنا دیتے ہیں۔ اس کو کہتے ہیں کیفیتِ سلطان الاذکار۔ اگر آپ کا لطیفۂ قلبی چل چکا ہے یا آپ سات منازل اسباق کی طے کر چکے ہیں یعنی لطیفۂ قالبی تک پہنچ چکے ہیں تو پھر آپ کے لیے یہ مشق اور مفید ہو جائے گی۔ لوگ کہتے ہیں کہ کشف پیدا نہیں ہوتا کشف کے پیدا کرنے کا ایک طریقہ جو میرا ذاتی تجربہ ہے جو میں نے کسی کتاب میں نہیں پڑھا۔ اگر آپ کسی کتاب کا حوالہ مانگیں گے، مجھے نہیں آئے گا، خالصتاً، خالصتاً، کاملاً یہ میری اپنی ذات پر گزری ہوئی بات ہے اور یہ کسی سے سنی بھی نہیں جو کچھ خود دیکھا وہ بتا رہا ہوں۔ آپ نے لطیفۂ قلب کو جاری ہونے کے بعد جب آپ کے بدن میں ذکر جاری ہوا آپ نے جب حبس دم کی مشق کی اور منہ بند کرلیا اور سانس آہستہ آہستہ لینا شروع کر دیا یعنی دل کی دھڑکن کے مطابق دل دھڑکا پھر تھوڑی سی ہوا اندر گئی، پھر دھڑکا پھر تھوڑی سی ہوا اندر گئی پھر رک گئی پھر دھڑکا پھر تھوڑی سی ہوا اندر گئی دل کے دھڑکنے کے ساتھ ساتھ آپ سانس لیں جتنا آہستہ لے سکتے ہیں۔ اس میں یہ دیکھا جب دل دھڑکا اور آپ نے سانس لیا تو اچانک کیفیتِ کشف پیدا ہوگئی اور انوارات کی تخلیق ہوگئی۔

بعض دوستوں نے کئی دفعہ سوالات کیے کہ کشف کیسے پیدا ہوتا ہے۔ اس کے اور بھی کئی طریقے ہیں لیکن ایک طریقہ یہ ہے۔ آپ نے آہستہ آہستہ سانس لینا شروع کیا اور دل کی دھڑکن کے ساتھ آپ کا سانس اندر جا رہا ہے اور ان کیفیات سے جسے کہتے ہیں interim periods میں دل اچانک دھڑکا اور تھوڑی سی سانس اندر گئی اس میں نور کے flashes پیدا ہوئے۔ flashes جانتے ہیں آپ جب آپ تصویر لیتے ہیں تو flash ہوتی ہے۔ یاد رکھئے! کہ بنیادی تصور نور رحمت اور قدرت کا قائم ہے۔ اب سانس آپ اندر لے کے جائیں یہاں تک کہ آپ کا پیٹ یعنی جو گنجائش ہے وہ بھر جائے۔ اب آپ نے سانس کو روک لینا ہے اور روکنے کے بعد اب جو آپ کا سبقِ اوّل ہے یعنی لطیفۂ اوّل۔ آپ نے ساری توجہ لطیفۂ قلب پہ کر لینی ہے اور یہ یاد کر کے کہ یہ لطیفہ زیرِ قدم حضرت آدم علیہ السلام ہے یعنی فیض سرکار دو عالم ﷺ کا ہے اور ملے گا مجھے بواسطۂ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کیونکہ اگر نگاہِ مصطفیٰ بغیر اخفاء کے براہِ راست پڑے تو برداشت نہیں ہوتی۔ اخفاء میں پڑے گی تو برداشت کرے گا۔ نگاہِ مصطفیٰ بغیر اخفاء کے برداشت نہیں ہو سکتی! کسی اور لطیفے کی جرأت نہیں ہے کہ براہِ راست برداشت کر سکے بات سمجھیں میری! جب اخفاء تک پہنچے گا تو اکثر سرکار علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی زیارت ہو جاتی ہے۔ ہمارا جو نقشبندیہ شریف کا سلسلہ ہے اس میں پانچویں لطیفہ تک پہنچتا ہے انسان تو اللہ کے فضل و کرم سے سرکار اکثر مہربانی فرماتے ہیں۔ ایسے شہنشاہِ کائنات ہیں جیسے چاہیں، جب چاہیں، جس رنگ میں چاہیں کسی کو نواز دیں! لیکن اکثر دیکھا گیا ہے کہ آپ کا فیضانِ مبارک پہلے ایک نبی پر پڑتا ہے پھر نبی کے واسطے سے انسان تک آتا ہے کیونکہ آپ

کے فیضان کو براہِ راست برداشت کرنا صرف انبیاء ہی کا حوصلہ ہو سکتا ہے۔

تو آپ نے اپنے قلب کو مہبطِ انوار سمجھنا ہے۔ مہبط کہتے ہیں جس پر ہبوط ہو جس پر نازل ہو کہ لطیفۂ قلب زیر قدم حضرت آدمؑ اور اس کا رنگ جس طرح سنگترے کا رنگ ہوتا ہے۔ میرا مشاہدہ یہی ہے اور بہت سارے دوستوں کا بھی یہی مشاہدہ ہے۔ ابتدائی دنوں میں قلبی اور روحی کے انوارات میں بہت اشتباہ ہوتا تھا یہ سرخ نور جو ہے یہ قلب کا ہے، میں سمجھتا تھا اور جو زرد ہے، یہ روحی کا ہے اور میں ان کی مثال کچھ اس طرح سمجھتا تھا کہ ہارٹ چونکہ خون کو پمپ کرتا ہے اس لیے اس کا رنگ سرخ ہونا چاہیئے اور دائیں طرف چونکہ جگر ہے اور چونکہ جگر میں صفراء پیدا ہوتی ہے اور صفراء کا رنگ زرد ہے لہٰذا لطیفۂ روح کا رنگ زرد ہونا چاہیئے لیکن بعد میں یہ اشتباہ دور ہو گیا لطیفۂ قلب کا رنگ زرد ہے اور لطیفۂ روح کا نور سرخ ہے۔ آپ نے جو سانس روکا ہوا ہے؛ اپنی توجہ قلب پر مرتکز کرنی ہے اور اب وہی تصور پورے بدن کو ایک لطیفہ سمجھنا ہے اور قلب کے ساتھ پورے بدن کے اندر اس دھڑکن کا احساس کرنا اس نور کا احساس کرنا اس رحمت کا احساس کرنا ہے جتنی دیر تک آپ سانس روک سکتے ہیں اس کو روکے رکھیں۔ جب آپ سمجھتے ہیں کہ مزید سانس روکنا مشکل ہو گیا ہے؛ ابتداءً یہ مشق بڑی مشکل ہوتی ہے اس وقت آپ ناک ہی کے ذریعے سے اسی کوشش کے ساتھ جس طرح آپ نے پہلے سانس لیا تھا اسی طریقے سے آپ آہستہ آہستہ دھڑکن کے ساتھ سانس کو خارج کرتے چلے جائیں اور مشق کرنے والے جو ساتھی ہیں ان سے آپ پوچھیں کہ یہ سانس چھوڑنے کا مرحلہ اتنا مشکل ہوتا ہے کہ ایک لحظے کے اندر پسینہ اتنی تیزی سے آتا ہے کہ انسان پریشان ہو جاتا ہے۔ جس طرح پھک کر کے سانس چھوڑتے ہیں ایسے نہیں کرنا ورنہ مشق کی افادیت ضائع ہو جائے گی۔

یہاں چونکہ اصل بنیادی تربیت ضبطِ نفس کی ہے۔ آہستہ سانس لینا یہ بھی ایک ضبط ہے، روک لینا یہ بھی ایک ضبط ہے اور پھر اسی ترتیب سے آہستہ آہستہ خارج کرنا یہ بھی ایک ضبط ہے۔ جوں جوں آپ سانس اس دھڑکن کے مطابق خارج کرتے چلے جائیں گے آپ کو یہ احساس ہوگا کہ آپ کی روح لطیف تر ہوتی چلی جائے گی۔

اب جو ساتھی دھڑکن کے مطابق نہیں کر سکتے، اب جو پہلے سبق میں ہیں ساتھی دوسرے سبق یا تیسرے سبق میں ہیں ظاہر ہے وہ نہیں کر سکتے یہ تو بڑے بلند مقام کی بات ہے کہ انسان پورے بدن کے اندر قلب کو دھڑکتا محسوس کرے۔ یہ تو سلطان الاذکار ہے یہ ہر ساتھی تو نہیں کر سکتا۔ اب آپ نے کیا کرنا ہے کہ جن ساتھیوں کو ابتدائی طور پر یہ مشکل نظر آرہی ہے جو سمجھتے ہیں کہ یہ کام مشکل ہے تو وہ ویسے آہستہ آہستہ سانس لیں یعنی جس طرح گرمی کا شدید موسم ہو اور آپ باہر سے آئے ہیں آپ rose syrup یا روح افزاء کا شربت بنا کے رکھ لیتے ہیں اور آہستہ آہستہ پیتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ جتنا آہستہ ہو سکے پئیں تاکہ زیادہ سے زیادہ دیر تک اس سے لطف اندوز ہو سکیں۔ بعینہٖ اسی طریقے سے آپ اس سانس کو اندر لینے میں جتنا زیادہ وقت لگائیں گے جتنا زیادہ روک سکیں گے اور جتنا آہستگی کے ساتھ خارج کر سکیں گے یہی اس مشق کی ابتدائی stage پر اصل کلید اور چابی ہے۔ یہ ہوا ایک چکر ایک round ایک cycle۔ آپ نے صبح کھانے سے پہلے نہار منہ یہ مشق کرنی ہے جو بھی ساتھی کرنا چاہیں سالکین میں سے، میرے شاگردوں میں سے اور میرے دوستوں میں سے یعنی جو رابطہ رکھ سکتے ہوں کیونکہ وہی بات کہ راہرو راہِ محبت کا خدا حافظ اس میں دو چار بہت سخت مقام آتے ہیں۔ ہم نے کافی ایسے لوگ دیکھے جنہوں نے خود مختار ہونے کی کوشش کی اور خود مختاری تو

کیا اپنے اختیار سے بھی گئے۔ ایسے نہیں کرنا! جو میرے سالک ساتھی ہیں جو میرے دوست ہیں اور جو شاگرد ہیں ان تمام احباب کے لیے اجازت ہے لیکن اس کا مقصد یہ نہیں کہ جو سالک نہیں ہے جو دوست بھی ہمارا نہیں، شاگرد نہیں ہے وہ کبھی بھی نہ سیکھے۔ اس circle میں آئیں باقاعدہ تربیت حاصل کریں اور مقصد تربیت ہی ہے، کوئی بھی ساتھی ہو۔

اب آپ نے کیا کرنا ہے کہ جن ساتھیوں کو یہ کیفیتِ قلب ابھی حاصل نہیں ہے وہ ساتھی عمومی طور پر سانس آہستہ لیں، سانس روکیں اور سانس خارج کریں۔ صبح اور شام یعنی بعد از نماز عشاء سونے سے پہلے یہ دو اوقات آپ رکھ لیں یعنی ایک عین نیند سے پہلے اور ایک صبح کھانا کھانے سے پہلے۔ ایک مزید احتیاط اس میں یہ کرنی ہے کہ کھانا کھانے کے بعد یہ مشق نہیں کرنی۔ میرا تو معمول یہ بھی رہا ہے کہ جب بھی کبھی فارغ بیٹھا تو یہ مشق شروع کر دی۔ میرے ایک عزیز ان کو میں نے یہ مشق بتائی تو ایک ایک دن میں انیس انیس مرتبہ یہ مشق کرتے رہے۔ چند دنوں میں ان کی کیفیت پتا نہیں کدھر سے کدھر نکل گئی تو پھر میں نے ان کو منع کیا بڑی سختی کے ساتھ کہ ایسے نہیں کرنا۔ اگر کوئی ساتھی تین مرتبہ کرنا چاہے یعنی صبح اور پھر عشاء کی نماز کے بعد سونے سے پہلے درمیان میں اگر دوپہر کے وقت کرنا چاہے تو یہ نورٌ علی نور ہو گی تین اوقات ہیں لیکن اکثر دیکھا گیا ہے اور میرے ذاتی معمولات میں کچھ ایسے رہا ہے کہ دن کے وقت مشکل ہوتا ہے مثلاً میں اب کالج میں ہوں تو کالج میں انسان مشق کیسے کرے آپ دفتر میں ہیں تو آپ یہ مشق کیسے کر سکتے ہیں وہاں پر یا دکان پر آپ بیٹھے ہیں گاہکوں نے آنا ہے تو وہاں آپ یہ مشق نہیں کر سکیں گے۔ اس کا ایک بڑا عمدہ طریقہ اور بھی ہے کچھ عرصہ میں اس طریقہ سے بھی کرتا رہا ہوں، ہر نماز کے بعد ایک چکر کر لیا۔ یہ ایک بڑی دلچسپ بات ہے۔ اس

صورت میں میں نے بڑے فوائد دیکھے ہیں لیکن یہ ساری varieties اس کی بعد میں آنے والی ہیں یعنی یہ پہلی مشق ہے اب اس میں ترامیم کیا کیا ہوتی ہیں جو ساتھی اس میں چلتے جائیں گے میں انشاء اللہ العزیز ساتھ ساتھ آپ کو بتاتا جاؤں گا۔ تو تین چکر صبح۔ یہ کم از کم تین کرنے ہیں ایک چکر نہیں کرنا۔ اگر ہر نماز کے بعد یہ مشق کرنے کی عادت پڑ جائے تو پھر بے شک ایک ایک کرلیں لیکن صبح کے تین اور شام کے تین جو، ہیں یہ disturb نہ ہوں۔

اس مشق کے جو ابتدائی فوائد آپ پر ظاہر ہوں گے۔ اگر آپ طالبعلم ہیں تو آپ کا ذہن بہت تیز ہو جائے گا اور آپ اپنے دوستوں سے اتنا آگے نکل جائیں گے کہ آپ نے کبھی سوچا بھی نہیں ہوگا۔ مطالعہ کر رہے ہیں آپ اور مطالعہ کرتے کرتے آپ تھک گئے، اسی وقت آپ مشق کریں آپ کا ذہن fresh ہو جائے گا مزید چار گھنٹے پڑھتے رہیں۔

برادرانِ طریقت! گزشتہ تقریباً بیس محافل کہنا چاہیے شاید اس سے بھی کچھ زیادہ ہوں لیکن میں احتیاطاً بیس کا لفظ استعمال کر رہا ہوں؛ ہم ایک سوال اور اس کی جزئیات پر بحث کر رہے ہیں، تقریباً ہر پہلو سے ہم نے اس کا جائزہ لینے کی کوشش کی ہے چونکہ ہمارے ہاں طریقت اگر صرف پیری مریدی کا نام پائے تو اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اگر طریقت سچے مسلمان تیار کرنے کا مشن سامنے رکھتی ہے تو یہی طریقت ہماری ہے اور یہی ہمیں قابلِ قبول ہے۔ اب اگر ایک صاحب کے ایک لاکھ مرید ہوں اور ایک لاکھ کے لاکھ بے نماز ہوں تو ایک لاکھ بے نمازوں کے پیر کا اللہ کی بارگاہ میں کیا حشر ہوگا یا جو پیر مریدوں کو اس لیے نہیں کہتے داڑھی رکھنے کے بارے میں کہ یہ بھاگ جائیں گے اور جو دنیاوی منفعتیں ان سے وابستہ کی جا سکتی ہیں، ان میں خسارہ آجائے گا تو پیری کا معیار کوئی رہتا ہے! اور پھر دوسرا پہلو یہ ہے کہ مرید

کسی محفل میں جائے، کسی شیخ کے پاس جائے اور اس نیت سے جائے کہ میری بھینس دودھ کم دیتی ہے زیادہ دے یا اس نیت سے جائے کہ پڑوسی جلدی اجڑنا چاہے یا اس نیت سے جائے کہ پیسے تھوڑے آرہے ہیں زیادہ آنے چاہئیں تو معیارِ طریقت اس نے بھی کوئی نہیں چھوڑا ۔کیا مانگنے گیا ہے؟ کہاں سے، کتنے بڑے دربار سے، کتنی بڑی عطاء کرنے والی جگہ سے، کیا مانگا ہے اس نے!

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی ہے

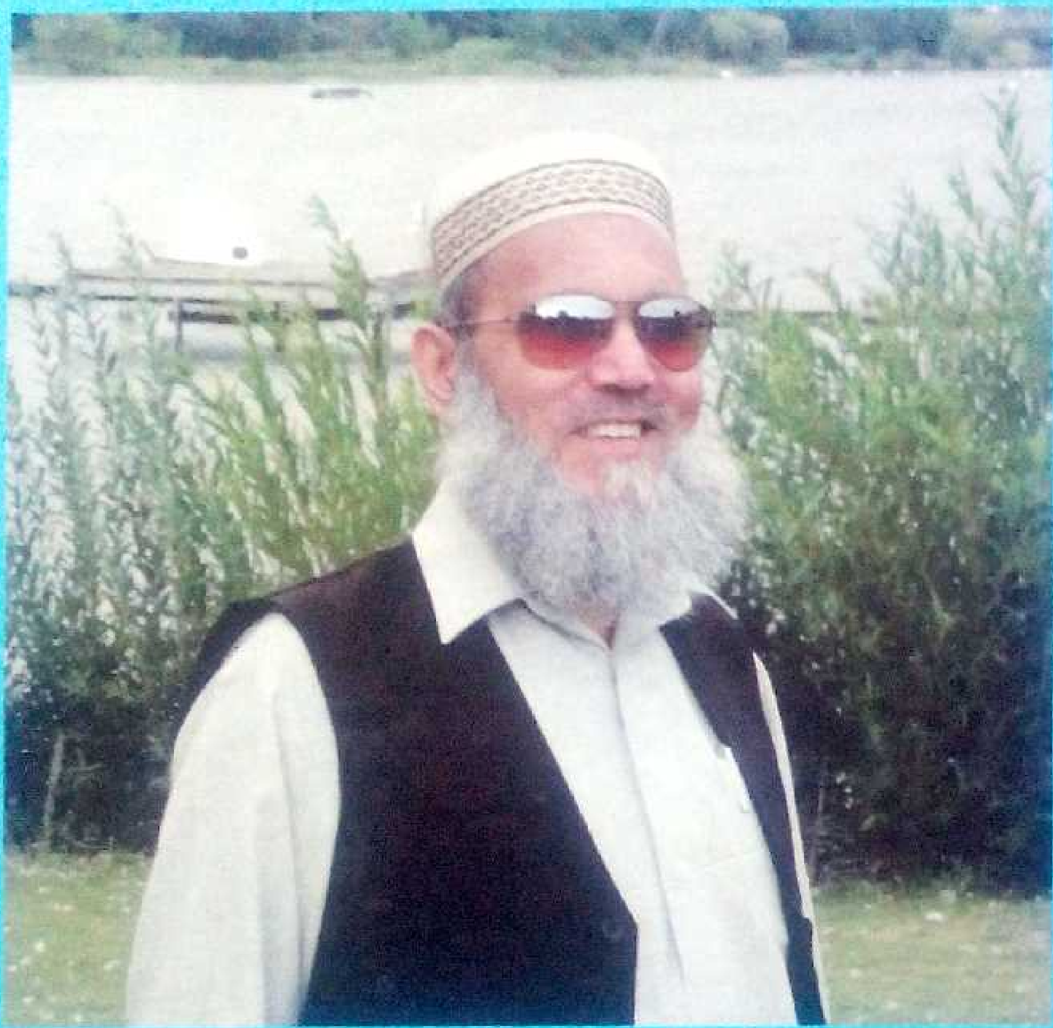
وما علینا الا البلاغ المبین

دُعا

اَلحَمدُ لِلّٰہِ رَبِ العَالَمِین وَ العَاقِبَتہُ لِلمتَّقِین والصَلٰوۃُ والسَّلَامُ عَلٰی سَیِدنَا مُحَمَّدِ نَبِیِ الکَرِیم الرَّؤفِ الرَّحِیم ا الاَ مِین

مولا کریم ہمارے ساتھیوں کی حاضری ہم مسکینوں ناچیزوں کی حاضری اپنی بارگاہ میں مقبول ومنظور فرما۔ اِلہٰ العالمین بتقاضائے بشریت اگر کوئی غلطی ہوگئی ہولفظاً، قولاً، عملاً یا فعلاً تو معافی عطاء فرما۔ الہٰ العالمین ذکر وفکر کی یہ محفل، اس تمام کا ثواب، دوستوں کے آنے جانے کا ثواب، مل بیٹھنے کا ثواب حضور شہنشاہِ دوعالم علیہ الصلوٰۃ السلام کی ذات پاک کی بارگاہ میں پیش کرتے ہیں مولا کریم منظور اور مقبول فرما۔ الہٰ العالمین ہمارے شہنشاہِ دوعالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دستِ کرم سے یہ ثواب حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر ہمارے شہنشاہِ دوعالم علیہ الصلوٰۃ والسلام تک تمام انبیاء ومرسلین اوران کے ماننے والوں کو عطاء فرما۔ مولا کریم یہ ثواب سرکار دوعالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دستِ کرم سے ان کے والدین کریمین کو عطاء فرما۔ سرکارؐ کی ازواجِ مطہرات کو عطاء فرما۔ سرکارؐ کی اولاد و بنات کو عطاء فرما خصوصاً حضرت سیدۃ فاطمہ الزہرہؓ کو عطاء فرما۔ حضور شہنشاہِ دوعالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام اہلِ بیت نبوت کو عطاء فرما۔ حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ، سیدنا عمر فاروقؓ، سیدنا عثمان غنیؓ، مولا علی المرتضیٰ شیرِ خدا کرم اللہ وجہہ الکریم کو عطاء فرما۔ الہٰ العالمین شہدائے بدر، شہدائے احد، شہدائے خندق، شہدائے حنین، شہدائے کربلا، شہدائے فتح مکہ کو عطاء فرما۔ کاتبین وحی اور جامعین حدیث پاک کو عطاء فرما۔ الہٰ العالمین اصحاب عشرہ مبشرہ، تمام صحابہ کرامؓ، صحابیات،

تابعین وتبع تابعین، حضرت حلیمہ سعدیہ، حضرت امِ ایمن اور حضرت اویس قرنی کو عطاء فرما۔ اللہ العالمین محبوب سبحانی شیخ سید محی الدین عبدالقادر الجیلانیؒ، حضرت شیخ ابوالحسن شاذلیؒ، حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ، خواجۂ خواجگان خواجہ غریب نوازؒ، حضرت داتا صاحب لاہوریؒ، سیدنا و مرشدنا امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ کو عطاء فرما۔ اللہ العالمین سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ شریف، چشتیہ شریف، قادریہ شریف، سہروردیہ شریف، شاذلیہ شریف کے تمام اولیائے کرام کو عطاء فرما۔ اللہ العالمین یہ ثواب اس علاقے کے تمام اولیائے کرام کو عطاء فرما۔ اللہ العالمین یہ ثواب ہمارے والدین کے نامۂ اعمال میں درج فرما۔ ہمارے مشائخ کے نامہ اعمال میں درج فرما۔ اللہ العالمین ہمارے جو لواحقین اس دنیا سے چلے گئے مولا کریم ان سب کو اس نور میں سے حصہ نصیب فرما۔ اللہ العالمین ہمارے دوستوں کے مقامات کو بلند فرما۔ اللہ العالمین ان کو اپنی جانب عروج عطاء فرما۔ ان کو عشقِ رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نصیب فرما۔ ان کو علمِ ظاہر و باطن عطاء فرما۔ دین پر عمل کرنے کی توفیق عطاء فرما اور دین کی سمجھ عطاء فرما۔ اللہ العالمین ہمارے جتنے ساتھی ہیں، تیری مخلوق کی آنکھوں کے تارے بن جائیں۔ اللہ العالمین ان کے ذریعے سے دین کو عروج عطاء فرما۔ ہم سب کو دین کی خدمت کرنے کی توفیق عطاء فرما۔ اللہ العالمین ہمارے مریضوں کو شفاء عطا فرما۔ اللہ العالمین ہمارے خیر خواہوں کو سلامت رکھ۔ اللہ العالمین ہمارے بدخواہوں کو ہدایت عطاء فرما۔ اللہ العالمین ہمارے بدخواہوں کو ہدایت عطاء فرما۔ اللہ العالمین ہماری دینی اور دنیاوی مشکلات کو آسان فرما۔ آمین ثم آمین۔



"خطبات عبدالغنی" ، دراصل ربع صدی پر محیط خطبات کا ایک سلسلہ ہے جو پروفیسر ڈاکٹر عبدالغنی" نے سالکین کی راہنمائی کے لیے ارشاد فرمائے۔ یہ کتاب نہ صرف ان لوگوں کی راہنمائی کرے گی جو صدق وصفا کے رستے پر چلنا چاہتے ہیں بلکہ کائنات کے تخلیقی وتکوینی کلیات کو سمجھنے کے لیے بھی مددگار ہوگی۔ دنیا میں لوگ ہمیشہ کامیابی وفلاح کی تلاش میں رہتے ہیں۔ یہ راز اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کے سینوں میں رکھا ہوا ہے [redacted]

بتا دیں گے گُر بادشاہی کے ہم فقیروں سے گفتگو کرلو

دعا گو

آصف محمود قاضی

PRISM
PUBLICATIONS(PVT)LIMITED